الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

تفسیر قرطبی

از ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

تفسیر قرطبی

جلد نہم

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

متن قرآن کا ترجمہ: جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری

مترجمین

مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی — مولانا ملک محمد بوستان

مولانا محمد انور مگھالوی — مولانا شوکت علی چشتی

بہ اشتراک

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی ○ پاکستان

فہرست مضامین

سورۃ المنافقون

سورۃ التغابن

سورۃ الطلاق

قاہر، قریب، قاضی اور قابض کا آغاز ہے(1)۔ شعبی نے کہا: یہ سورت کا آغاز ہے۔ ابوبکر وراق نے کہا: اس کا معنی ہے ہمارے امر اور ہماری نہی پر رک جا اور ان سے تجاوز نہ کر۔ محمد بن عاصم انطاکی نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے قرب ہے۔ اس کی وضاحت اس آیت میں بھی ہے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۝ ابن عطا نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کے دل کی قسم اٹھائی ہے کیونکہ اس دل نے خطاب کا بوجھ اٹھایا یعنی حامل قرآن بنا۔ اور آپ کے دل کی حالت کی بلندی کی وجہ سے اس میں کسی گرانی کا اثر نہ چھوڑا۔

وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ بلند شان والا۔ ایک قول یہ کیا ہے: الْمَجِيْد کا معنی الکریم ہے(2)؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی کثیر ہے، یہ قدر و منزلت کی کثرت سے ماخوذ ہے(3)؛ یہ کثرت تعداد سے ماخوذ نہیں۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: کثیر فلان فی النفوس اس ضمن میں مشہور ضرب المثل ہے فی کل شجر نار واستمجد المرخ والعفار یعنی ہر درخت میں آگ ہے اور مرخ اور عفار تمام درختوں پر بڑھ گئیں؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ اس کے جواب قسم کے بارے میں یہ قول کیا گیا ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ یعنی لام مقدر کا ارادہ کیا اصل کلام یوں تھی لقد علمنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب قسم اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى ہے؛ یہ ترمذی محمد بن علی کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کہا: ق ایسے اسم کے ساتھ قسم ہے جو عظیم اسماء میں سے ہے جو بندوں کے لیے ظاہر ہوئے وہ قدرت ہے نیز قرآن مجید کی قسم اٹھائی، پھر اسے بیان کیا جو قدرت سے ظاہر ہوا یعنی آسمانوں اور زمین، بندوں کے رزقوں، انسانوں کو پیدا کرنا، یوم قیامت کی صفت، جنت اور دوزخ سب قدرت کے کرشمے ہیں۔ پھر فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ تو قسم اس کلمہ پر واقع ہوئی گویا فرمایا: ق یعنی قدرت اور قرآن مجید کی میں نے قسم اٹھائی ہے کہ اس سورت میں جو میں نے بیان کیا ہے یہ نصیحت ہے اس کے لیے جس کا دل بنا ہو یا وہ توجہ سے سنے اور حاضر دماغ بھی ہو۔ ابن کیسان نے کہا: اس کا جواب مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ ہے۔

اہل کوفہ نے کہا: اس کا جواب قسم بَلْ عَجِبُوْٓا ہے۔ اخفش نے کہا: اس کا جواب محذوف ہے گویا فرمایا: قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ لتبعثن اس جواب پر یہ قول دلالت کرتا ہے: ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا۔

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ۔ اَنْ محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے لان جاءهم مُنْذِرٌ سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے هم ضمیر کفار کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومنین اور کفار سب کے لیے ہے۔ پھر اس ارشاد کے ساتھ انہیں الگ کیا۔ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ اور فقالوا نہیں فرمایا بلکہ ان کے حال، عمل کی قباحت کو بیان کیا اور کفر کے ساتھ ان کا وصف ذکر کیا جس طرح تو کہتا ہے: جاءنی فلان فاسمعنی المکروہ وقال لی الفاسق انت کذا و کذا۔ میرے پاس فلاں آیا اس نے مجھے ناپسندیدہ باتیں سنائیں اور مجھے فاسق نے کہا: تو ایسا ایسا ہے۔

هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ۝ عجیب امر وہ ہوتا ہے جس سے تعجب کیا جائے اسی طرح عجاب ہے مبالغہ تشدید کے ساتھ اس سے زیادہ عجیب ہوتا ہے اسی طرح اعجوبہ ہے۔ قتادہ نے کہا: ان کا تعجب اس بارے میں تھا کہ انہیں ایک معبود کی طرف

1۔ زاد المسیر، صفحہ 233 | 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 6، صفحہ 62 | 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 340

دعوت دی گئی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ انہیں دوبارہ اٹھائے جانے کی جو خبر دی گئی اس پر انہوں نے عجب کا اظہار کیا۔ قرآن حکیم نے جس کی تصریح کی ہے وہ زیادہ بہتر ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا یعنی کیا ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا اس میں اضمار ہے ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ، رجع کا معنی لوٹانا ہے یعنی وہ لوٹانا محال ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجعتہ ارجعہ رجعا، رجع ہو یرجع رجوعا۔ اس میں ایک اور اضمار ہے یعنی انہوں نے کہا: کیا ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا جب ہم مر جائیں گے بعث کا ذکر اگرچہ یہاں نہیں ہوا۔ اس کا ذکر کئی مواقع پر ہو چکا ہے قرآن ایک سورت کی طرح ہے نیز بعث کا ذکر اللہ تعالیٰ کے فرمان: بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ کے تحت موجود ہے کیونکہ وہ آخرت میں عقاب اور حساب سے خبردار کرتا ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ یعنی زمین جو ان کے جسموں کو کھاتی ہے ہم سے کوئی چیز گم نہیں ہوتی یہاں تک کہ دوبارہ لوٹانا ہم پر مشکل ہو۔ قرآن حکیم میں ہے قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝ (طٰہٰ) صحیح میں ہے "انسان کے ہر حصہ کو مٹی کھا جاتی ہے مگر دم گزا اسی سے اس کی تخلیق ہوئی اور اس سے ترکیب دیا جائے گا" یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔

یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء، اولیاء اور شہداء کے جسموں کو زمین نہیں کھاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں کے کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ ہم نے اس کی وضاحت کتاب التذکرہ میں کردی ہے۔ اور اس کتاب میں بھی یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

سدی نے کہا: نقص سے یہاں مراد موت ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ان میں سے جو مریں گے اور جو باقی رہیں گے ان کو ہم نے جان لیا۔ کیونکہ جو مرتا ہے اسے دفن کیا جاتا ہے گویا زمین لوگوں کو کم کرتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مراد مشرکوں میں سے جو اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ یعنی وہ کتاب ان کی تعداد اور ناموں کو یاد کرنے والی ہے یہ فعیل بمعنی فاعل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے یعنی وہ شیاطین سے محفوظ ہے یا اس میں ہر شے محفوظ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتاب کا معنی علم اور شمار کرنا ہے جس طرح تو کہتا ہے: کتبت عنہ ہذا یعنی میں نے اسے محفوظ رکھا۔ یہ ضرورت کے بغیر ظاہر معنی کو ترک کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو انسانوں کے اعمال کی حفاظت کرتی ہے تاکہ ان اعمال پر ان کا محاسبہ کریں۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ تمام کے قول میں حق سے مراد قرآن ہے؛ ماوردی نے اسے بیان کیا ہے (2)۔ ثعلبی نے کہا: حق سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اسلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝ مریج کا معنی خلط ملط ہے (3)۔ ایک دفعہ وہ کہتے ہیں: جادوگر ہے۔ کبھی کہتے ہیں: شاعر ہے۔ کبھی کہتے ہیں: کاہن ہے؛ یہ ضحاک اور ابن زید کا نقطہ نظر ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 340　　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 341　　3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 82

قتادہ نے کہا: اس کا معنی مختلف ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ملتبس ہے۔ سب معانی قریب قریب ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کا معنی فاسد ہے اسی معنی میں یہ جملہ ہے مرجت امانات الناس۔ لوگوں کی امانتیں فاسد ہو گئیں۔ مرج الدین والامر یعنی دین اور امر خلط ملط ہو گیا۔ ابو داؤد نے کہا:

مَرِجَ الدِّينُ فَأَعْدَدْتُ لَهُ مُشْرِفَ الْحَارِكِ مَحْبُوكَ الْكَتَدْ

دین خلط ملط ہو گیا تو میں نے اس کے لیے مضبوط کندھوں اور اونچی ہوئی پیٹھ والا تیار کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مریج سے مراد عجیب و غریب امر ہے۔ عمران بن ابی عطاء نے اس سے یہ نقل کیا ہے: مریج کا معنی خلط ملط ہے اور یہ شعر پڑھا:

فَجَالَتْ وَالْتَمَسْتُ بِهِ حَشَاهَا فَخَرَّ كَأَنَّهُ خُوطٌ مَرِيجُ

وہ گھومی جس نے اس کے پیٹ میں تیر تلاش کیا وہ گرا گویا خلط ملط ٹہنیاں ہیں۔

عوفی نے ان سے یہ نقل کیا ہے: مراد اس کے امر دو ہیں کیا یہ قول حق کے وہ ساحر، شاعر، مجنون اور کاہن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی متغیر ہے۔ مرج کا اصل معنی اضطراب اور قلق ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: مرج امر الناس۔ مرج امر الدین ومرج الخاتم فی اصبعہ۔ جب کمزوری کی وجہ سے انگوٹھی مضطرب ہوئی۔

حدیث میں ہے: "اے عبداللہ! تیرا کیا حال ہو گا جب تو اس قوم میں ہو گا جن کے عہد اور امانتیں خلط ملط ہو گئیں وہ اختلاف کا شکار ہو گئے تو وہ اس طرح اس طرح تھے۔ اور اپنی انگلیوں کو جال بنایا" اسے ابو داؤد نے نقل کیا ہے ہم نے اس کا ذکر کتاب التذکرہ میں کیا ہے۔

أَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا إِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَالْأَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَأَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَأَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَأَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝

"کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کی طرف جو ان کے اوپر ہے ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور اسے کیسے آراستہ کیا ہے اور اس میں کوئی شگاف نہیں اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور جما دیے اس پر بڑے بڑے پہاڑ اور اگا دیں اس میں ہر قسم کی رونق افزا چیزیں۔ یہ (آثار قدرت) بصیرت افروز اور یاد دہانی ہیں ہر اس بندے کے لیے جو اپنے رب کی طرف مائل ہے اور ہم نے اتارا آسمان سے برکت والا پانی پس ہم نے اگائے اس سے باغات اور وہ اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے اور کھجور کے لمبے لمبے درخت جن کے گچھے (پھل سے) لدے

ہوتے ہیں بندوں کی روزی کیلئے اور ہم نے زندہ کردیا اس پانی سے مردہ شہر کو یونہی (روز حشر ان کا) نکلنا ہوگا"۔

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ عبرت اور تفکر کی نظر سے نہیں دیکھتے اور یہ نہیں سوچتے کہ وہ ذات جو انہیں پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔

كَيْفَ بَنَيْنٰهَا ہم نے انہیں بغیر ستونوں کے بلند کردیا ہے۔ وَزَيَّنّٰهَا اور ہم نے انہیں ستاروں سے مزین کیا ہے۔ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ فُرُوْجٌ، فرج کی جمع ہے جس کا معنی شق ہے۔

امرؤ القیس کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے:

تسد به فرجها من دبر

کسائی نے کہا: اس میں کوئی تفاوت، اختلاف اور پھٹن نہیں۔ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ۔ سورۂ رعد میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ یعنی نباتات کی تمام انواع سے۔ بَهِيْجٍ حسین جو دیکھنے والوں کو خوش کردے۔ سورۂ حج میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ تَبْصِرَةً یعنی ہم نے اسے تبصرہ بنایا ہے تاکہ اس کے ذریعے کمال قدرت پر دلالت کریں۔ وَّذِكْرٰى اس کا عطف تَبْصِرَةً پر ہے۔ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کی قدرت میں غور و فکر کرنے والا۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ السماء سے مراد بادل ہے۔ مَآءً مُّبٰرَكًا زیادہ برکت والا پانی۔ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ تقدیر کلام یہ ہے وحب النبت الحصید مراد ہر وہ چیز ہے جس کو کاٹا جاتا ہے: یہ بصریوں کا قول ہے۔ کوفیوں نے کہا: شی کو اپنی ہی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے: مسجد الجامع، ربیع الاول، حق الیقین، حبل الورید وغیرہ: یہ فراء کا قول ہے اصل میں الحب الحصید تھا الف لام کو حذف کردیا گیا اور منعوت کو نعت کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ ضحاک نے کہا: حب الحصید سے مراد گندم اور جو ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وہ دانہ جسے کاٹا جاتا ہے، ذخیرہ کیا جاتا ہے اور روزی بنایا جاتا ہے۔

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یہ وَحَبَّ الْحَصِيْدِ کی طرف لوٹ رہا ہے۔ بٰسِقٰتٍ حال ہے۔ بٰسِقٰتٍ سے مراد طویل ہے: یہ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے۔ قتادہ اور عبداللہ بن شداد نے کہا: ان کے بسوق سے مراد طوالت میں مستقیم ہونا ہے(1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا معنی مستویات ہے(2)۔

حضرت حسن بصری، عکرمہ اور فراء نے کہا: معنی ہے بھاری، حاملہ بکری کو کہا جاتا ہے(3) ابسقت جب وہ بچہ جنم دے۔ شاعر نے کہا:

لما تركنا الدار ظلت منيفة بقران فيه الباسقات المواقر(4)

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 177
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 212
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 1، صفحہ 63
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 343

جب ہم نے کھجور کو چھوڑا تو وہ قرآن میں نمایاں ہو گیا اس میں لمبی پھل دار کھجوریں تھیں۔

پہلا معنی لغت میں بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے اور مشہور ہے یہ کہا جاتا ہے: بسق النخل جب وہ لمبی ہو جائے۔ شاعر نے کہا:

لنا خمر ولیست خمر کرم ولکن من نتاج الباسقات

ہمارے پاس شراب ہے یہ انگور کی نہیں یہ لمبی کھجوروں کے پھل سے بنائی گئی ہے۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: بسق فلان علی أصحابہ فلاں اپنے ساتھیوں پر بلند ہو گیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أبسقت الناقۃ جب بچہ جننے سے پہلے اونٹنی کی کھیری میں دودھ آ گیا، اس سے اسم فاعل مبسق آتا ہے، نوق مباسیق وہ دودھ والی اونٹنیاں۔ حضرت قطبہ بن مالک نے کہا: میں نے نبی کریم ﷺ کو باسقات کی صاد کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا۔ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم میں حضرت قطبہ بن مالک سے روایت مروی ہے کہ میں نے نماز پڑھی اور ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی (1) اور یہ قراءت کی قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَاۗءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَاۗءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ میں اسے دہرانے لگا میں نہیں جانتا جو اس نے قول کیا ہے مگر قرآن کی وجہ سے سین کو صاد سے بدلنا جائز نہیں۔

لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝ طلع اسے کہتے ہیں جو کھجور کا پہلا پھل نکلتا ہے یوں باب ذکر کیا جاتا ہے طلع الطلع طلوعا واطلعت النخلۃ اس کے طلع سے مراد اس کا غلاف ہے جو اس کی چھڑی ہوتی ہے۔ نضید پھل جب تک غلاف میں ہوں۔ اس کا معنی ہے ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے جب وہ اپنے غلاف سے نکل آئے تو وہ نضید نہیں کہلاتا۔

رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ یعنی ہم نے بندوں کو رزق دیا۔ رزقا مفعول مطلق ہے یا اس کا معنی ہے انبتنا رزقا ہم نے اسے بطور رزق اگایا۔ کیونکہ انبات، رزق کے معنی میں ہے یا رزقا مفعول لہ ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی انبتناھا لرزقھم۔ رزق اسے کہتے ہیں جو انتفاع کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ اس بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝ یعنی قبروں سے نکلنا ہوگا یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس مردہ زمین کو زندہ کیا اسی طرح تمہیں موت دینے کے بعد زندہ کرے گا۔ کذلک کاف محل رفع میں ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔ میتا فرمایا کیونکہ مقصود مکان ہے اور میتۃ ہوتا تو بھی جائز تھا۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۝ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۝

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب القراءۃ فی الصبح، جلد 1، صفحہ 186

وَّ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ۝ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝

"(حق کو) جھٹلایا تھا ان (اہل مکہ) سے پہلے قوم نوح، اہل رس اور ثمود نے اور (جھٹلایا تھا) عاد، فرعون اور قوم لوط نے نیز ایکہ کے باشندوں اور تبع کی قوم نے، ان سب نے جھٹلایا تھا رسولوں کو پس پورا ہو گیا (ہمارا) عذاب کا وعدہ تو کیا ہم تھک گئے ہیں پہلی مرتبہ مخلوق کو پیدا کر کے، (ایسا نہیں) بلکہ یہ (کفار) از سر نو پیدا ہونے کے بارے میں شک میں ہیں"۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ یعنی جس طرح انہوں نے جھٹلایا ہے اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا تو ان پر عذاب نازل ہوا، ان کے سامنے ان جھٹلانے والوں کا ذکر کیا اور جس عذاب نے انہیں اپنی گرفت میں لیا تھا اس سے انہیں ڈرایا۔ ہم نے ان کے واقعات کئی مواقع پر ذکر کیے ہیں، جہاں بھی ان کا تذکرہ ہوا۔ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ یعنی ان جھٹلانے والی قوموں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ فَحَقَّ وَعِيْدِ تو ان پر میری وعید اور میرا عقاب ثابت ہو گیا۔

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ کیا ہم پہلی دفعہ پیدا کرنے کی وجہ سے تھک گئے تھے کہ ہم دوبارہ اٹھانے سے تھک جائیں گے۔ یہ بعث کے منکروں کو شرمندہ کرنے کے لیے ہے اور ان کے قول ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ کا جواب ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے عییت بالامر جب تو اس کی صحیح توجیہ نہ جانے۔

بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں حیرت میں مبتلا ہیں۔ ان میں سے کچھ تصدیق کرنے والے اور کچھ تکذیب کرنے والے ہیں۔ یوں باب ذکر کیا جاتا ہے لبس علیہ الامر یلبسہ لبسا۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝ وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝

"اور بلاشبہ ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم (خوب) جانتے ہیں اس کا نفس جو وسوسے ڈالتا ہے اور ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ جب (اس کے اعمال کو) لے لیتے ہیں دو لینے والے (ان میں سے) ایک دائیں جانب اور (دوسرا) بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لیے) تیار ہوتا ہے۔ اور آ پہنچی ہے موت کی بے ہوشی حق کے ساتھ (اے انسان!) یہ ہے وہ جس سے تو دور بھاگا کرتا تھا"۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ، الانسان سے مراد لوگ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ وَ نَعْلَمُ مَا

تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ یعنی اس کے سر، اس کے دل اور ضمیر میں جو کھٹکا ہے۔ اس میں ان نافرمانیوں پر جھڑکا جا رہا ہے جن کو انسان چھپاتا ہے۔ جس نے کہا: انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے تو نفس نے جو وسوسہ ڈالا تھا وہ درخت سے کھانا تھا۔ پھر ان کی اولاد کے لیے عام ہے۔ وسوسہ سے مراد حدیث نفس ہے جو تخیل کلام کے قائم مقام ہوتی ہے۔

اخفش نے کہا: تسمع للحلی وسواسا اذا انصرفت جب وہ واپس جاتی ہے تو تو زیورات کی مخفی آواز سنتا ہے۔ سورۃ الاعراف میں یہ معنی گزر چکا ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝ یہ کندھے کی رگ ہے یا اس کے حلق کے کنارے سے اس کے کندھے تک پھیلی ہوئی ہے وہ دائیں اور بائیں جانب سے دو رگیں ہیں۔ اس کا یہ معنی حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے اور یہی لغت میں معروف ہے۔ حَبْل سے مراد ورید ہی ہے اسے اپنی ہی ذات کی طرف مضاف کیا ہے کیونکہ دونوں لفظ مختلف ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ورید سے مراد دل کی رگ ہے یا ایسی رگ ہے جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے یہ قرب کی تمثیل ہے یعنی شہ رگ جتنی اس کے قریب ہے اور ہم اس کے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ یہ قرب مسافت کی بنا پر نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی شہ رگ کو اس پر جو نصیب ہوتا ہے ہم اس پر اس سے بھی زیادہ ملکیت رکھتے ہیں کیونکہ یہ ایسی رگ ہے جو دل کے ساتھ ملی ہوئی ہے یہ قرب علم اور قدرت کا قرب ہے۔ انسان کے اجزاء ایک دوسرے سے چھپے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ یعنی جب دونوں فرشتے اس کے عمل کو لیتے ہیں تو ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں وہ دو فرشتے ہیں جو اس پر مقرر ہیں یعنی ہم اس کے احوال سے آگاہ ہیں ہم کسی فرشتے کے محتاج نہیں جو اسے خبر کرے لیکن دونوں فرشتوں کو ذمہ داری سونپی گئی ہے مقصد دلیل قائم کرنا اور امر کو مؤکد کرنا ہے؛ حضرت حسن بصری، مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے۔

الْمُتَلَقِّيٰنِ دو ایسے فرشتے جو تیرے عمل کو لیتے ہیں ان میں سے ایک تیری دائیں جانب ہے جو تیری نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا بائیں جانب ہے جو تیری برائیاں لکھتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہاں تک کہ جب تو مرے گا تو تیرا نامہ اعمال لپیٹ دیا جائے گا اور تجھے قیامت کے روز کہا جائے گا: اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ (اسراء) اللہ کی قسم اس ذات نے تیرے ساتھ عدل کیا جس نے تیرا محاسب تیری ذات کو بنایا ہے۔

مجاہد نے کہا: اللہ نے انسان کے احوال جاننے کے باوجود دو فرشتے رات کے لیے اور دو فرشتے دن کے لیے مقرر کیے جو اس کے اعمال یاد رکھتے ہیں اور اس کے اعمال لکھتے رہتے ہیں: مقصد حجت قائم کرنا ہے ان میں سے ایک اس کی دائیں جانب ہے جو نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا بائیں جانب ہے جو برائیاں لکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ سے یہی مراد ہے۔ سفیان نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ نیکیاں لکھنے والا برائیاں لکھنے والے پر امین ہے جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے تو وہ دوسرے کو کہتا ہے: جلدی نہ کر ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ

سے بخشش طلب کرے۔ حضرت ابو امامہ باہلی کی حدیث میں یہی معنی مروی ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نیکیاں لکھنے والا آدمی کی دائیں جانب اور برائیاں لکھنے والا اس کی بائیں جانب ہوتا ہے اور نیکیاں لکھنے والا برائیاں لکھنے والے پر امین ہوتا ہے جب بندہ کوئی نیکی کرتا ہے تو دائیں سمت والا دس نیکیاں لکھتا ہے اور جب وہ برائی کرتا ہے تو دائیں سمت والا فرشتہ بائیں جانب والے فرشتے کو کہتا ہے: سات ساعتوں تک نہ لکھو ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے یا استغفار کرے''(1)۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تیرے دونوں فرشتوں کے بیٹھنے کی جگہ تیرے سامنے کے دانت ہیں تیری زبان ان کا قلم ہے، تیری تھوک ان کی روشنائی ہے جب کہ تو بے مقصد کاموں میں مصروف رہتا ہے اور تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں سے حیا نہیں کرتا''۔ سفیان نے کہا: ان دونوں کے بیٹھنے کی جگہ سامنے کے دانتوں کے نیچے نچلے جبڑے پر ہے''۔ عوف نے حضرت حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ حضرت حسن بصری کو یہ بات خوش کرتی تھی کہ اپنی داڑھی کو صاف کریں۔ یہاں آیت میں قَعِيْدٌ فرمایا ہے قعیدان نہیں فرمایا جب کہ وہ دو ہیں کیونکہ یمین سے مراد ایک قعید اور شمال سے مراد بھی ایک قعید ہے پہلے کو حذف کر دیا گیا کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کرتا ہے؛ یہ سیبویہ کا قول ہے؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وَأَنْتَ بِمَا عِنْدَكَ رَاضٍ وَالرَّأْيُ مُخْتَلِفٌ(2)

ہم اس پر راضی ہیں جو ہمارے پاس ہے اور تم اس پر راضی ہو جو تمہارے پاس ہے جب کہ رائے مختلف ہے۔
محل استدلال راض ہے، یہاں راضیان نہیں فرمایا۔
جس طرح فرزدق کے شعر میں غدور بمعنی غدورین مذکور ہے۔

إِنِّي ضَمِنْتُ لِمَنْ أَتَانِي مَا جَنَى وَأَبِي فَكَانَ وَكُنْتُ غَيْرَ غَدُورِ

مبرد کا مذہب ہے عبارت میں پہلا ہے بطور تقدیم اسے دوسرا بنا لیا گیا ہے دوسرے کو حذف کر دیا گیا کیونکہ پہلا اس پر دلالت کرتا ہے۔ نحویوں اور فراء کا مذہب ہے کہ تلاوت میں جو لفظ ہے یہ دو اور جمع کو ادا کرتا ہے کلام میں کوئی حذف نہیں۔ قعید، قاعد کے معنی میں ہے جس طرح سمیع، علیم، قدیر اور شہید۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قعید، مقاعد کے معنی میں ہے جس طرح اکیل اور شریب، مواکل اور مشارب کے معنی میں ہے۔

جوہری نے کہا: فعیل اور فعول میں واحد، تثنیہ اور جمع سب برابر ہیں؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (شعراء) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ⊙ (تحریم) دونوں آیات میں محل استدلال رسول اور ظہیر ہے۔ شاعر نے جمع کے بارے میں کسی شخص نے اسے پڑھا ہے:

أَلِكْنِي إِلَيْهَا وَخَيْرُ الرَّسُولِ أَعْلَمُهُمْ بِنَوَاحِي الْخَبَرِ

مجھے اس کی طرف بھیج اور بہترین قاصد وہ ہوتا ہے جو ان میں سے خبر کی اطراف کو زیادہ جانتا ہو۔ یہاں تعدید سے

1۔ زاد المسیر، جلد 7، صفحہ 237
2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 183

پاس ہے تو وہ اسے کھولتا ہے تو اس نے جو کچھ لکھا ہوتا ہے اس کتاب میں اس کے برابر ہوتا ہے" اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝ یہ اعمش کی حدیث جو زید سے مروی ہے غریب ہے ان سے صرف سہیل نے روایت کی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے لیے دو فرشتے مقرر فرمائے ہیں جو اس کا عمل لکھتے ہیں۔ جب وہ آدمی مرتا ہے دونوں کہتے ہیں: اے ہمارے رب! فلاں آدمی مر گیا ہمیں اجازت دے کہ ہم آسمان کی طرف چڑھ جائیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرے آسمان میرے فرشتوں سے بھرے ہوئے ہیں جو میری تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ دونوں عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم زمین میں قیام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میری زمین میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے وہ میری تسبیح کر رہی ہے۔ وہ دونوں عرض کرتے ہیں: پھر ہم کہاں رہیں؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تم دونوں میرے بندے کی قبر پر رہو دونوں تکبیر کہو، لا الٰہ الا اللہ پڑھو اور میری تسبیح بیان کرو اور یہ عمل میرے بندے کے لیے لکھتے رہو یہ سلسلہ قیامت تک جاری رکھو"۔

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۔ سَكْرَةُ سے مراد سختی ہے انسان جب تک زندہ رہتا ہے تو اس کے اقوال اور افعال اس پر لکھے جاتے ہیں تاکہ ان اعمال پر اس کا محاسبہ کیا جائے پھر موت آ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے جو وعدہ اور وعید کیا ہوتا ہے وہ اسے سب کچھ عیاں دیکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حق سے مراد موت ہے اسے حق کا نام دیا ہے کیونکہ وہ سختی ہے یا وہ ارحق کی طرف منتقل کر دیتی ہے (1)۔ اس تعبیر کی بنا پر کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی وجاءت سکرۃ الحق بالموت؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ جس نے قرآن پر طعن کیا ہے اس نے گمان کیا اور کہا: میں مصحف کی اسی طرح مخالفت کرتا ہوں جس طرح حضرت ابوبکر صدیق نے مخالفت کی اور پڑھا وجاءت سکرۃ الحق بالموت۔

اس کے خلاف یوں استدلال کیا جائے گا کہ حضرت ابو بکر صدیق سے اس بارے میں دو روایات مروی ہیں ان میں سے ایک مصحف کے موافق ہے اسی پر عمل ہوگا اور دوسری ترک کر دی گئی ہے وہ بھلا دیئے جانے کے قائم مقام ہے اگر آپ نے کہا بھی ہو تو یہ ان لوگوں کی غلطی ہے جنہوں نے اسے نقل کیا ہے۔

ابو بکر انباری نے کہا: اسماعیل بن اسحاق قاضی، علی بن عبد سے وہ جریر سے وہ منصور سے وہ ابووائل سے وہ مسروق سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیجا جب حضرت عائشہ صدیقہ ان کے پاس حاضر ہوئیں تو عرض کی یہ تو معاملہ اسی طرح ہے جس طرح شاعر نے کہا:

إذا حشرجت يوما وضاق بها الصدر (2)

جب کسی روز گھنگھرو بولنے لگا اور سینہ تنگ ہو گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے وہ کیوں نہیں کہا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ۝ اور حدیث ذکر کی۔ سکرۃ یہ سکر اشتق واحد ہے۔ صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 348 — 2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 185

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چھاگل یا کوئی چمڑے کا برتن تھا جس میں پانی تھا آپ اپنا ہاتھ پانی میں داخل کرتے اور اپنے چہرے پر پھیرتے اور یوں کہتے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بے شک موت کی غشیاں ہیں"۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ کھڑے کیے اور یوں کہنے لگے: "فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى" یہاں تک کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کا ہاتھ مڑ گیا۔ اسے امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "ایک بندہ موت اور اس کی سختیوں کو برداشت کرتا ہے اور اس کے جوڑ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں: السلام علیک میں قیامت کے روز تک تجھے اور تو مجھے چھوڑ رہا ہے" (1)۔

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے کہا: اے حواریوں کی جماعت! اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تم پر موت کی سختی آسان کر دے۔ روایت بیان کی گئی ہے موت تلوار کے وار، آری کے چیرنے اور قینچی کے ساتھ کاٹنے سے زیادہ سخت ہے۔

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝ جس پر موت کی سختی طاری ہوتی ہے اسے یہ کلمات کہے جاتے ہیں یعنی یہ وہ چیز ہے جس سے تو بھاگ سکتا ہے اور نہ تو ایک طرف ہو سکتا ہے۔ یوں اس کا باب چلایا جاتا ہے حاد عن الشیء یحید حیودا وحیدۃ وحیدودۃ اس سے اعراض کیا اور اس سے مائل ہوا۔ اس کی اصل حیدودۃ ہے یعنی یا متحرک ہے اسے ساکن کر دیا گیا کیونکہ فعلول کے علاوہ کلام میں کوئی فعلول کا وزن نہیں۔ تو اپنے بارے میں خبر دیتے ہوئے کہتا ہے: حدت عن الشیء احید حیدا ومحیدا۔ جب تو اس سے اعراض کرے۔ طرفہ نے کہا:

أبا منذر رمت الوفاء فهبته وحدت كما حاد البعير عن المدحض

اے ابو منذر! تو نے وفا کا قصد کیا تو تو اس سے ڈر گیا اور تو نے اعراض کیا جس طرح اونٹ پھسلنے کی جگہ سے اعراض کرتا ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۝ وَجَاۗءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَاۗىِٕقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝
لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاۗءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝

"اور صور پھونکا جائے گا یہی وعید کا دن ہوگا اور حاضر ہوگا ہر شخص اس طرح کہ اس کے ہمراہ ایک (اسے) ہانکنے والا اور ایک گواہ ہوگا۔ تو عمر بھر غافل رہا اس دن سے پس ہم نے اٹھا دیا ہے تیری آنکھوں سے تیرا پردہ سو تیری بینائی بڑی تیز ہے"۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ اس نفخ سے مراد دوسرا نفخہ ہے جو دوبارہ اٹھانے کے لیے ہوگا۔ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۝ یعنی وہ دن جس کی اللہ تعالیٰ نے کفار کو دھمکی دی ہے کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے گا۔ صور پھونکنے کے بارے میں گفتگو مفصل گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

وَجَاۗءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَاۗىِٕقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝ سائق اور شہید میں اختلاف کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سائق فرشتوں سے اور شہید انسانوں کی ذات میں سے ہاتھ اور پاؤں ہیں (2)۔ اسے عوفی نے حضرت ابن عباس سے

1۔ کنز العمال، جلد 2، صفحہ 924
2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 215

روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: سائق سے مراد فرشتہ اور شہید سے مراد عمل ہے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: سائق سے مراد جو اسے ہانک کر لے جائے گا اور شاہد اس سے مراد جو اس کے عمل کے بارے میں گواہی دے گا۔ ابن مسلم نے کہا: سائق سے مراد شیاطین میں سے اس کا قرین ہے۔ اسے سائق اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ اس کے پیچھے رہتا ہے اگرچہ اسے ہانکتا نہ رہے۔

مجاہد نے کہا: سائق اور شہید دو فرشتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے منبر پر بیٹھ کر یہ ارشاد فرمایا: سائق سے مراد فرشتہ ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف ہانک کر لے جاتا ہے اور شہید سے مراد وہ ہے جو اس کے عمل کے بارے میں اس پر گواہی دے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ترین ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "اللہ تعالیٰ نے بندے کے حق میں جو کچھ پیدا کیا ہے انسان اس کے بارے میں غفلت میں ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جب اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتے سے فرماتا ہے اس کا رزق، اس کا عمل، موت کا وقت لکھو اور یہ بھی لکھو کہ وہ شقی ہے یا سعید ہے۔ پھر وہ فرشتہ چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ دوسرا فرشتہ بھیج دیتا ہے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ دو فرشتے بھیج دیتا ہے جو اس کی نیکیاں اور برائیاں لکھتے ہیں جب موت اس کے پاس آتی ہے تو وہ دونوں فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں پھر اس پر موت کا فرشتہ آتا ہے پھر اس کے پاس قبر والے دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کا امتحان لیتے ہیں پھر وہ اوپر چلے جاتے ہیں جب قیامت برپا ہوتی ہے تو نیکیوں اور برائیوں والا فرشتہ اترتا ہے تو وہ کتاب جو اس کے گلے میں باندھی گئی ہوتی ہے اسے کھولتے ہیں پھر وہ دونوں اس کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں ان میں سے ایک ہانکنے والا اور دوسرا گواہ ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ۔ فرمایا تم ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں ضرور پہنچ جاؤ گے" یہاں طبق سے مراد حال ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تمہارے سامنے عظیم امر ہے اللہ تعالیٰ جو عظیم ہے اس سے مدد لو"۔ اسے ابو نعیم حافظ نے روایت کیا ہے یہ جعفر بن محمد بن علی کی حضرت جابر سے مروی حدیث ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا: یہ جعفر کی حدیث غریب ہے اور حضرت جابر کی حدیث کو جابر جعفی نے ان سے تنہا نقل کیا ہے اور ان سے مفضل نے تنہا نقل کیا ہے۔

آیت میں دو قول ہیں (1) یہ کافر اور مسلمان کے بارے میں عام ہے (1) یہ جمہور کا قول ہے (2) یہ کافر کے بارے میں خاص ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔

لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ ابن زید نے کہا: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے[2] یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ دور جاہلیت میں قریش کی رسالت کے بارے میں ناواقف تھے۔

حضرت ابن عباس اور ضحاک نے کہا: مراد مشرک ہیں وہ امور کے انجام کے بارے میں غفلت میں تھے۔ اکثر مفسرین

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 349 2۔ ایضاً

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ، قرین سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کو اس پر مقرر کیا جاتا ہے(2)؛ یہ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ضحاک کا قول ہے۔ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ⊙ یعنی اس کے اعمال جو لکھے گئے ہیں وہ میرے پاس محفوظ اور تیار ہیں۔ مجاہد نے کہا: وہ کہے گا: یہ وہ چیز ہے جس کی تو نے مجھے بنی آدم کے متعلق ذمہ داری سونپی تھی میں نے اس انسان اور اس کے سارے اعمال کو حاضر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے میرے پاس جو عذاب ہے حاضر ہے۔ مجاہد نے یہ قول بھی کیا ہے: اس کے قرین سے مراد وہ شیطان ہے جو اس پر مسلط کیا گیا(1)۔

ابن زید نے کہا: ابن وہب نے اسے روایت نقل کی ہے مراد انسانوں میں سے اس کا دوست ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھی سے فرمائے گا: اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ۔ خلیل اور اخفش نے کہا: یہ عربوں کا فصیح کلام ہے کہ تو ایک کو تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ خطاب کرے تو کہے: ویلک ارحلاها وازجراها وخذاه واطلقاه۔ یہ سب واحد کے لیے ہیں۔

فراء نے کہا: تو ایک آدمی کو کہتا ہے قوما عنا اس اسلوب کی اصل یہ ہے کہ انسان کے اعوان (مددگار) میں سے اس کے سفر میں اونٹوں، بکریوں اور ساتھیوں میں سے دو فرد ہوتے ہیں تو انسان کی کلام اس کے دو ساتھیوں کے متعلق ہوتی ہے اسی معنی میں شعر میں ان کا قول ایک فرد کے لیے یوں ہوتا ہے خلیلی۔ اے میرے دو دوستو! پھر وہ کہتا ہے: یا صاحب اے میرے ساتھی! امراء القیس نے کہا:

خَلِيْلَيَّ مُرَّا بِيْ عَلٰى أُمِّ جُنْدَبٍ

اے میرے دو دوستو! مجھے ام جندب کے پاس سے گزار دو۔

اس میں محل استدلال خلیلی ہے۔ اس کا ایک شعر ہے:

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرٰى حَبِيْبٍ وَّ مَنْزِلٍ　بِسِقْطِ اللِّوٰى بَيْنَ الدَّخُوْلِ فَحَوْمَلِ

تم دونوں ٹھہرو ہم حبیب اور اس کی رہائش جو دخول اور حومل کے درمیان سقط اللوی میں ہے کو یاد کر کے رو لیں۔ محل استدلال قفا ہے۔

ایک اور نے کہا:

فان تزجرانی یا ابن عفان انزجر(2)　اے ابن عفان! اگر تم مجھے روکو گے تو میں رک جاؤں گا۔

یہاں بھی محل استدلال تزجرانی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اسی طرح آیا ہے کیونکہ قرین جماعت اور دو افراد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مازنی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان اَلْقِيَا، الق الق پر دلالت کرتا ہے۔ مبرد نے کہا: یہ تثنیہ کا صیغہ ہے جو تاکید کے لیے ہے معنی ہے الق الق، القیا تکرار کے قائم مقام ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ القیا تثنیہ کا صیغہ ہو اور حقیقی معنی پر ہو اللہ تعالیٰ دو فرشتوں سے خطاب کر رہا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سائق اور حافظ فرشتوں کو خطاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اصل میں یہ القین تھا نون خفیفہ ہے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 350　2۔ ایضاً

وقف میں الف سے بدل دیا گیا اس کو وقف پر محمول کیا گیا۔ حضرت حسن بصری نے تنوین خفیفہ کے ساتھ پڑھا ہے جس طرح ہے وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ (یوسف) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَنَسْفَعًا (العلق: 15)

كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ۙ عنید کا معنی معاند ہے: یہ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا: عنید سے مراد حق سے اعراض کرنے والا ہے جو اس کی جانب ہے: عند، یعند، عنودا جب حق کی مخالفت کی اور اس کو رد کیا جب کہ وہ حق کو پہچانتا ہے۔ یہ عنود عتید اور معاند ہے عنید کی جمع عُنُد ہے جس طرح رغیف کی جمع رُغُف آتی ہے۔

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ خیر سے مراد فرض زکوٰۃ اور ہر واجب حق ہے۔ مُعْتَدٍ گفتگو، سیرت اور اپنے معاملہ میں ظالم ہے۔ مُّرِيْبٍ توحید کے بارے میں شک کرنے والا ہے: یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے (1)۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اراب الرجل فھو مریب جب وہ شک کرے۔ وہ مشرک ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اور مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنے بھتیجوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتا تھا۔ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ یہ پہلے امر کی تاکید ہے۔ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ قرین سے مراد شیطان ہے جو اس سرکش کافر کے ساتھ متعین کیا گیا تھا وہ اس کافر سے براءت کا اظہار کرے گا اور اس کو جھٹلائے گا۔ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ۝ وہ حق سے بہت دور تھا وہ اپنے اختیار کے ساتھ سرکشی کرنے والا تھا میں نے تو صرف سے دعوت دی تو اس نے میری دعوت کو قبول کر لیا۔ یہاں قرین سے مراد اس کا شیطان ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں اسے مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا: قرین سے مراد فرشتہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اس فرشتے کے بارے میں کہے گا جو اس کی برائیاں لکھا کرتا تھا: اے میرے رب! اس نے جلدی کی ہے۔ فرشتہ عرض کرے گا: اے ہمارے رب! میں نے اس کے بارے میں کوئی جلدی نہیں کی۔ سعید بن جبیر نے کہا: کافر عرض کرے گا: اے ہمارے رب! اس نے میرے بارے میں زیادہ اعمال لکھے ہیں۔ فرشتہ عرض کرے گا: اے ہمارے رب! میں نے اس کا کوئی زائد عمل نہیں لکھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ یعنی کفار اور شیاطین میں سے ان کے ساتھی میرے ہاں جھگڑا نہ کرو۔ قشیری نے کہا: یہ توجیہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قرین سے مراد شیطان ہے۔

وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ۝ میں نے رسولوں کو بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب ہر جھگڑا کرنے والے کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب دو افراد کو ہے اور صیغہ جمع کا آیا ہے۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قول سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا (الانعام: 160) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (ہود) معنی ہے فراء نے کہا ہے: میرے پاس جھوٹ نہیں بولا جا سکتا۔ کیونکہ قول میں نہ تبدیلی ہو سکتی اور غیب کا علم ہونے کی وجہ سے اس میں کمی نہیں کی جا سکتی۔ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ یعنی جو جرم نہیں کرتا اس کو میں

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 66
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 352

عذاب نہیں دیا جائے گا یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے (2)۔ اس کے بارے میں گفتگو سورۂ حج اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَ لَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝

”(یاد کرو) وہ دن جب ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو پر ہو گئی ہے؟ وہ (جواباً) کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے۔ اور قریب کر دی جائے گی جنت پرہیزگاروں کے لیے وہ (ان سے) دور نہیں ہو گی۔ یہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا یہ ہر ایسے شخص کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا (احکام الٰہی کی) بڑی حفاظت کرنے والا ہے۔ جو ڈرتا تھا رحمٰن سے بن دیکھے اور یہاں دل لیے ہوئے آیا جو یاد الٰہی کی طرف متوجہ تھا داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی سے یہ ہمیشگی کا دن ہے انہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ وہاں خواہش کریں گے اور ہمارے پاس تو (ان کے لیے) اس سے بھی زیادہ ہے“۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝ نافع اور ابوبکر نے یوم یقول یعنی یاء کے ساتھ پڑھا ہے وہ اسے لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ پر قیاس کرتے ہیں باقی نے نون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خطاب ہے یہ عظمت کا نون ہے۔ حضرت حسن بصری نے یوم اقول پڑھا ہے۔ حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء نے اسے یوم یقال پڑھا ہے یوم کو نصب دی ہے کیونکہ اس کا معنی یہ بنتا ہے میرے ہاں اس روز قول نہیں بدلا جائے گا جس روز ہم جہنم سے کہیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں فعل اذکر مقدر ہے وہ منصوب ہے کیونکہ پہلے وعدہ گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھرے گا۔ اس استفہام کا مقصد یہ ہے کہ خبر کی تصدیق کی جائے، وعدہ کو ثابت کیا جائے، دشمنوں کو خبردار کیا جائے اور تمام بندوں کو متنبہ کیا جائے۔ جہنم کہے گی: کیا کوئی اور بھی ہے میرے اندر تو کوئی جگہ باقی نہیں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی جگہ یا گھر چھوڑا ہے“ یعنی کچھ نہیں چھوڑا۔ کلام کا معنی انکار ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ استفہام، استزادہ کے معنی میں ہو یعنی کیا کوئی اور ہے کہ میں زیادہ ہو جاؤں؟ یہ دونوں وجوہ کے لیے مناسب ہے کیونکہ استفہام میں انکار کی کوئی صورت موجود ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہاں کوئی قول نہیں ہو گا یہ ضرب المثل کے طریقہ پر کلام ہے یعنی اس کی جو حالت ظاہر ہو گی وہ بولنے کے قائم مقام ہو گی جس طرح شاعر نے کہا:

امتلأ الحوض وقال قطني مهلاً رويداً قد ملأت بطني (1)

حوض بھر گیا اور کہا: میرے لیے کافی ہے مہلت دو تحقیق تو نے میرے پیٹ کو بھر دیا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 353

یہ مجاہد اور دوسروں کی تفسیر ہے یعنی کیا مجھ میں کوئی راستہ ہے جس میں جگہ خالی ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ آگ کو قوت گویائی عطا فرمائے گا یہاں تک کہ وہ بولے گی جس طرح [illegible]۔

صحیح ترین قول یہ ہے جس طرح ہم نے سورۂ فرقان میں بیان کیا ہے۔ صحیح مسلم، صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت انس بن مالک نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے فرمایا: ”جہنم میں لوگ پھینکے جاتے رہیں گے اور وہ کہتی رہے گی کیا کوئی اور ہے یہاں تک کہ اللہ رب العزت اپنا قدم اس میں رکھے گا تو اس کا بعض بعض کی طرف لپٹ جائے گا اور وہ کہے گی تیری عزت اور کرم کی قسم بس بس۔ جنت میں لگاتار اضافہ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق پیدا فرمائے گا اور جنت کے زائد حصے میں انہیں سکونت عطا فرمائے گا“ (1) یہ الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔

ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے: ”جہاں تک جہنم کا تعلق ہے وہ نہیں بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا رجل رکھے گا تو وہ عرض کرے گی بس بس۔ اس موقع پر وہ بھر جائے گی اور اس کا بعض بعض کی طرف سمٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم نہیں فرمائے گا۔ جہاں تک جنت کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق پیدا فرمائے گا“ (2)۔ ہمارے علماء نے کہا: جہاں تک یہاں قدم کا تعلق ہے اس سے مراد وہ قوم ہے جسے اللہ تعالیٰ آگ کی طرف پہلے بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہے کہ وہ جہنمی ہیں۔ اسی طرح رجل ہے اس سے مراد لوگوں اور دوسروں کی کثیر تعداد ہے جیسے کہا جاتا ہے:

رأيت رجلا من ناس ورجلا من جراد

میں نے لوگوں کی کثیر تعداد اور ٹڈی دل کی کثیر تعداد دیکھی۔

شاعر نے کہا:

فمرّ بنا رجلٌ من الناس وانزوى　إليهم من الحيّ اليمانين أرجل

ہمارے پاس سے لوگوں کی کثیر تعداد گزری اور ان کے ساتھ یمنی قبیلہ کی کثیر تعداد شامل ہو گئی۔

اس معنی کی وضاحت وہ روایت کرتی ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: جہنم میں کوئی گھر، زنجیر اور تابوت نہیں مگر اس پر جہنمی کا نام لکھا ہوا ہے۔ ہر دروازہ اس جہنمی کا انتظار کرتا ہے جس کا نام اور اس کی صفت اس نے پہچان رکھی ہے۔ جب ان میں سے ہر کوئی اس کو پورا پا لیتا ہے جس کا اسے حکم دیا گیا اور جس کا وہ انتظار کر رہا تھا اور وہاں کوئی باقی نہ رہا تو دروازوں نے کہا: بس بس ہمیں کافی ہے۔ اس وقت جہنم ان پر سمٹ جائے گی جو اس میں ہوں گے اور جس کا انتظار کیا جا رہا تھا جب ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا تو وہ سمٹ جائے گی۔ رہی جنت جس کا انتظار کیا جا رہا تھا اسے قدم اور رجل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس تاویل کی تائید حدیث بھی کرتی ہے ”جنت میں لگاتار اضافہ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق پیدا فرمائے گا اور جنت کے زائد حصہ میں انہیں سکونت عطا کرے گا“ (3)۔ ہم نے اس کی اور

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب النار یدخلها الجبارون، جلد 7، صفحہ 387　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

وضاحت کی ہے اور کتاب الاسماء والصفات میں اس کو بیان کیا ہے جو الکتاب الاسنی کا حصہ ہے۔ والحمد للہ۔

نضر بن شمیل نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد: حتی یضع الجبار فیها قدمه کا یہ معنی کیا ہے جن کے بارے میں پہلے سے علم ہے کہ وہ جہنمی ہے۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ غَیْرَ بَعِیْدٍ ﴿۳۱﴾ یعنی جنت ان کے قریب کر دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے دنیا میں ہی جنت میں داخل ہونے سے پہلے جنت ان کے قریب کر دی جائے گی یعنی ان کے دلوں کے اسے قریب رکھا گیا ہے جب انہیں کہا جائے گا: معاصی سے اجتناب کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنت میں داخل ہونے کے بعد اس کے مواضع ان کے قریب کر دیئے جائیں گے وہ دور نہ ہوں گے۔ غَیْرَ بَعِیْدٍ وہ ان سے دور نہ ہوں گے۔ یہ کلام تاکید ہے۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ یعنی انہیں کہا جائے گا: یہ وہ اجر ہے جس کا تم سے دنیا میں رسولوں کی زبانوں سے وعدہ کیا گیا تھا۔ عام قرأت تُوْعَدُوْنَ ہے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ ہے۔ ابن کثیر نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ غائب کا صیغہ ہے کیونکہ اس کا ذکر متقین کے بعد آیا ہے۔

لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِیْظٍ ﴿۳۲﴾ اواب سے مراد معاصی سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں (وہ پھر لوٹتا ہے) اور گناہ کرتا ہے اور پھر گناہ سے توبہ کرتا ہے؛ ضحاک اور دوسرے علماء نے یہی قول کیا ہے۔ حضرت ابن عباس اور عطا نے کہا: اواب سے مراد تسبیح کرنے والا ہے (1)۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ (سبا:10) حکم بن عتبہ نے کہا: اس سے مراد تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ہے۔ شعبی اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کرتا ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طالب ہوتا ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے۔ عبید بن عمیر نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی مجلس میں نہیں بیٹھتا یہاں تک کہ وہ اس مجلس میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب ہوتا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے ہم یہ بات چیت کیا کرتے تھے کہ اواب حفیظ سے مراد وہ ہے جب وہ اپنی مجلس سے اٹھتا ہے تو وہ سبحان اللہ وبحمدہ کہتا ہے اور یوں دعا کرتا ہے: اے اللہ! میں تجھ سے اس گناہ پر بخشش کا طالب ہوں جو میں نے اس مجلس میں کیے ہیں۔ حدیث میں ہے "جب کوئی آدمی اپنی مجلس سے اٹھتے وقت کہے: سبحانك اللهم وبحمدك لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك تو اس مجلس میں اس سے جو غلطی سرزد ہوئی تھی اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے" (2)۔ نبی کریم ﷺ یہی دعا کیا کرتے تھے۔ ایک عالم نے کہا: میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں کہوں استغفرك واسألك التوبة اور میں یہ کہنا پسند نہیں کرتا کہ میں کہوں واتوب اليك مگر میں جب حقیقی توبہ کروں۔

میں کہتا ہوں: یہ بہت اچھا ہے اور اس میں حدیث کی اتباع ہے۔ ابوبکر وراق نے کہا: اواب سے مراد خوشحالی اور تنگدستی میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والا ہے۔ قاسم نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی میں دل نہیں لگاتا۔

حَفِیْظٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے اپنے گناہ یاد رکھے یہاں تک کہ ان سے

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 199　　2۔ جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب ما یقول اذا قام من مجلسه، حدیث 3355، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

رجوع کیا (1)۔ قتادہ نے کہا: حَفِیۡظٍ سے مراد یہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا حق اور نعمت عطا کی اور اسے اس پر امین بنایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے مراد اللہ تعالیٰ کے امر کی حفاظت کرنے والا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے حق کی حفاظت کرتا ہے اس کا اعتراف کر کے اور شکر کر کے اس کی نعمت کو یاد کرتا ہے۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وصیت کو قبول کر کے وصیت کو یاد رکھنے والا ہے۔ مکحول نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے دن کے پہلے پہر میں چار رکعت نماز (نفل) پر مواظبت اختیار کی تو وہ اواب و حفیظ ہے“(2) اسے ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

مَنۡ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ۔ مَنۡ محل جر میں ہے کیونکہ یہ اَوَّابٍ حَفِیۡظٍ سے بدل ہے یا یہ اواب کی صفت ہے۔ نئے جملے کے طریقہ پر یہ محل رفع میں بھی ہو سکتا ہے اس کی خبر ادۡخُلُوۡهَا ہے۔ یہ تعبیر اس صورت میں ہوگی کہ جواب شرط محذوف ہو گا تقدیر کلام یہ ہوگی: فیقال لهم ادخلوها۔

خشیۃ بالغیب سے مراد ہے کہ تو اس سے ڈرے جب کہ تو نے اسے دیکھا نہ ہو۔ ضحاک اور سدی نے کہا: یعنی وہ خلوت میں ڈرے جب کہ اسے کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جب وہ پردہ لٹکا دے اور دروازہ بند کر دے (3)۔

وَ جَآءَ بِقَلۡبٍ مُّنِیۡبِۣ۔ مُّنِیۡبٍ سے مراد طاعت پر توجہ کرنے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مخلص ہے۔ ابو بکر وراق نے کہا: منیب کی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کو جاننے والا ہو، اس سے دوستی رکھنے والا ہو، اس کے جلال کے سامنے تواضع کرنے والا ہو اور اپنی خواہش نفس کو ترک کرنے والا ہو۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال بھی موجود ہو کہ قلب منیب سے مراد قلب سلیم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ ﴿﴾ (شعراء) جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ادۡخُلُوۡهَا اس صفت کے حامل افراد کو کہا جائے گا: ادۡخُلُوۡهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡخُلُوۡدِ ﴿﴾ یعنی عذاب سے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی جانب سے ان پر سلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نعمت کے زوال سے سلامتی ہے۔ فرمایا: ادخلوها۔ کلام کے شروع میں ہے مَنۡ خَشِیَ کیونکہ مَنۡ جمع کے معنی میں ہے۔

لَهُمۡ مَّا یَشَآءُوۡنَ فِیۡهَا یعنی ان کے نفوس جو چاہیں گے اور ان کی آنکھیں جس سے لذت حاصل کریں گے۔ وَ لَدَیۡنَا مَزِیۡدٌ ﴿﴾ یعنی ان کے لیے زائد نعمتیں ہوں گی جو ان کے دل میں کھٹک تک نہیں۔ حضرت انس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”مَزِیۡدٌ سے مراد اللہ تعالیٰ کا بغیر کیفیت کے دیدار کرنا ہے“۔ احادیث مرفوعہ میں بھی اس کی یہی تعبیر آئی ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ ابن مبارک اور یحییٰ بن سلام دونوں نے ذکر کیا ہے۔ مسعودی، منہال بن عمرو سے وہ ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ”جمعہ کی طرف جلدی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر جمعہ کو اہل جنت کے لیے سفید کافور کے ٹیلے میں ظہور فرماتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے نوازے جاتے ہیں“۔ ابن مبارک

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 200　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 353-354　　3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 67

نے کہا: اس کا قرب اس قدر ہوگا جس قدر وہ دنیا میں جمعہ کی طرف جلدی کرتے تھے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ دنیا میں جمعہ کے لیے جس قدر تیزی کیا کرتے تھے۔ اور یہ زائد کرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کرامت میں سے ان کے لیے ایسی چیز پیدا فرمائے گا جو انہوں نے اس سے قبل نہیں دیکھی ہوگی۔ یحییٰ نے کہا: میں نے مسعودی کے علاوہ سے سنا کہ وہ اسی روایت میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا اضافہ کرتے: وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ۔

میں کہتا ہوں: روایت میں الکثیب سے مراد ہے کہ جنتی کافور کے سفید ٹیلے پر ہوں گے جس طرح حضرت حسن بصری سے ایک مرسل روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جنتی ہر جمعہ اپنے رب کا دیدار کریں گے جب کہ وہ کافور کے ٹیلے پر ہوں گے“(1)۔ ہم نے اس کا ذکر کتاب التذکرہ میں کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ”مزید“ سے مراد ہے کہ ان کی شادیاں حور عین سے کر دی جائیں گی۔ اسے حضرت ابو سعید خدری سے مرفوع نقل کیا ہے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ ۖ هَلْ مِنْ مَحِيصٍ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ۖ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ ۝

”اور قریش سے پہلے ہم نے برباد کر دیا بہت سی قوموں کو جو شوکت و قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں وہ گھومتے رہے شہروں میں، کیا انہیں عذاب الٰہی سے کوئی پناہ ملی۔ بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل (بینا) رکھتا ہو یا (کلام الٰہی) کان لگا کر سنے متوجہ ہو کر۔ اور ہم نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں اور ہمیں تھکن نے چھوا تک نہیں“۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ یعنی اے محمد ﷺ آپ کی قوم سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم نے ہلاک کیا جب کہ وہ ان سے زیادہ طاقت اور قوت والے تھے۔ فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ وہ شہروں میں چلے پھرے کہ بھاگ جانے کی کوئی جگہ تلاش کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے شہروں میں اثرات چھوڑے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: انہوں نے سفر کیا اور نکل گئے۔ نضر بن شمیل نے کہا: انہوں نے چکر لگائے۔ قتادہ نے کہا: انہوں نے طواف کیا۔ مورج نے کہا: وہ دور تک چلے گئے۔ اسی معنی میں امرؤ القیس کا شعر ہے:

وَقَدْ نَقَّبْتُ فِي الْآفَاقِ حَتَّى رَضِيتُ مِنَ الْغَنِيمَةِ بِالْإِيَابِ(2)

میں آفاق میں دور تک گیا یہاں تک کہ میں غنیمت کی بجائے لوٹ آنے پر راضی ہو گیا۔

یہ بھی کہا گیا: انہوں نے تجارت کی غرض سے دور دراز شہروں میں چکر لگایا، کیا انہوں نے موت سے بچنے کی کوئی جگہ پائی۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے شہروں میں چکر لگایا وہ موت سے بچنے کی کوئی راہ چاہتے تھے۔ حارث بن حلزہ نے کہا:

نَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ مِنْ حَذَرِ الْمَوْتِ وَجَالُوا فِي الْأَرْضِ كُلَّ مَجَالِ(3)

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 67 — 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 355 — 3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 390

وہ موت کے ڈر سے شہروں میں گھومتے پھرے اور زمین میں ہر جگہ چکر لگایا۔

حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے فنقبوا پڑھا ہے۔ نقب کا معنی پھاڑنا اور کسی شے میں داخل ہونا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نقب کا معنی پہاڑ میں راستہ ہے اسی سے منقب اور منقبہ ہے۔ یہ ابن سکیت سے مروی ہے نقب الجدار نقبا اس نے دیوار کو پھاڑا اور اندر داخل ہو گیا۔ اس نقب کا نام نقب بھی ہے نقب کی جمع نقوب بھی ہے۔ سلمی اور یحییٰ بن یعمر نے فنقبوا پڑھا ہے صیغہ امر کا ہے اور دھمکی کے لیے ہے یعنی شہروں میں گھومو پھرو اور اس میں چلو اور دیکھو۔

هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ کیا موت سے بھاگنے کی کوئی جگہ ہے؟ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ قشیری نے اسے فنقبوا قاف کے کسرہ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ اس میں زیادہ چلے یہاں تک کہ ان کی سواریوں کے پاؤں گھس گئے۔ جوہری نے کہا: نقب البعیر جب اس کے پاؤں گھس جائیں۔ انقب الرجل جب آدمی کے اونٹ کے پاؤں گھس جائیں۔ نقب الخف الملبوس جب پہنا ہوا موزہ پھٹ گیا۔ محیص یہ حاص یحیص کا مصدر ہے اس کا مصدر حیصا، حیوصا، محیاصا، محاصا اور حیصانا بھی آتا ہے معنی پھر جانا، بھاگ جانا۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: ما عنه محیص یعنی کوئی بھاگنے کی جگہ نہیں۔ المنیاص بھی اسی کی شکل ہے جانوروں کے لیے کہا جاتا ہے: حاصوا عن العدو اور دشمنوں کے لیے کہا جاتا ہے: انہزموا دونوں کا معنی بھاگ گئے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى یعنی اس صورت میں جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ نصیحت ہے۔ لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ یعنی جس کی عقل ہو جس کے ساتھ وہ سوچ و بچار کرے۔ قلب، عقل سے کنایہ ہے کیونکہ قلب اس کی جگہ ہے؛ یہ معنی مجاہد اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کی زندگی اور امتیاز کرنے والا نفس ہو۔ زندہ نفس کو دل سے تعبیر کیا ہے کیونکہ دل نفس کا وطن اور زندگی کا معدن ہے جس طرح امرؤ القیس نے کہا:

أَغَرَّكِ مِنِّي أَنَّ حُبَّكِ قَاتِلِي　　وَأَنَّكِ مَهْمَا تَأْمُرِي الْقَلْبَ يَفْعَلِ(1)

تجھے میرے بارے میں اس چیز نے دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے کہ تیری محبت مجھے قتل کرنے والی ہے اور تو دل کو جو حکم دے گی وہ وہ کر گزرے گا۔

قرآن حکیم میں ہے: لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا (یٰسین:60) یحییٰ بن معاذ نے کہا: دل دو قسم کے ہیں (1) جو دنیا کے مشاغل سے بھرا ہوتا ہے یہاں تک کہ جب امور آخرت میں سے کوئی امر اسے لاحق ہوتا ہے وہ نہیں جانتا کہ کیا کرے (2) اور دوسرا ایسا دل ہے جو آخرت کے احوال سے بھرا ہوتا ہے جب امور دنیا میں سے کوئی اسے لاحق ہوتا ہے تو وہ نہیں جانتا کہ کیا کرے کیونکہ اس کا دل آخرت میں گم ہوتا ہے۔

اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ یعنی وہ قرآن سنے عرب کہتے ہیں: الق الیّ سمعک یعنی میری بات سنو۔ سورۂ طٰہٰ میں سننے کی کیفیت اور اس کا شرح گزر چکا ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 358

بعض نے کہا: قَبْلَ الْغُرُوْبِ سے مراد ظہر اور عصر کی نماز ہے اور وَ مِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز ہے۔

یہ قول بھی کیا گیا ہے کہ تسبیح بالقول سے مراد سورج کے طلوع اور غروب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے(1)۔ یہ عطا خراسانی اور ابو الاحوص کا نقطہ نظر ہے۔ بعض علماء نے کہا: قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے مراد فجر کی دو رکعتیں ہیں اور قَبْلَ الْغُرُوْبِ سے مراد مغرب کی نماز سے قبل دو رکعتیں ہیں۔ ثمامہ سے روایت مروی ہے حضرت محمد ﷺ کے صحابہ مغرب کے فرائض سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ہم مدینہ طیبہ میں تھے جب مؤذن مغرب کی اذان دیتا تو صحابہ ستونوں کی طرف جلدی کرتے اور دو دو رکعت نماز ادا کرتے یہاں تک کہ اجنبی آدمی جب مسجد میں داخل ہوتا تو وہ گمان کرتا کہ نماز پڑھی جا چکی ہے کیونکہ نماز پڑھنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی۔ قتادہ نے کہا: میں نے حضرت انس اور حضرت ابو برزہ اسلمی کے سوا کسی کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَ مِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ اس میں چار قول ہیں (1) رات کے وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنا، یہ ابو الاحوص کا قول ہے (۲) یہ تمام رات کی نماز ہے، یہ مجاہد کا قول ہے (۳) یہ فجر کی دو رکعتیں ہیں، یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے (۴) یہ عشاء کی نماز ہے، یہ ابن زید کا قول ہے۔ ابن عربی نے کہا: جس نے کہا اس سے مراد رات کے وقت تسبیح ہے تو اس کی تائید صحیح روایت کرتی ہے "جو رات کو جاگا اور کہا: لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" (2)۔ جس نے کہا: یہ رات کی نماز ہے، نماز کو تسبیح کہتے ہیں کیونکہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہوتی ہے، اسی معنی میں سبحۃ الضحیٰ (چاشت کے نوافل) ہے۔ جس نے کہا: اس سے مراد فجر یا عشاء کی نماز ہے کیونکہ دونوں رات کی نمازیں ہیں اور عشاء ان میں سے واضح ترین ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہم، حضرت حسن بصری، امام نخعی، امام شعبی، امام اوزاعی اور زہری نے کہا: اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے مراد مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں اور ادبار النجوم سے مراد فجر سے پہلے دو رکعتیں ہیں۔ اسے ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "نماز مغرب کے بعد دو رکعتیں اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ہے"۔ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے اور ماوردی کے الفاظ ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے میں نے نبی کریم ﷺ کے ہاں ایک رات گزاری تو آپ نے فجر کے فرائض سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی پھر مسجد کی طرف نکلے فرمایا: "اے ابن عباس! فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں ادبار النجوم ہیں اور مغرب کے بعد دو رکعتیں اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ہیں" (3)۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 356 2۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب فضل من تعار من اللیل، جلد 1، صفحہ 155
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 357

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے مغرب کی نماز کے بعد گفتگو سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی تو اس کی نماز علیین میں لکھی گئی"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پہلی رکعت میں قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ پڑھی۔ مقاتل نے کہا: اس کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق احمر غائب نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: مراد نماز وتر ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ فرائض کے بعد نوافل ہیں یعنی ہر فرض نماز کے بعد دو رکعات ہیں۔ نحاس نے کہا: ظاہراً اس قول پر دلالت کرتا ہے مگر زیادہ موزوں اکثر کی اتباع ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہی صحیح ثابت ہے۔ ابو الاحوص نے کہا: اس سے مراد نماز کے بعد تسبیح ہے۔ ابن عربی نے کہا: جو نظر و فکر میں قوی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد (1)۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے اس کے لیے بادشاہی ہے وہی حمد کے لائق ہے وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو تو عطا کرے اس کو روکنے والا کوئی نہیں اور جو تو روک لے اس کو عطا کرنے والا کوئی نہیں اور کسی صاحب مال کو مال نفع دینے والا نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم فرائض کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے پانچ نمازوں کے علاوہ کوئی نماز فرض نہیں، اسے ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ نافع، ابن کثیر اور حمزہ نے اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ ادبر الشئ سے مصدر ہے جب وہ پھرے۔ باقی نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ دبر کی جمع ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس کی قراءت ہے، اس کی مثل طنب اور اطناب ہے یا یہ دُبُر کی جمع ہے جس طرح قفل اور اقفال آتی ہے۔ علماء نے اسے ظرف کے طور پر استعمال کیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: جئتك في دبر الصلوة وفي أدبار الصلوة۔ سورۂ طور کے آخر میں جو وادبار النجوم ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں اس سے مراد اس کی روشنی کا چلے جانا ہے جب فجر ثانی طلوع ہو۔ فجر ثانی سے مراد وہ سفیدی ہے جو رات کی سیاہی سے پھوٹتی ہے۔

وَ اسْتَمِعْ یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ۝ یَّوْمَ یَسْمَعُوْنَ الصَّیْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝ اِنَّا نَحْنُ نُحْیٖ وَ نُمِیْتُ وَ اِلَیْنَا الْمَصِیْرُ ۝ یَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَیْنَا یَسِیْرٌ ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ۝

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلوۃ، جلد 2، صفحہ 937

"اور کان لگا کر سنو اس دن کے بارے میں جب پکارنے والا قریب سے پکارے گا جس دن سنیں گے سب
لوگ ایک گرج دار آواز بالیقین وہی دن (قبروں سے) نکلنے کا دن ہوگا۔ بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم
ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف ہی (سب نے) لوٹنا ہے جس روز زمین پھٹ جائے گی ان کے اوپر سے جلدی
سے نکل پڑیں گے یہی حشر ہے، یہ ہمارے لیے بالکل آسان ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور آپ
ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں آپ نصیحت کرتے رہیے اس قرآن سے ہر اس شخص کو جو (میرے) عذاب سے
ڈرتا ہے۔"

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝ استمع کا مفعول محذوف ہے مراد ہے ندا اور آواز کو سنو یعنی اس صوت کو سنو جس سے مراد صیحہ قیامت ہے اور وہ نفخہ ثانیہ ہے ندا کرنے والے جبریل امین ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرت اسرافیل ہیں۔ زمخشری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے اور حضرت جبریل امین منادی کریں گے وہ حشر بپا ہونے کا اعلان کریں گے وہ کہیں گے: حساب کے لیے آؤ۔ اس تعبیر کی بنا پر نداء میدان حشر میں ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استمع کا مفعول یہ نداء لکفار ہے وہ ویل اور ہلاکت کی ندا کریں گے یعنی قریب سے اس ندا کو سنو یعنی سب اس آواز کو سنیں گے کوئی بھی اس نداء سے دور نہیں ہوگا۔ عکرمہ نے کہا: رحمن کا منادی ندا کرے گا گویا وہ ان کے کانوں میں ندا کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکان قریب سے مراد بیت المقدس کا صخرہ ہے۔

ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہی زمین کا وسط ہے اور زمین کا یہ حصہ آسمان سے دوسری جگہ کی بہ نسبت بارہ میل قریب ہے۔ کعب نے کہا: اٹھارہ میل قریب ہے۔ پہلا قول زمخشری اور قشیری نے نقل کیا ہے، دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ حضرت جبریل امین یا حضرت اسرافیل صخرہ پر کھڑے ہوں گے اور حشر بپا ہونے کا اعلان کریں گے: اے بوسیدہ ہڈیو! اور ٹوٹے ہوئے جوڑو! اے ریزہ ریزہ ہونے والے گوشتو! اے خالی بالو! اے فاسد جلدو! اے پھٹنے والی آنکھو! رب العالمین کے حضور پیشی کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد حضرت اسرافیل ہیں جو صور والے ہیں۔

يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ، الصیحۃ سے مراد دوبارہ اٹھائے جانے کا صیحہ ہے۔ خروج کا معنی حساب کے لیے جمع ہونا ہے۔ **ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۝** یعنی یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے۔ **إِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيتُ** یعنی ہم زندوں کو موت دیتے ہیں اور مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ یہاں حقیقت کو ثابت کیا۔ **يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا** یعنی وہ منادی جو صور پھونکنے والا ہے وہ اس کی آواز پر جلدی سے بیت المقدس کی طرف جائیں گے۔

ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ۝ یعنی آسان ہے۔ کوفیوں نے پڑھا تشقق یعنی شین تخفیف کے ساتھ ہے اور ایک تا محذوف ہے باقی قراء نے تاء کو شین میں مدغم کیا ہے۔ ابن محیصن، ابن کثیر اور یعقوب نے المناد کی یاء کو اصل پر دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے نافع اور ابو عمرو نے وصل میں ثابت رکھا ہے کسی اور صورت میں ثابت نہیں رکھا، باقی قراء نے

دونوں حالتوں میں اسے حذف کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: سنت نے اس آیت کی مزید وضاحت کر دی ہے امام ترمذی نے حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے کہا: آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ کیا فرمایا: "یہاں سے لے کر وہاں تک تمہیں جمع کیا جائے گا تم سوار اور پیدل ہو گے، قیامت کے روز تمہیں منہ کے بل گھسیٹا جائے گا تمہارے مونہوں پر فدام (وہ چیز جو جانوروں کے منہ پر چڑھا دی جاتی ہے تا کہ وہ چر نہ سکے) ہو گا تم ستر امتوں کو پورا کرو گے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بہترین اور معزز ہو گے تمہاری جانب سے سب سے پہلے جو چیز حقیقت حال کا اظہار کرے گی وہ تمہاری ران ہو گی"۔ ایک دوسری روایت میں ہے "تمہاری ران اور تمہاری ہتھیلی ہو گی"۔

علی بن سعید نے حضرت ابو ہریرہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اس میں ہے: "اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل سے فرمائے گا دوبارہ اٹھانے کا نفخہ پھونکو وہ صور پھونکیں گے تو روحیں شہد کی مکھیوں کی طرح نکل پڑیں گی وہ زمین و آسمان کو بھر دیں گی اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میری عزت و جلال کی قسم! ہر روح اپنے جسم میں لوٹ جائے تو روحیں زمین میں اپنے جسموں میں داخل ہو جائیں گی پھر وہ ناک کے بانسوں میں داخل ہوں گی تو وہ روحیں جسموں میں یوں سرایت کر جائیں گی جس طرح زہر اس ذات میں سرایت کرتی ہے جس کو ڈسا گیا ہو پھر زمین پھوڑ دی جائے گی میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس سے زمین پھٹے گی تم زمین سے نوجوانوں کی طرح اٹھو گے سب کی عمریں تیئیس 23 سال کی ہوں گی اس روز زبان سریانی ہو گی" اور حدیث بیان کی میں نے ان کا اور دوسرے لوگوں کا ذکر اپنی کتاب "التذکرہ" میں مفصل کیا ہے۔ الحمد للہ۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وہ جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور جو آپ کو گالیاں دیتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے۔ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ یعنی آپ ان پر مسلط نہیں کہ آپ انہیں اسلام کی طرف زبردستی لے آئیں یہ آیت جہاد والی آیت کے ساتھ منسوخ ہے۔ جبار، جبریہ سے مشتق ہے۔ جبار، مجبر کے معنی میں نہیں لایا جاتا۔

جس طرح خراج مخرج کے معنی میں نہیں ہوتا؛ قشیری نے اسے بیان کیا ہے۔ نحاس نے کہا: معنی ہے آپ انہیں مجبور کرنے والے نہیں یہ سراسر غلطی ہے کہ افعل سے مفعل کے معنی میں نہیں ہوتا۔ ثعلبی نے حکایت بیان کی ہے فعال کا صیغہ مفعل کے معنی میں آتا ہے جب کہ یہ شاذ ہے جبار، مجبر کے معنی میں، دراک، مدرک کے معنی میں، سراع، مسرع کے معنی میں، بکاء، مبک کے معنی میں اور عطاء، معط کے معنی میں ہے۔ رشاد، مرشد کے معنی میں ہے اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اسی طرح اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ (الکہف: 79) پڑھا گیا ہے جو مسکون کے معنی میں ہے۔ ابو حامد خارزنجی نے کہا: عرب کہتے ہیں سیف سقاط یہاں سقاط، مسقط کے معنی میں ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبار کا معنی مسیطر ہے جس طرح سورۂ غاشیہ میں ہے لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ فراء نے کہا: میں نے

ایک عرب سے سنا جو کہہ رہا تھا جبرہ علی الامر یعنی اس پر سختی سے لازم کیا۔ اس لغت کی بنا پر جبار کو قہر کے معنی میں لینا صحیح ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبار یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے جبرہ علی الامر اس نے اسے مجبور کیا۔ یہ لغت کنانہ ہے یہ دونوں لغتیں ہیں۔ جوہری نے کہا: اجبرتہ علی الامر یعنی میں نے اسے امر پر مجبور کیا۔ اجبرتہ کا معنی ہے میں نے اسے جبر کی طرف منسوب کیا جس طرح تو کہتا ہے: اکفرتہ یعنی تو نے اسے کفر کی طرف منسوب کیا۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کاش آپ ہمیں ڈراتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی جو میری نافرمانی کرے گا میں نے اس کے لیے عذاب تیار کر رکھا ہے (1)۔ وعید سے مراد عذاب اور وعد سے مراد ثواب ہے۔ شاعر نے کہا:

وَإِنِّي وَإِنْ أَوْعَدْتُهُ أَوْ وَعَدْتُهُ لَمُخْلِفُ إِيعَادِي وَمُنْجِزُ مَوْعِدِي

اگر میں اسے دھمکی دوں یا اس سے وعدہ کروں تو میں اپنی دھمکی کی خلاف ورزی کرنے والا اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہوں۔

قتادہ یوں دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنا دے جو تیری دھمکی سے ڈرتے ہیں اور تیرے وعدہ کی امید رکھتے ہیں۔ یعقوب نے دونوں حالتوں میں وعیدی کی یاء کو ثابت رکھا ہے۔ ورش نے وصل میں ثابت رکھی ہے اور وقف میں گرا دیا ہے اور باقی قراء نے دونوں حالتوں میں اسے حذف کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 359

سورۂ ذاریات

آیاتہا 60 | سورۃ الذاریات مکیۃ 51 | رکوعاتہا 3

تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اس کی ساٹھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۭ

"قسم ہے ان ہواؤں کی جو (غبار) اڑا کر بکھیرنے والی ہیں پھر ان بادلوں کی جو (بارش کا) بوجھ اٹھانے والے ہیں پھر کشتیوں کی جو آہستہ چلنے والی ہیں پھر فرشتوں کی جو حکم (الٰہی) سے بانٹنے والے ہیں بے شک جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے وہ سچا ہے اور یقیناً جزا و سزا کا دن ضرور آئے گا"۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ابوبکر انباری نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن ناجیہ نے حدیث بیان کی وہ یعقوب بن ابراہیم سے وہ مکی بن ابراہیم سے وہ جعید بن عبد الرحمن سے وہ یزید بن خصیفہ سے وہ سائب بن یزید سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عمر ؓ سے عرض کی: میں ایک آدمی کے پاس سے گزرا وہ مشکل القرآن کی تفسیر کے بارے میں پوچھتا ہے۔ حضرت عمر ؓ نے دعا کی: اے اللہ! مجھے اس پر قدرت دے۔ ایک روز وہ آدمی حضرت عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ وہ لباس اور عمامہ زیب تن کیے ہوئے تھا جب کہ حضرت عمر ؓ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے جب آپ قرآن پڑھنے سے فارغ ہوئے تو وہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: اے امیر المومنین! وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا کیا ہے؟ حضرت عمر اٹھے اپنی آستینیں چڑھائیں اور اسے کوڑے مارنے لگے پھر فرمایا: اسے کپڑے پہناؤ، اسے سواری پر سوار کراؤ اور اسے اس کے قبیلہ تک پہنچاؤ پھر ایک خطیب کو چاہیے وہ کھڑا ہو اور کہے کہ صبیغ نے علم کی طلب کی اور اس سے خطا ہو گئی۔ وہ اپنی قوم میں سردار تھا تو وہ اپنی قوم میں ہلاک و رسوا ہو گیا۔

عامر بن واثلہ سے مروی ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی شیر خدا ؓ سے پوچھا عرض کی: اے امیر المومنین! وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا کیا چیز ہے؟ فرمایا: تجھ پر افسوس سمجھنے کے لیے پوچھو سرکشی کے طور پر نہ پوچھو۔ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا سے مراد ہوائیں ہیں۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا سے مراد بادل ہیں۔ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا سے مراد کشتیاں ہیں۔ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا سے مراد فرشتے ہیں۔

حرث نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا سے مراد ہوائیں ہیں(1)۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا سے مراد بادل ہیں جو پانی اٹھاتے ہیں جس طرح چوپائے بوجھ اٹھاتے ہیں(2)۔ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا سے مراد کشتیاں ہیں جو بوجھ اٹھاتی ہیں۔ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا سے مراد فرشتے ہیں جو مختلف امور بجالاتے ہیں۔ حضرت جبرئیل امین سختیاں لاتے ہیں، حضرت میکائیل رحمت کے عامل ہیں اور ملک الموت موت لاتے ہیں۔ فراء نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مختلف امر لاتے ہیں اس سے مراد خوشحالی، خشک سالی، بارش، موت اور حوادثات ہیں۔ اس کا باب یوں ذکر کیا جاتا ہے ذَرَتِ الرِّيحُ تَذْرُوْ ذَرْوًا وَتَذْرِيَةً ذَرْيًا۔

پھر یہ کہا گیا ہے: وَالذّٰرِيٰتِ اور مابعد قسمیں ہیں اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کی قسم اٹھاتا ہے تو وہ اس کے لیے شرف کو ثابت کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ذاریات کے رب کی قسم! اس کا جواب اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ ہے یعنی جس خیر، شر، ثواب اور عقاب کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ لَصَادِقٌ اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ لَصَادِقٌ کا معنی صدق ہے اسم مصدر کی جگہ واقع ہے وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ یعنی جزا تم پر واقع ہونے والی ہے۔ پھر دوسری قسم اٹھائی اور فرمایا: وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذاریات سے مراد بچے جننے والی عورتیں ہیں(3) کیونکہ ان کے جننے سے ہی مخلوق پھیلتی ہے کیونکہ وہ اولاد کو بکھیرتی ہیں تو وہ ذاریات ہو گئیں ان کی قسم اٹھائی کیونکہ ان کے بیٹے کی ذریت میں اس کے صالح بندوں میں سے بہترین لوگ ہوتے ہیں۔ اس کے لیے عورتوں کو خاص کیا مردوں کا ذکر نہیں کیا اگرچہ اولاد دونوں کی ہوتی ہے اس کی دو وجہیں ہیں(1) کیونکہ وہی ان کی حفاظت کے برتن ہیں جب کہ مردوں کی یہ صورت نہیں کیونکہ دونوں کے نطفے ان عورتوں کے رحم میں جمع ہوتے ہیں اس لیے ان کا خصوصاً ذکر کیا (2) ان میں نطفہ طویل وقت تک رہا اور معاشرت میں ان کا زمانہ قریب ہے۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا اس سے مراد بادل ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حاملات سے مراد عورتیں ہیں جب وہ حاملہ ہوتی ہیں(4)۔ وقر واؤ کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد کسی وزنی چیز کو پیٹھ یا پیٹ میں اٹھانا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: جاء يحمل وقره وہ بوجھ اٹھائے ہوئے آیا۔ قد اوقر بعيره اس نے اپنے اونٹ پر بوجھ لادا۔ وقر کا لفظ عموماً خچر اور گدھے کے سامان اور وسق کا لفظ اونٹ کے سامان کے لیے بولا جاتا ہے۔ هذه امراة موقرة جب اس عورت نے بھاری بوجھ اٹھایا ہوا ہو۔

اوقرت النخلة یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کا پھل زیادہ ہو۔ یہ کہا جاتا ہے: نخلة موقرة و موقر و موقرة۔ موقر بھی ذکر کیا گیا ہے یہ خلاف قیاس ہے کیونکہ فعل نخلہ کے لیے ہے۔ اسے موقر کہا گیا ہے یہ قیاس کے مطابق ہے جس طرح تیرا قول امراة حامل ہے کیونکہ درخت کا پھل عورتوں کے حمل کے مشابہ ہے۔ جہاں تک موقر کا تعلق ہے یہ خلاف قیاس ہے۔ لبید کے قول میں یہی روایت کیا گیا ہے وہ کھجور کی تعریف کرتا ہے:

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 217
2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 395
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 360
4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 361

فَصَبَّ كَوَارِعُهُ فِي خَلِيجٍ مُحَلَّمٍ　حَمَلْتُ فَمِنْهَا مُوقَرٌ مُكَرَّمُ

محل استدلال موقر ہے۔ اس کی جمع مواقر ہے۔ جہاں تک وقر کا تعلق ہے تو اس سے مراد کان کا بوجھل ہونا ہے یوں ہی ذکر کیا جاتا ہے قد وقرت اُذنه توقر وقرا یعنی وہ بہرا ہو گیا۔ اس کے مصدر میں قیاس تو یہ ہے کہ قاف متحرک ہوتا مگر وہ سکون کے ساتھ آیا ہے۔ اس کے بارے میں بحث سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے۔

فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ۝ مراد کشتیاں ہیں جو ہوا کے ساتھ آسانی سے چلتی ہیں جہاں بھی انہیں چلایا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بادل ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر اس کے آسانی سے چلنے کی دو صورتیں ہیں (۱) اللہ تعالیٰ انہیں جہاں بھی چلائے وہ شہر ہوں یا قطعہ زمین (۲) ان کا آسانی سے چلنا عربوں کے ہاں بھی معروف ہے جس طرح اعشیٰ نے کہا:

كَأَنَّ مِشْيَتَهَا مِنْ بَيْتِ جَارَتِهَا　مَشْيُ السَّحَابَةِ لَا رَيْثٌ وَلَا عَجَلُ(1)

گویا اس کا اپنی پڑوسن کے گھر سے چلنا بادل کا چلنا ہے نہ سست روی ہے اور نہ تیزی ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ یُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝ یَسْـَٔلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ۝ یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ۝ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝

"قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں بے شک تم مختلف (بے ربط) باتوں میں پڑے ہوئے ہو پھیرے جاتے ہیں اس (قرآن) سے جس کا مقدر ازل سے ہی پھیر دیا گیا ہے۔ ستیاناس ہو اٹکل پچو باتیں بنانے والوں کا جو غفلت کے نشہ میں بے سدھ پڑے ہیں وہ پوچھتے ہیں روز جزا کب آئے گا۔ یہ اس دن ہوگا جب وہ آگ پر تپائے جائیں گے۔ چکھو اپنی سزا کا مزہ یہی ہے وہ جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے"۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں السَّمَآءِ سے مراد بادل ہیں جو زمین کو سایہ کیے ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بلند آسمان ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد ساتواں آسمان ہے(2)؛ اسے مہدوی، ثعلبی، ماوردی اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے۔ الْحُبُكِ میں سات قول ہیں (۱) یہ حضرت ابن عباس، قتادہ، مجاہد اور ربیع کا قول ہے(3)۔ یعنی خوبصورت و کامل تخلیق والا؛ یہ عکرمہ کا قول ہے کہا: کیا تو کپڑا بننے والے کو نہیں دیکھتا جب وہ کپڑا بنتا ہے اور اس کو اچھی طرح بنتا ہے تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: حبك الثوب يحبكه جس نے اس کی اچھی طرح بنائی کی۔ ابن اعرابی نے کہا: ہر وہ چیز جس کو تو مضبوط بنائے اور اس کے عمل کو اچھا کرے تو اس کے لیے کہیں گے احتبكته۔ (۲) خوبصورت: یہ حضرت حسن بصری اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے: مراد ستاروں والا(4)۔ یہ تیسرا قول ہے (۴) ضحاک نے کہا: راستوں والا۔ پانی اور ریت پر جب ہوا چلے تو اس میں تو جو دیکھتا ہے اسے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 381
2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 362
3۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 220
4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 70

إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ یہ قسم کا جواب ہے جو والسماء ہے یعنی اے اہل مکہ! تم حضرت محمد ﷺ اور قرآن کے بارے میں مختلف رائے رکھنے والے ہو، کچھ تصدیق کرنے والے اور کچھ تکذیب کرنے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ باہم بانٹ تقسیم کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان کا اختلاف یہ تھا کہ آپ جادوگر ہیں نہیں بلکہ شاعر ہیں نہیں بلکہ بہتان لگانے والے ہیں نہیں بلکہ مجنون ہیں نہیں بلکہ کاہن ہیں نہیں بلکہ پہلے لوگوں کے یہ لکھے کہانیاں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ان میں سے کچھ وہ تھے جنہوں نے حشر کی نفی کی، ان میں سے کچھ نے شک کا اظہار کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ مراد بتوں کے پجاری ہیں جو یہ اقرار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے جب کہ عبادت غیروں کی کرتے ہیں (1)۔

يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ۙ یعنی حضرت محمد ﷺ اور قرآن پر ایمان سے اسے پھیر دیا جاتا ہے جسے پھیر دیا جاتا ہے: یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جس نے ان کے قول کا یہ ارادہ کیا کہ یہ جادو ہے، کہانت ہے اور پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں اس کو ایمان سے پھیر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے اللہ تعالیٰ نے جسے محفوظ رکھا اسے اس اختلاف سے پھیر لیا گیا۔ افکہ، یأفکہ افکا یعنی اسے کسی شے سے پھیر دینا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا (الاحقاف: 22) مجاہد نے کہا: يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ کا معنی ہے یوفن عنه من افن۔ افن سے مراد عقل کا فاسد ہونا ہے یعنی جس کا عقل فاسد ہو جاتا ہے اسے اس سے پھیر دیا جاتا ہے۔ زمخشری نے کہا: اسے یوفن منه من قبن پڑھا گیا ہے یعنی اسے محروم کیا جاتا ہے جسے محروم رکھا گیا۔ یہ افن الضرع سے مشتق ہے جس کا معنی ہے جب اس نے تھیری کا تمام دودھ دوہ لیا۔ قطرب نے کہا: معنی ہے اسے دھوکہ میں رکھا جاتا ہے جسے دھوکہ دیا گیا (2)۔ یزیدی نے کہا: اس سے دور رکھا جاتا ہے جسے دور رکھا گیا۔ معنی ایک ہی ہے سب معانی پھیرنے کے معنی کی طرف لوٹتے ہیں۔

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۙ تفسیر میں ہے کذابوں پر لعنت ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: شک کرنے والے قتل ہوں۔ مراد کاہن ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا (3)۔ قُتِلَ کا معنی ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونے کی بددعا کرنا واجب ہو چکی ہے۔ فراء نے کہا: قتل کا معنی ہے اس پر لعنت ہو۔ کہا: الْخَرّٰصُوْنَ سے مراد جھوٹے ہیں جو اس چیز کے بارے میں گمان کرتے ہیں جس کو جانتے نہیں، وہ کہتے ہیں: حضرت محمد ﷺ مجنون، کذاب، جادوگر اور شاعر ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) یہ ان کے بارے میں بددعا ہے کیونکہ جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے وہ مقتول اور ہلاک ہونے والے کے حکم میں ہے۔ ابن الانباری نے کہا: ہم نے ان کے لیے بددعا کی تعلیم دی گئی یہ کہو قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ۔ یہ خارص کی جمع ہے خرص کا معنی جھوٹ ہے اور خراص سے مراد کذاب ہے اس کا باب یوں چلتا ہے خرص یخرص خرصا یعنی اس نے جھوٹ بولا۔

کہا جاتا ہے: خرص، اخترص، خلق، اختلق، بشك، ابتشك اور سرق سب کا معنی جھوٹ بولنا ہے؛ یہ نحاس نے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 363   2۔ ایضاً   3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 71

بیان کیا ہے۔ خرص کا معنی یہ بھی ہے کہ کھجور کے درخت پر جو تر کھجوریں ہیں ان کو خشک کھجوروں کے ساتھ اندازہ سے بیچے۔ اس کے لیے یہ جملہ بولتے ہیں: وقد خرصت النخل اس کا اسم خرص ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: کم خرص نخلک خراص اسے کہتے ہیں جو اس کا اندازہ لگاتا ہے یہ لفظ مشترک ہے۔ خرص کا اصل معنی قطع کرنا ہے جس کی وضاحت سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے؛ اسی سے ایک خریص ہے جو خلیج کے لیے بولا جاتا ہے کیونکہ اس کی طرف پانی الگ ہو جاتا ہے۔ خرص اور خُرص بالی کے ایک دانہ کو کہتے ہیں جب وہ الگ ہو کیونکہ وہ دوسروں سے منقطع ہوتا ہے خریص کا معنی عود ہے کیونکہ وہ اپنی عمدہ خوشبو کی وجہ سے اپنی شکل سے ممتاز ہوتا ہے۔ خرص: اسے بھی کہتے ہیں جسے بھوک اور سردی لگی ہو کیونکہ اس کے ساتھ وہ الگ تھلگ ہو جاتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: خرص الرجل فهو خرص یعنی وہ بھوک اور ٹھنڈک کا شکار ہے بھوک ہو سردی نہ ہو اسے قرس نہیں کہتے سردی ہو بھوک نہ ہو اسے خرص کہتے ہیں۔ خرص جب خاء کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہو تو مراد سونے یا چاندی کا حلقہ ہے اس کی جمع خرصان ہے۔ خرص میں نجومیوں کا قول بھی داخل ہوتا ہے اور ہر اس آدمی کا قول بھی داخل ہوتا ہے جو جھوٹ اور تخمینہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکہ کی گھاٹیوں کو باہم تقسیم کیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مختلف باتیں کی تھیں مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو ایمان سے پھیر دیں۔

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ۝ غمرۃ اسے کہتے ہیں جو کسی چیز کو ڈھانپ دے اسی سے نہر غمر ہے یعنی جو بھی اس میں داخل ہوتا ہے وہ نہر اسے ڈھانپ لیتی ہے؛ اسی سے موت کی سختیاں ہیں۔ ساھون وہ آخرت کے معاملہ میں لاپرواہی کرنے والے اور غافل ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ۝ وہ سوال کرتے ہیں یوم حساب کب ہوگا؟ وہ یہ بات استہزاء اور قیامت میں شک کے طور پر کرتے ہیں۔ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ۝ لفظ یوم کو نصب الجزاء کے مقدر ہونے کے اعتبار سے ہے تقدیر کلام یہ ہوگی هذا الجزاء يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ۝ یعنی انہیں جلد جلایا جائے گا۔

یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: فتنت الذهب میں نے سونے کو جلایا تاکہ تو اسے آزمائے۔ فتنہ کا اصل معنی اختبار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مبنی ہے کیونکہ یہ جملہ کی طرف مضاف ہے اس پر نصب سابقہ تقدیر کی بناء پر ہے یا یہ يَوْمُ الدِّيْنِ سے بدل کے طور پر منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: وہ کہتا ہے يعجبني يوم انت قائم ويوم انت تقوم اگر تو چاہے تو یوم کو نصب بھی دے سکتا ہے یہ محل رفع میں ہے یہ منصوب ہوگا اگرچہ معنی کے اعتبار سے مرفوع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: يُفْتَنُوْنَ کا معنی ہے انہیں عذاب دیا جائے گا(1)؛ اس معنی میں شاعر کا شعر ہے:

كُلُّ امرئٍ من عبادِ الله مُضْطَهَدٌ ببطنِ مكةَ مقهورٌ و مفتونُ

مکہ کی وادی میں اللہ تعالیٰ کا ہر بندہ مظلوم، مغلوب اور عذاب دیا جا رہا ہے۔

ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ انہیں کہا جائے گا: اپنا عذاب چکھو(2)؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: اپنی آگ کا مزا چکھو۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 348

2۔ ایضاً

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یعنی جو تم جھٹلاتے رہے ہو اس کا مزا چکھو۔ فراء نے کہا: اپنا عذاب چکھو۔

هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۞ یعنی تم دنیا میں جس کی جلدی مچاتے رہے ہو۔ مذکر کی ضمیر ذکر کی، مونث کی ضمیر ذکر نہیں کی کیونکہ یہاں فتنہ عذاب کے معنی میں ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۞ اٰخِذِيْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۞

"البتہ اللہ سے ڈرنے والے (اس روز) باغات اور چشموں میں ہوں گے (بصد شکر) لے رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں بخشے گا، بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بھی نیکوکار تھے"۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۞ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے انجام کا ذکر کیا تو مومنوں کے انجام کا بھی ذکر کیا یعنی مومن ایسے باغوں میں ہوں گے جن میں جاری چشمے ہوں گے یعنی انتہائی پاکیزہ ہوں گے۔ اٰخِذِيْنَ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔

مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ان کے رب نے انہیں جو ثواب اور مختلف قسم کی عزتیں عطا فرمائیں۔ یہ ضحاک کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر نے کہا: معنی ہے وہ فرائض پر عمل کرنے والے ہیں۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۞ یعنی جنت میں داخل ہونے سے قبل دنیا میں وہ فرائض بجا لانے والے تھے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے فرائض کے لازم ہونے سے قبل وہ اپنے اعمال میں احسان کرنے والے تھے۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۞ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۞ وَ فِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ۞

"یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت (اپنی خطاؤں) کی بخشش طلب کرتے تھے اور ان کے اموال میں حق تھا سائل کے لیے اور محروم کے لیے"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۞ يَهْجَعُوْنَ کا معنی ہے وہ سوتے ہیں۔ ھجوع کا معنی رات کو سونا ہے۔ تہجاع سے مراد ہلکی نیند ہے، ابو قیس بن اسلت نے کہا:

قد حصت البیضۃ رأسی فما　　أطعم نوما غیر تہجاع

خود نے میرے سر کے بال مونڈ دیئے ہیں۔ میں تہجاع (ہلکی نیند) کے علاوہ کوئی نیند نہیں کرتا۔

عمرو بن معدیکرب اپنی بہن کے لیے شوق کا اظہار کرتا ہے جسے صمہ ابو درید بن صمہ نے گرفتار کر لیا تھا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 365

أمن ريحانة الداعي السميع يؤرقني وأصحابي هجوع

کیا ریحانہ کی جانب سے سنانے والا داعی (شوق) مجھے بیدار رکھتا ہے اور میرے ساتھی سوئے ہوئے ہیں۔

یہ کہا جاتا ہے: هجع يهجع هجوعا، هبع يهبع هبوعا۔ جب وہ سو جائے؛ یہ جوہری نے کہا۔ ما کی تعبیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زائد ہے؛ یہ ابراہیم نخعی کا قول ہے تقدیر کلام یہ ہے کانوا قلیلا من اللیل یھجعون یعنی وہ رات کا تھوڑا حصہ سوتے ہیں اور اس کا اکثر حصہ نماز پڑھتے رہتے ہیں۔

عطا نے کہا: یہ اس وقت ہوا جب انہیں رات کے قیام کا حکم ہوا۔ حضرت ابوذر بیٹھ کر سہارا لیتے تھے، عصا پکڑ لیتے تھے اس پر سہارا لیتے یہاں تک کہ رخصت نازل ہوئی قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ (مزمل) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما زائدہ نہیں بلکہ قلیلا پر وقف ہے پھر مِّنَ الَّیْلِ مَا یَہۡجَعُوۡنَ سے کلام کا آغاز ہوگا۔ تو ما نافیہ ہوگا اس سے نیند کی مطلقا نفی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ رات کے وقت بہت ہی تھوڑا سویا کرتے تھے بعض اوقات ان کی طبیعتوں میں نشاط ہوتی تو وہ سحری تک ذکر اذکار میں مشغول رہتے (1)۔ یعقوب حضرمی سے مروی ہے انہوں نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: کَانُوۡا قَلِیۡلًا اس کا معنی ہے ان کی تعداد تھوڑی تھی، پھر کلام کی ابتدا کی اور فرمایا: مِّنَ الَّیۡلِ مَا یَہۡجَعُوۡنَ یعنی وہ رات سے سوئے ہوئے نہیں۔ ابن الانباری نے کہا: یہ تفسیر فاسد ہے کیونکہ آیت ان کی نیند کی کمی پر دلالت کرتی ہے ان کی تعداد کی کمی پر دلالت نہیں کرتی اس کے بعد اگر ہم مِّنَ الَّیۡلِ مَا یَہۡجَعُوۡنَ سے آغاز کریں جس کا معنی ہے وہ رات سے بیدار رہتے ہیں اس میں ان کے لیے مدح نہیں کیونکہ تمام لوگ رات سوتے رہتے ہیں مگر اس صورت میں ما نافیہ ہو۔

میں کہتا ہوں: بعض لوگوں نے جو تاویل کی ہے یہ ضحاک کا قول ہے کہ ان کی تعداد تھوڑی تھی تو کلام ماقبل کے ساتھ متصل ہوگی جو تقدیر کلام یہ ہے اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُحۡسِنِیۡنَ یعنی وہ محسن تھوڑے تھے۔ پھر کلام کو شروع کیا فرمایا: مِّنَ الَّیۡلِ مَا یَہۡجَعُوۡنَ پہلی اور دوسری تاویل کی بنا پر کَانُوۡا قَلِیۡلًا مِّنَ الَّیۡلِ نیا خطاب ہوگا جب کہ پہلا خطاب مکمل ہو چکا تھا اور وقف مَا یَہۡجَعُوۡنَ پر ہوگا۔ اسی طرح جب تو قَلِیۡلًا کو کان کی خبر بنائے اور ما قلیل کی وجہ سے محل رفع میں ہو گویا فرمایا: رات کے وقت ان کی نیند تھوڑی ہوتی ہے۔ ما کے بارے میں جائز ہے کہ وہ نافیہ ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے ساتھ مل کر مصدر کے حکم میں ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ کانوا کے اسم سے بدل ہونے کی بنا پر محل رفع میں ہو تقدیر کلام یہ ہوگی کان ھجوعھم قلیلا من اللیل اگر تو ما کو زائدہ تسلیم کیے ہوئے قَلِیۡلًا کو نصب یھجعون کے ساتھ ہوگی۔ تقدیر کلام یہ ہوگی کانوا وقتا قلیلا او ھجوعا قلیلا یھجعون۔ اگر ما کو نافیہ بنایا جائے تو قَلِیۡلًا کان کی خبر ہوگی اور اسے یَہۡجَعُوۡنَ کے ساتھ نصب دینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ جب اس کی نصب یَہۡجَعُوۡنَ کے ساتھ ما کو مصدریہ مقدر ماننے سے ہو تو صلہ موصول سے پہلے آتا ہے۔

حضرت انس بن مالک اور قتادہ نے آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا: وہ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے تھے۔ ابو العالیہ نے کہا: وہ مغرب اور عشاء کے درمیان نہیں سوتے؛ یہ ابن وہب کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ آیت انصار کے بارے

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 72

میں نازل ہوئی۔ وہ مغرب اور عشاء کی نمازیں مسجد نبوی میں پڑھتے پھر وہ قبا چلے جاتے۔ حضرت محمد بن علی بن حسین نے کہا: وہ عشاء کی نماز پڑھنے سے قبل نہیں سوتے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: گویا ان کی نیند کو نماز کے لیے ان کی بیداری کے مقابلہ میں قلیل شمار کیا۔ حضرت ابن عباس اور مطرف نے کہا: کوئی رات کم ہی ایسی ہوگی جو ان پر آتی ہو جس میں وہ نماز نہ پڑھتے ہوں وہ اس کے ابتدائی حصہ میں نماز پڑھتے ہیں یا آخری حصہ میں نماز پڑھتے ہیں۔

مسئلہ نمبر2۔ رات کے وقت نماز پڑھنے والوں میں ایک سے یہ روایت مروی ہے کہ حالت نیند میں ان کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے یہ شعر پڑھا:

وكيف تنام الليل عين قريرة ولم تدر في أي المجالس تنزل

مراد پانے کی خواہش رکھنے والی آنکھ کیسے رات کو سو سکتی ہے وہ نہیں جانتی کہ کون سی مجلس میں جا اترے گی۔

بنو ازد کے ایک بندے سے مروی ہے اس نے کہا: میں رات کو نہیں سوتا تھا میں رات کے آخری پہر سویا تو اچانک میں دو نوجوانوں کے پاس تھا جو میں نے لوگ دیکھے تھے ان میں سے وہ حسین ترین تھے ان کے پاس حلے تھے وہ ہر نمازی کے پاس کھڑے ہوئے اور اسے ایک حلہ پہنایا پھر وہ سونے والوں کے پاس پہنچے اور انہیں حلہ نہ پہنایا۔ میں نے ان دونوں سے کہا: ان حلوں (کپڑوں کا جوڑا) میں سے ایک حلہ مجھے بھی پہنا دو۔ انہوں نے مجھے کہا: یہ لباس کا حلہ نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حلہ ہے جو ہر نمازی پر اترتا ہے۔

ابو خالد سے مروی ہے اس نے کہا: میرے ایک ساتھی نے مجھے بتایا ایک رات میں سویا ہوا تھا کہ میرے لیے قیامت کا منظر پیش کیا گیا میں نے اپنے بھائیوں میں سے کچھ کو دیکھا ان کے چہرے روشن تھے، ان کے رنگ چمک رہے تھے اور ان پر حلے تھے جو عام مخلوق کے لباس نہیں تھے میں نے کہا: کیا وجہ ہے یہ لوگ لباس پہنے ہوئے ہیں جب کہ لوگ ننگے ہیں، ان کے چہرے روشن ہیں جب کہ لوگوں کے چہرے غبار آلود ہیں؟ تو مجھے کسی کہنے والے نے کہا: جن کو تو نے لباس میں دیکھا ہے وہ اذان اور اقامت کے درمیان نماز پڑھتے تھے، جن کے چہرے روشن ہیں وہ بیداری اختیار کرنے والے اور تہجد پڑھنے والے ہیں۔ میں نے کچھ لوگوں کو عمدہ سواریوں پر دیکھا میں نے پوچھا ان لوگوں کو کیا ہوا کہ یہ سوار ہیں جب کہ لوگ پیدل اور ننگے پاؤں ہیں؟ تو ایک کہنے والے نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لیے اپنے قدموں پر کھڑے رہے اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین بدلہ دیا تو میں نے نیند میں چیخ ماری۔ عبادت گزاروں کے لیے مبارک ہو ان کا مقام کتنا معزز ہے پھر میں نیند سے بیدار ہوا تو میں خوفزدہ تھا۔

مسئلہ نمبر3۔ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۝ یہ دوسری مدح ہے وہ اپنے گناہوں کی استغفار کرتے ہیں؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے(1)۔ سحری کا وقت ایسا وقت ہے جس میں دعا کی قبولیت کی امید کی جاتی ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عمر اور مجاہد نے کہا: وہ سحری کے وقت نماز پڑھتے ہیں تو اس نماز کو

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 73

کرتا۔ حضرت حسن بصری اور محمد بن حنفیہ نے کہا: محروم وہ آدمی ہے جو غنیمت کے حاصل ہونے کے بعد کرتا ہے اور اس مال غنیمت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا (1)۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا لشکر بھیجا انہوں نے دشمن کو پالیا اور مال غنیمت حاصل کیا جب یہ مہم سے فارغ ہو گئے تو کچھ لوگ آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ عکرمہ نے کہا: محروم اسے کہتے ہیں جس کے پاس مال باقی نہ ہو۔ زید بن اسلم نے کہا: محروم اسے کہتے ہیں جس کے پھل، کھیتی یا جانوروں کی نسل میں کوئی آفت واقع ہو گئی ہو۔ قرظی نے کہا: محروم اسے کہتے ہیں جسے مصیبت پہنچی پھر اس نے یہ کلمات تلاوت کیے اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ (الواقعہ) اسی کی مثل اصحاب جنت کے قصہ میں ہے جب انہوں نے کہا تھا: بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿﴾ (الواقعہ)

ابو قلابہ نے کہا: اہل یمامہ کا ایک آدمی تھا جس کا مال تھا سیلاب آیا تو اس کا مال برباد کر دیا تو اس کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا: یہ محروم ہے اس کے لیے حصہ مقرر کرو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو دنیا طلب کرتا ہے اور وہ اس سے اعراض کرتی ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔ عبدالرحمن بن حمید نے کہا: محروم سے مراد مملوک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کتا ہے ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز مکہ مکرمہ کے راستہ میں تھے ایک کتا آیا حضرت عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بکری کا ایک بازو نکالا اور اس کتے کی طرف پھینک دیا فرمایا: لوگ کہتے ہیں یہ محروم ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: محروم وہ ہے جس کے فقر کی وجہ سے اس کا نفقہ اس کے رشتہ داروں پر لازم کر دیا گیا ہو کیونکہ اس کو اس کی ذات کی کمائی سے محروم کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا نفقہ غیر کے مال میں سے لازم ہو جاتا ہے۔

ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے: اس سے مراد وہ ہے جسے رزق سے محروم کر دیا گیا ہو۔ یہ اچھا قول ہے کیونکہ یہ تمام اقوال کو جامع ہے۔

امام شعبی نے کہا: جب سے میں بالغ ہوا ہوں آج مجھے ستر سال ہو چکے ہیں میں محروم کے بارے میں سوال کرتا رہا ہوں آج میں اس دن سے زیادہ عالم نہیں ہوں۔ شعبہ نے عاصم احول سے وہ امام شعبی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ لغت میں اس کا اصل معنی ممنوع ہے جس کو روک دیا گیا ہو۔ یہ حرمان سے مشتق ہے جس کا معنی روکنا ہے۔ علقمہ نے کہا:

ومطعم الغنم يوم الغنم مطعمه أنى توجه والمحروم محروم

جس کو غنیمت کا مال کھلایا جاتا ہو غنیمت والے دن اسے غنیمت کا مال کھلایا جاتا ہے وہ جہاں بھی جائے جب کہ جسے روک دیا جائے وہ محروم ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فقراء کی جانب سے اغنیاء کے لیے ہلاکت ہے فقراء کھڑے ہوں گے وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! انہوں نے ہمارے ان حقوق کو روک لیا جو تو نے ہمارے حق

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 366

تک کہ اس میں روح پھونکی۔ زبانیں، رنگ اور صورتیں مختلف بنائی ہیں۔ اس کے علاوہ کئی ظاہری اور باطنی نشانیاں ہیں جیسے یہ دل ان میں جو عقول رکھ دیئے گئے ہیں، ان میں معانی اور فنون کی جو انواع خاص کر دی گئی ہیں، زبانیں، قوت گویائی، حروف کے مخارج، آنکھیں اور باقی اعضاء، تمام اعضاء ان امور کو بجا لاتے ہیں جن کے لیے انہیں پیدا کیا گیا، جوڑوں سے انعطاف میں جو صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ایک طرف مڑ جاتے ہیں اور دوہرے ہو جاتے ہیں جب ان میں سے کوئی چیز خشک ہو جائے تو ان میں عجز واقع ہو جاتا ہے اور جب وہ ڈھیلے پڑ جائیں تو یہ بڑی ابتلا ہوتی ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (المومنون)

اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ: کیا تمہارے دلوں میں بصیرت نہیں کہ تم اس کی کمال قدرت کو پہچان لو۔ یہ قول بھی کیا گیا ہے: مراد یہ ہے کیا تم عاجزی کی حالت اور حاجت کے وقت اس کی طرف نہیں دیکھتے۔

میں کہتا ہوں: جو کچھ ذکر کیا گیا ہے یہ عبرت حاصل کرنے میں مراد ہے ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت توحید میں یہ بحث ذکر کر دی ہے کہ بدن انسانی جو عالم صغیر ہے اس میں جو کچھ ہے عالم کبیر میں اس کی مثال موجود ہے ہم نے وہاں تمام امور سے اور عبرت حاصل کرنے کے حوالے سے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ کافی ہے اور جو آدمی غور و فکر کرتا ہے وہ اسے دوسری بحث سے بے نیاز کر دے گا۔

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ: سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا: یہاں رزق سے مراد وہ چیز ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے جیسے بارش اور برف جس کے ذریعے کھیتی اگتی ہے اور مخلوق زندگی پاتی ہے (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: مراد ہر جاری چشمہ ہے کیونکہ یہ برف سے پیدا ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے جب آپ بادل دیکھتے تو اپنے ساتھیوں سے فرماتے: اللہ کی قسم! اس میں تمہارے لیے رزق ہے مگر تم اپنی غلطیوں کی وجہ سے محروم کر دیئے جاتے ہو۔

علماء معانی نے کہا: وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ کا معنی ہے بارش میں تمہارے لیے رزق ہے۔ بارش کو سماء کا نام دیا کیونکہ بارش آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا:

اذا سقط السماء بارض قوم رعیناه وان کانوا غضابا

جب کسی قوم کی سرزمین میں بارش نازل ہوتی ہے تو ہم اس کی گھاس کو چرتے ہیں اگرچہ وہ لوگ بہت ہی غصے ہوں۔

ابن کیسان نے کہا: معنی ہے آسمان کے رب پر تمہارا رزق ہے اس کی مثل یہ ارشاد ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود: 6) سفیان ثوری نے کہا: اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں آسمان میں تمہارا رزق ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے آسمان میں تمہارے رزق کی تقدیر ہے اور تمہارے لیے جو کچھ ہے وہ ام الکتاب میں لکھا ہوا ہے۔ سفیان ثوری سے مروی ہے (2): واصل احدب نے ان کلمات وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ کو پڑھا کہنے لگے: خبردار! میں اپنے رزق کو آسمان میں پاتا ہوں اور اسے تلاش زمین میں کرتا ہوں۔ وہ ایک کھنڈر میں داخل ہوئے وہ تین دن تک وہاں

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 357
2۔ تفسیر طبری، جز 28، صفحہ 240

کہا: اس کے تقسیم کرنے میں میری مدد کرو۔ ہم نے اس کا گوشت آنے جانے والے پر تقسیم کر دیا پھر اس نے تلوار اور کمان کا قصد کیا ان دونوں کو توڑ دیا اور ان دونوں کو کجاوے کے نیچے رکھ دیا اور جنگل کی طرف چل دیا وہ کہہ رہا تھا: وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۝ میں نے اپنے آپ پر ناراضگی کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو ملامت کی۔ پھر میں نے ہارون الرشید کے ساتھ حج کیا اسی اثنا میں کہ میں طواف کر رہا تھا تو میں ایک کمزور سی آواز کے پاس تھا میں متوجہ ہوا تو میں اسی بدو کے پاس تھا وہ انتہائی کمزور اور زرد رنگ والا ہو چکا تھا۔ اس نے مجھے سلام کیا اور میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: مجھ پر رحمٰن کا کلام پڑھو اور مقام ابراہیم کے پاس مجھے بٹھا لیا تو میں نے سورۃ الذاریات پڑھی یہاں تک کہ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۝ تک پہنچا اس بدو نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا ہم نے اسے حق پایا ہے۔ اس نے کہا: اس کے علاوہ بھی کلام ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ۝ بدو نے چیخ ماری کہا: سبحان اللہ! کس نے رب جلیل کو غضبناک کیا ہے یہاں تک کہ اس نے قسم اٹھائی کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تصدیق نہ کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو قسم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے یہ بات تین دفعہ کی تو اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

یزید بن مرثد نے کہا: ایک آدمی کو ایسی جگہ بھوک لگ گئی جہاں کوئی چیز نہ تھی اس نے عرض کی: اے اللہ! جس رزق کا تو نے وعدہ کیا ہے تو وہ مجھے عطا کر تو وہ اسی وقت سیر ہو گیا کھانے اور پینے کے بغیر اس کا پیٹ بھر گیا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لو أن أحدكم فر من رزقه لتبعه كما يتبعه الموت اگر تم میں سے کوئی اپنے رزق سے بھاگتا ہے تو رزق اس کا پیچھا کرتا ہے جس طرح موت اس کا پیچھا کرتی ہے: اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں حبہ اور سواء جو خالد کے بیٹے ہیں سے مروی ہے، دونوں نے کہا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کوئی کام کر رہے تھے ہم نے اس کام میں آپ کی مدد کی آپ نے فرمایا: لاتيأسا من الرزق ما تهززت رؤوسكما فإن الإنسان تلده أمه أحمر ليس عليه قشر ثم يرزقه الله (1) جب تک تمہارے سر حرکت کرتے ہیں (یعنی تم زندہ ہو) تم رزق سے مایوس نہ ہو کیونکہ انسان کو اس کی ماں گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں جنتی ہے اس پر لباس بھی نہیں ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے رزق یا ہم پہنچاتا ہے۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ بدو لوگوں میں سے ایک قوم نے کھیتی کاشت کی اسے ایک آفت نے آلیا وہ اس وجہ سے غمگین ہوئے ایک بدوی عورت ان کے پاس آئی اس نے کہا: کیا وجہ ہے تم نے اپنے سر جھکائے ہوئے ہیں تمہارے سینے تنگ ہو چکے ہیں جب کہ وہ ہمارا رب ہے اور ہمارے بارے میں علم رکھتا ہے ہمارا رزق اس کے ذمہ ہے وہ ہمیں عطا فرماتا ہے جہاں سے چاہتا ہے پھر وہ یہ شعر پڑھنے لگی:

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب التوکل والیقین، حدیث نمبر 4154، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لو کان فی صخرۃ فی البحر راسیۃ صمٍّ ململمۃٍ ملسًا نواحیها

رزق لنفس براها لانفلقت حتی تؤدی الیها کل ما فیها

او کان بین طباق السبع مسلکها لسهل الله فی المرقی مراقیها

حتی تنال الذی فی اللوح خط لها اِن لم تنله والا سوف یأتیها

اگر ایسی چٹان جو سمندر میں گڑھی ہوئی ہو اس کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوں اس کے اطراف بڑے چکنے ہوں اس میں کسی نفس کا رزق ہو جس نفس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو تو وہ پھٹ جائے گی یہاں تک کہ وہ نفس کو تمام کچھ دے گی جو اس میں ہوگا یا وہ رزق وہاں ہو جس تک پہنچنے کے لیے نفس کو سات آسمان چڑھنا پڑیں تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہاں چڑھنا آسان بنا دے گا یہاں تک کہ وہ وہ پالے گا جو لوح محفوظ میں اس کے لیے لکھا ہوگا اگر اس نے ابھی تک اسے نہیں پایا تو عنقریب وہ رزق خود اس کو تلاش کرے گا۔

میں کہتا ہوں: اس معنی میں اشعریوں کا قصہ بھی ہے جب انہوں نے اپنا قاصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اس نے اللہ تعالیٰ کا فرمان سنا وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود: 6) وہ لوٹ آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو نہ کی اور کہا: اشعری اللہ تعالیٰ کے ہاں چوپاؤں سے زیادہ ذلیل نہیں۔ ہم نے اس کا ذکر سورۂ ہود میں کیا ہے۔ لقمان نے کہا: یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ (لقمان: 16) یہ بحث سورۂ لقمان میں گزر چکی ہے ہم نے یہ بحث کتاب قمع الحرص بالزہد والقناعۃ میں مفصل بیان کی ہے۔ الحمد للہ۔

یہی وہ حقیقی توکل ہے جس میں کسی چیز کی آمیزش نہیں، یہی رب العالمین کے ساتھ لو لگا کر غیر سے دل کو فارغ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے اور اپنے احسان اور کرم کے ساتھ اپنے سوا کسی اور کے حوالے نہ کرے۔

مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ۝ عام قراءت مثل کے نصب کے ساتھ ہے یعنی کاف حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے یعنی کمثل نطقکم اس میں ما زائدہ ہے؛ یہ بعض کوفیوں کا نقطہ نظر ہے۔ زجاج اور فراء نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ تاکید کے طور پر منصوب ہو تقدیر کلام یہ ہو لحق حقا مثل نطقکم گویا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔

سیبویہ کا قول ہے: یہ مبنی ہے کیونکہ یہ انّ کی طرف مضاف ہے اور ما زائدہ ہے جو تاکید کے لیے ہے۔

مازنی نے کہا: مثل، ما کے ساتھ مل کر ایک شے کے حکم میں ہے اسی وجہ سے یہ مبنی برفتح ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ کہا: کیونکہ عربوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو مثل کو ہمیشہ منصوب بناتے ہیں تو کہتا ہے: قال لی رجل مثلک، ومررت برجل مثلک۔

ابوبکر، حمزہ، کسائی اور اعمش نے مثل کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ حق کی صفت ہے کیونکہ یہ نکرہ ہے اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے کیونکہ مثل کے لفظ میں اضافت کے باوجود اختصاص پیدا نہیں ہوتا۔

مثل کا لفظ اَنَّكُمْ کی طرف مضاف ہے اور ما زائدہ ہے اس کا مابعد مصدر کے حکم میں نہیں ہوگا کیونکہ اس کے ساتھ

کوئی ایسا فعل نہیں جس کے ساتھ قول کو مصدر بنا دیا جائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ لَحَقٌّ سے بدل ہو۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَاۗءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝

"اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور ہر وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ حق ہے (بعینہ اسی طرح) جس طرح تم باتیں کرتے ہو۔ اے حبیب! کیا پہنچی ہے آپ کو خبر ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے سلام عرض کیا آپ نے فرمایا: تم پر بھی سلام ہو (دل ہی دل میں سوچا) بالکل انجان لوگ ہیں پس چپکے سے اپنے اہل خانہ کی طرف گئے اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لے آئے اور اسے ان کے قریب رکھ دیا فرمایا: کھاتے کیوں نہیں؟ پس دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے وہ بولے ڈریئے نہیں اور انہوں نے بشارت دی آپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی"۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا تاکہ اس کے ساتھ اس امر کی وضاحت کرے کہ وہ آیات کو جھٹلانے والے کو ہلاک کرے گا جس طرح اس نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا۔

هَلْ اَتٰىكَ یہ اسم بانت کے معنی میں ہے یعنی کیا تیرے پاس یہ خبر نہیں آئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هَلْ، قد کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ (الانسان: 1) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں گفتگو سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں گزر چکی ہے۔

الْمُكْرَمِيْنَ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ (الانبیاء) حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: مراد حضرت جبرئیل امین، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل ہیں۔ عثمان بن حصین نے یہ زائد ذکر کیا ہے اور حضرت رفائیل علیہم السلام۔

محمد بن کعب نے کہا: حضرت جبرئیل امین اور ان کے ساتھ سات ساتھی مراد ہیں۔ عطا اور ایک جماعت نے کہا: یہ تین فرشتے تھے حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل اور ان دونوں کے ساتھ ایک اور فرشتہ۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: انہیں مکرمین اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ خوف زدہ نہیں تھے۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں مکرمین اس لیے کہا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود ان کی خدمت کی تھی۔ عبدالوہاب نے کہا: علی بن عیاض نے مجھے کہا: میرے پاس ہریسہ (ایک کھانا جو گندم اور گوشت کو کوٹ کر بنایا جاتا ہے) ہے آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: میری اس بارے میں بہت اچھی رائے ہے۔ کہا: ہمارے ساتھ چلو، میں گھر میں داخل ہوا آپ نے غلام کو بلایا تو وہ غائب تھا مجھے کسی امر نے مضطرب نہ کیا مگر اس چیز نے کہ انہوں نے پانی والا برتن اور تھال اٹھایا ہوا تھا اور ان کے کندھے پر رومال تھا میں نے بے ساختہ کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ، کاش! میں جانتا اے ابا الحسن کہ معاملہ اس طرح ہے۔ فرمایا:

اپنے اوپر احسان مانو۔ آپ ہمارے ہاں بڑے معزز ہیں۔ کریم اسے کہتے ہیں جس کی ذاتی طور پر عزت کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان پر غور کیجئے: هَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ إِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۔

إِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا سورۂ حجر میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

قَالَ سَلٰمٌ یعنی وہ تم پر سلام ہو۔ یہ تقدیر بھی جائز ہے: امری سلام یا ردی لکم سلام۔ عاصم کے علاوہ کوفہ کے قراء نے اسے سِلْم پڑھا ہے یعنی سین مکسور ہے۔

قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ تقدیر کلام یہ ہے: انتم قوم منکرون یعنی تم اجنبی لوگ ہو ہم تمہیں نہیں پہچانتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ آپ نے انہیں انسانی شکل میں نہیں دیکھا تھا اور یہ انہیں ان فرشتوں کے علاوہ صورت میں دیکھا تھا جنہیں آپ پہچانتے تھے تو آپ نے اجنبی خیال کیا کہا: قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے انہیں اجنبی اس لیے خیال کیا کیونکہ وہ اجازت کے بغیر داخل ہوئے تھے۔ ابو العالیہ نے کہا: اس زمانہ اور اس علاقہ میں ان کے سلام کو عجیب خیال کیا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: آپ ان سے ڈر گئے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: انکرتہ میں اس سے ڈر گیا۔ شاعر نے کہا:

فَأَنْكَرَتْنِي وَمَا كَانَ الَّذِي نَكِرَتْ　　مِنَ الْحَوَادِثِ إِلَّا الشَّيْبَ وَالصَّلَعَا (1)

اس نے مجھے اجنبی جانا جب کہ بڑھاپے اور گنج پن کے علاوہ کوئی چیز ڈرنے والی نہیں تھی۔

فَرَاغَ إِلٰٓى أَهْلِهٖ زجاج نے کہا: آپ اپنے اہل کی طرف گئے۔ سورۃ الصافات میں یہ بحث گزر چکی ہے یہ کہا جاتا ہے: اراغ اور ارتاغ دونوں کا معنی طلب کرنا ہے۔ ماذا تریغ کیا ارادہ کرتا ہے اور تو کیا طلب کرتا ہے۔ راغ الی کذا وہ اس کی طرف مائل ہوا اور راستے سے ہٹ گیا۔ اس تعبیر کی بنا پر راغ اور ارتاغ دو لغتیں ہیں جن کا معنی ایک ہے۔

فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ آپ مہمانوں کے پاس ایسا بچھڑا لائے جس کو ان کے لیے بھونا تھا جس طرح سورۂ ہود میں ہے۔ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ (ہود) یہ کہا جاتا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے گھر کی طرف گئے جس طرح مہمان سے چوری چھپے کام کرنا چاہتے ہوں تاکہ ان کے لیے جو کھانا بنانا چاہتے ہیں وہ ان پر ظاہر نہ ہو۔

فَقَرَّبَهٗٓ إِلَيْهِمْ بھنا ہوا بچھڑا انہیں پیش کیا۔ قَالَ أَلَا تَأْكُلُوْنَ قتادہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عمومی مال گائے کی نسل سے تھا تو آپ نے ان کی زیادہ تعظیم بجالانے کے لیے ایک موٹا بچھڑا دیا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایک لغت میں عجل کا معنی بکری ہے۔ قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ صحاح میں ہے: عجل گائے کے بچے کو کہتے ہیں۔ عجول اسی کی مثل ہے جمع عجاجیل ہے مؤنث عجلہ ہے۔ ابو الجراح سے مروی ہے: بقرۃ معجل یعنی بچھڑے والی گائے۔ عجل ربیعہ کا ایک قبیلہ ہے۔

فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ان سے دل میں خوف محسوس کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب انہوں نے کھانا نہ کھایا تو دل میں خوف ہوا۔ لوگوں کا طریقہ یہ تھا جو انسان کسی کا کھانا کھا لیتا تو اس کی جانب سے امن خیال کیا جاتا۔ عمرو بن دینار نے کہا: فرشتوں نے کہا ہم قیمت دیے بغیر نہیں کھاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا: کھانا کھاؤ اور اس کی قیمت ادا کرو۔ انہوں نے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 370

2۔ ایضاً

پوچھا: اس کی کیا قیمت ہے؟ فرمایا: جب تم اسے کھاؤ تو اللہ کا نام لو اور جب تم فارغ ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا: اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنا خلیل بنایا ہے۔ سورۂ ہود میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ جب انہوں نے حضرت ابراہیم میں خوف کے آثار دیکھے تو کہا: لا تخف اور آپ کو بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور قاصد ہیں۔

وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ۞ آپ کو ایسے بچے کی بشارت دی جو آپ کی زوجہ حضرت سارہ سے پیدا ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب انہوں نے یہ بتایا کہ وہ فرشتے ہیں تو آپ نے ان کی تصدیق نہ کی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس بچھڑے کو زندہ کر دیا جو آپ نے ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ عون بن ابی شداد نے روایت کی ہے کہ حضرت جبریل امین نے بچھڑے کو اپنا پر مارا وہ چلنے لگا یہاں تک کہ اپنی ماں تک جا پہنچا اور بچھڑے کی ماں گھر میں تھی۔ علیم کا معنی ہے وہ بالغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کا عالم ہوگا۔ جمہور علماء کی رائے ہے کہ جس بچے کی بشارت دی گئی وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حضرت مجاہد نے کہا: وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ یہ قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ (سورۂ ہود: 71) یہ نص ہے۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ۞ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ۞

"پس آئی آپ کی بیوی چیخیں بھرتی ہوئی اور (فرط حیرت) سے طمانچہ دے مارا اپنے چہرے پر اور بولی (میں) بوڑھی (میں) بانجھ (کیا میرے ہاں بچہ ہوگا) انہوں نے کہا: ایسا ہی تیرے رب نے فرمایا ہے بے شک وہی بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ۔ صَرَّةٍ کا معنی چیخ اور شور ہے: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے اسی سے صریر الباب ہے، جس سے مراد دروازے کی آواز ہے عکرمہ اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ کلمہ کہنا ہے۔ یہاں اقبال سے مراد ایک جگہ سے دوسری جگہ آنا نہیں۔ فراء نے کہا: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے اقبل یشتمنی وہ مجھے گالیاں دینے لگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عورتوں کی ایک جماعت میں آئیں جو فرشتوں کی گفتگو سن رہی تھیں۔ جوہری نے کہا: صرہ کا معنی شور وغل کرنا اور چیخنا ہے اور صرۃ کا معنی جماعت ہے اور صرہ کا معنی سخت مصیبت ہے۔ امرؤ القیس نے کہا:

فالحقہ بالھادیات ودونہ جواحرھا فی صرۃ لم تزیل(1)

یہ گھوڑا جب جنگلی گائیوں کے ابتدائی حصہ تک پہنچا اس کے پیچھے والی گائیں جماعت میں تھیں جو بکھری نہیں۔

یہ شعر تینوں مذکورہ وجوہ کا احتمال رکھتا ہے۔ صرۃ القیظ سے مراد اس کی گرمی کی شدت ہے۔ جب حضرت سارہ نے بشارت کو سنا تو اپنے چہرے پر ضرب لگائی یعنی جس طرح عورتوں کی عادت ہوتی ہے وہ تعجب کے وقت اپنے چہرے پر ہاتھ مارتی ہیں: یہ سفیان ثوری اور دوسرے علماء کا نقطۂ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فَصَكَّتْ وَجْهَهَا اس نے اپنے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 371

منہ پر طمانچہ مارا۔ صکّ کا اصل معنی مارنا ہے۔ صکّہ اس نے اسے مارا۔ راجز نے کہا:

یا کرواناً صُکّ فاکبأنّا

کروان بھورے رنگ کا پرندہ جو رات کو نہیں سوتا۔

اصمعی نے کہا: کبَنَ الظبی یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب ہرن زمین سے چمٹ جائے۔ اکبأنّ کا معنی بھی یہی ہے۔

وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ۝ یعنی کیا بوڑھی بانجھ عورت بچہ جنے گی؟ زجاج نے کہا: معنی ہے میں بوڑھی اور بانجھ ہوں میں کیسے بچہ جنوں گی؟ جس طرح کہا: يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ (ہود: 72)

قَالُوا كَذَٰلِكِ یعنی بات اسی طرح ہے جس طرح ہم نے تجھے کہا ہے اور ہم نے تجھے خبر دی ہے۔ قَالَ رَبُّكِ تیرے رب کا فرمان ہے تو اس میں شک نہ کر۔

بشارت اور ولادت کے درمیان ایک سال کا طویل عرصہ تھا حضرت سارہ کی اس سے پہلے اولاد نہ ہوئی تھی۔ انہوں نے اس وقت بچہ جنا جب ان کی عمر ننانوے سال تھی جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت سو سال تھی۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۝ جو کچھ وہ عمل کرتا ہے اس میں حکیم ہے اور مخلوق کی مصلحتوں سے آگاہ ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن طِينٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ۝ فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝

"آپ نے پوچھا: تمہارے آنے کا مقصد کیا ہے اے فرشتو! وہ بولے ہم بھیجے گئے ہیں ایک قوم کی طرف جو جرم پیشہ ہے تاکہ ہم برسائیں ان پر گارے کے بنے ہوئے پتھر (کنکر) جن پر نشان لگے ہیں آپ کے رب کی طرف سے حد سے بڑھنے والوں کے لیے (نزول عذاب سے پہلے) ہم نے نکال دیا وہاں سے تمام ایمانداروں کو۔ پس نہ پایا ہم نے اس (ساری) بستی میں بجز ایک مسلم گھر کے اور ہم نے باقی رہنے دی ایک نشانی ان لوگوں (کی عبرت پذیری) کے لیے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں"۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ وہ فرشتے ہیں کیونکہ انہوں نے بچھڑے کو زندہ کر دیا تھا اور بچے کی بشارت دی تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں فرمایا: فَمَا خَطْبُكُمْ تمہارا کیا معاملہ اور کیا قصہ ہے اے بھیجے گئے فرشتو!؟

قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۝ قوم سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہے۔ انہوں نے کہا: ہمیں مجرم

قوم کی طرف بھیجا گیا ہے۔

لِنُرۡسِلَ عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّن طِينٍ ۝ یعنی ہم ان پر مٹی کے بنے پتھر برسائیں۔ مُسَوَّمَةً جن پر نشان لگے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر سیاہ اور سرخ خط لگے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ اس میں معروف تھے کہ یہ عذاب کے پتھر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر پتھر پر اس کا نام لکھا ہوا تھا جس نے اس کے ساتھ ہلاک ہونا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر مہریں لگی ہوئی تھیں۔ یہ سب بحث سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔ پتھر ان کے مسافروں اور بکھرے ہوئے الگ تھلگ لوگوں کا پیچھا کرتے تو ان میں سے کوئی بھی نہ بچا۔

عِندَ رَبِّكَ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے رجم کا فیصلہ کیا تھا اس کو رجم کرنے کے لیے انہیں تیار کیا۔ پھر کہا گیا: وہ اس طرح پکے ہوئے تھے جس طرح اینٹ پکائی جاتی ہے، یہ ابن زید کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ ۝ (الحجر) کا یہی معنی ہے۔ جس کی وضاحت سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد وہ پتھر ہے جسے ہم دیکھتے ہیں جس کی اصل مٹی ہوتی ہے۔ یہ پتھر اس طرح بنتا ہے کہ زمانہ کے گزرنے کے ساتھ سورج اسے جلا دیتا ہے۔ اسے طین کہا گیا تاکہ یہ علم ہو یہ پانی سے بنا ہوا پتھر نہیں جو اولہ ہوتا ہے؛ قشیری نے یہ بیان کیا ہے۔

فَأَخۡرَجۡنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ۝ جب ہم نے قوم لوط کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان میں سے جو مومن تھے ان کو ہم نے نکال لیا تاکہ مومن ہلاک نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَأَسۡرِ بِأَهۡلِكَ (الحجر: 65) سے یہی مراد ہے۔

فَمَا وَجَدۡنَا فِيهَا غَيۡرَ بَيۡتٖ مِّنَ ٱلۡمُسۡلِمِينَ ۝ ٱلۡمُسۡلِمِينَ سے مراد حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیاں تھیں۔ اس میں اضمار ہے تقدیر کلام یہ ہے فما وجدنا فیھا غیر اھل بیت۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے بیت شریف اس سے مراد اہل ہوتا ہے۔ فیھا یہ قریہ سے کنایہ ہے اس کا ذکر پہلے نہیں ہوا کیونکہ معنی ذہن میں موجود ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: إِنَّآ أُرۡسِلۡنَآ إِلَىٰ قَوۡمٖ مُّجۡرِمِينَ ۝ قریہ پر دال ہے، کیونکہ وہ قوم قریہ میں ہی رہائش پذیر تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر جماعت کے لیے ہے۔ مومنون اور مسلمون یہاں برابر ہیں جنس کا ذکر کیا تاکہ تکرار کی ضرورت نہ پڑے، جس طرح فرمایا: إِنَّمَآ أَشۡكُواْ بَثِّي وَحُزۡنِيٓ إِلَى ٱللَّهِ (یوسف: 86)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایمان سے مراد تصدیق قلبی ہے اور اسلام سے مراد ظاہری اطاعت ہے۔ ہر مومن مسلمان ہے اور ہر مسلمان مومن نہیں۔ پہلی آیت میں مومنین کہا کیونکہ ہر مومن مسلمان ہوتا ہے اس بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالَتِ ٱلۡأَعۡرَابُ ءَامَنَّاۖ قُل لَّمۡ تُؤۡمِنُواْ (الحجرات: 14)

یہ ایمان اور اسلام میں فرق پر دلالت کرتا ہے۔ صحیح مسلم اور دوسری کتب میں مذکورہ حدیث جبریل کا مقتضا بھی یہی ہے ہم نے اس کی وضاحت کئی مقامات پر کی ہے۔

وَتَرَكۡنَا فِيهَآ ءَايَةٗ ہم نے اس زمانہ اور ان کے بعد کے زمانہ کے لوگوں کے لیے عبرت اور علامت رکھ دی ہے۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَقَد تَّرَكۡنَا مِنۡهَآ ءَايَةَۢ بَيِّنَةٗ لِّقَوۡمٖ يَعۡقِلُونَ ۝ (العنکبوت) ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیۃ

سحر کرنے سے مراد ہر وہ بستی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذہیر کے پتھر جن کے ساتھ انہیں رجم کیا گیا وہی آیت ہے۔

لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ خوف کرنے والوں کو اس لیے خاص کیا کیونکہ وہی اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔

وَفِيْ مُوْسٰۤى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝

"اور (داستان) موسیٰ میں بھی نشانی ہے جب ہم نے انہیں بھیجا فرعون کی طرف ایک روشن دلیل دے کر پس اس نے روگردانی کی اپنی قوت کے بل بوتے پر اور کہنے لگا: یہ شخص جادوگر ہے یا دیوانہ تو ہم نے اس کو اس کے لشکر سمیت پکڑا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا اور وہ قابل ملامت ہی تھا"۔

وَفِيْ مُوْسٰى یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی نشانی چھوڑی ہے۔ فراء نے کہا: اس کا عطف وفی الارض آیات پر ہے۔

اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ سلطان مبین سے مراد واضح حجت ہے وہ عصا کا معجزہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد معجزات ہیں جو عصا اور دوسرے معجزات ہیں۔

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ ضمیر فاعل سے مراد فرعون ہے اس نے ایمان سے اعراض کیا۔ برکنہ یعنی اپنی جمعیت اور اپنے لشکروں کے ساتھ۔ یہ ابن زید کا قول ہے۔ مجاہد کے قول کا بھی یہی معنی ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ اٰوِيْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝ (ہود) یہاں رکن سے مراد قوت اور قبیلہ ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: یعنی اپنی قوت کے بل بوتے پر اسی معنی میں عنترہ کا قول ہے۔

فما أوهى مراس الحرب ركني (1)   جنگ کی شدت نے میری قوت کو کمزور نہیں کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: برکنہ سے مراد اس کی ذات ہے۔ اخفش نے کہا: مراد اس کی جانب ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ (فصلت: 51) یہ مورخ کا قول ہے۔ جوہری نے کہا: کسی شے کا رکن اس کی اقویٰ جانب ہوتی ہے۔

اَوْ اٰوِيْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝ (ہود) یعنی وہ طاقت و سہارا کی پناہ لیتا ہے۔ قشیری نے کہا: رکن سے مراد بدن کی جانب ہے۔ یہ کسی شے سے اعراض کرنے میں مبالغہ کے اظہار کے لیے ہوتا ہے۔

وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ یہاں او واؤ کے معنی میں ہے کیونکہ انہوں نے یہ دونوں باتیں کہیں: یہ مورخ کا نقطہ نظر ہے اور جریر کا یہ شعر پڑھا:

أثعلبة الفوارس أو رياحا عدلت بهم طهية والخشابا (2)

اس شعر میں او واؤ کے معنی میں ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 372
2۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 7

تو نے مجھے چھوڑا جب زمانہ نے میری نظر کو روک لیا اور جس میں بوسیدہ ہڈی کی طرح باقی تھا۔

قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جسے خشک نباتات سے ریزہ ریزہ کیا جائے۔ ابو العالیہ اور سدی نے کہا: ریت کی طرح۔ قطرب نے کہا: رمیم سے مراد راکھ ہے۔ یمان نے کہا: مراد ہے جو پاؤں سے جس گھاس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ رمت کو مرمة اور رمقه کہتے ہیں۔ مرمة بھی اس میں لغت ہے کلی کی اصل رم العظم ہے جب وہ بوسیدہ ہو جائے۔ تو اس سے یہ باب ذکر کرتا ہے رم العظم یرم رمة فهو رميم۔ شاعر نے کہا:

وَرَأَى عَوَاقِبَ خُلْفِ ذَاتِ مَذَمَّةٍ تَبْقَى عَلَيْهِ وَالْعِظَامُ رَمِيمَةٌ

اس نے اس وعدہ کے توڑنے کے انجام میں مذمت دیکھی جو اس پر باقی رہنے والی تھی جب کہ ہڈیاں بوسیدہ ہو جاتی ہیں۔

رمة جب راء کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد بوسیدہ ہڈیاں ہیں اس کی جمع رمم اور رمام ہے اس کی مثل یہ آیت ہے تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ (الاحقاف: 25) جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ۝ فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّعِقَةُ وَهُمْ يَنظُرُونَ ۝ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِن قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنتَصِرِينَ ۝

"اور (واقعہ) ثمود میں بھی نشانی ہے جب انہیں کہہ دیا گیا کہ لطف اٹھا لو ایک وقت تک پس انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے تو پکڑ لیا انہیں ایک خوفناک کڑک نے دراں حالیکہ وہ دیکھ رہے تھے۔ پھر ان میں نہ اٹھنے کی طاقت رہی اور نہ (ہم سے) انتقام لے سکے"۔

وَفِي ثَمُودَ یعنی ثمود میں بھی عبرت اور نشانی ہے جب انہیں کہا گیا: تم دنیا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے زندگی گزارو۔ حَتَّىٰ حِينٍ ہلاکت کے وقت تک۔ یہ تین دن ہیں۔ جس طرح سورۂ ہود آیت 65 میں ہے تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تَمَتَّعُوا کا معنی ہے اسلام لے آؤ اور اپنی اجل کے پورا ہونے تک لطف اندوز ہو۔

فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّعِقَةُ صاعقہ سے مراد موت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہر قسم کا ہلاک کرنے والا عذاب ہے۔ حسین بن واقد نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی صاعقہ کا لفظ ہے اس سے مراد عذاب ہے۔ حضرت عمر بن خطاب، حمید، ابن محیصن، مجاہد اور کسائی نے الصعقة پڑھا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: صعق الرجل صعقة وتصعاقا اس پر غشی چھا گئی۔ صعقتهم السماء جب آسمان ان پر عذاب نازل کرے۔ صاعقہ کا معنی عذاب کی چیخ ہے۔ سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَهُمْ يَنظُرُونَ وہ دن کے وقت اسے دیکھ رہے تھے۔ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِن قِيَامٍ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیام کا معنی اٹھنا ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ طاقت نہیں رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اٹھا سکیں اور اس کے ساتھ اٹھ سکیں اور اپنی ذاتوں سے اسے دور کر سکیں۔

1۔ تفسیر عبد الرزاق، جلد 3، صفحہ 240

تو کہتا ہے: لا اقوم لهذا الامر میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کے جسم ختم ہو جائیں گے اور ان کی روحیں عذاب میں باقی رہیں گی۔

وَمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ۝ جب انہیں ہلاک کیا جائے گا تو وہ عذاب سے محفوظ نہیں ہوں گے یعنی ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝

"اور قوم نوح کو اس سے پہلے (بھی غرق کیا) بے شک وہ لوگ بھی (پرلے درجے کے) نافرمان تھے"۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ حمزہ، کسائی اور ابو عمرو نے اسے وقومِ نوحٍ پڑھا ہے یعنی قوم کے لفظ کو جر دی ہے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں بھی نشانی ہے۔ باقی قراء نے اس پر نصب پڑھی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: واهلكنا قوم نوح یا اس کا عطف فاخذتهم کی ھم ضمیر پر ہے یا فنبذناهم کی ھم ضمیر پر ہے۔ معنی یہ ہے کہ انہیں صاعقہ نے پکڑ لیا اور اس نے قوم نوح کو پکڑ لیا، ہم نے انہیں سمندر میں پھینک دیا اور قوم نوح کو پھینک دیا یا یہ اذکر کے معنی میں ہے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

"اور ہم نے آسمان کو (قدرت کے) ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اس کو وسیع کر دیا اور زمین کو ہم نے فرش بچھا دیا پس ہم کتنے اچھے فرش بچھانے والے ہیں۔ اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تاکہ تم غور و فکر کرو"۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ جب ان آیات کو بیان کیا تو فرمایا: آسمان میں آیات اور عبرتیں ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ صانع کمال پر قادر ہے۔ سماء کے امر کو قوم نوح کے قصہ پر عطف کیا کیونکہ یہ دونوں آیات ہیں۔ بایید کا معنی ہے قوت اور قدرت کے ساتھ، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔

وَاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم قادر ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم وسعت والے ہیں، دوسری کو پیدا کرنا ہم پر کوئی مشکل نہیں ہوتا جس کو پیدا کرنے کا ہم ارادہ کر لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم اپنی مخلوق پر اپنا رزق وسیع کرنے والے ہیں؛ یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: ہم اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: ہم بارش کے ذریعے رزق کو وسیع کرنے والے ہیں (2)۔ ضحاک نے کہا: ہم نے تمہیں غنی کر دیا ہے، اس پر دلیل عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ (البقرہ: 236) ہے۔ قتبی نے کہا: ہم اپنی مخلوق پر وسعت والے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم نے آسمان اور زمین کے درمیان وسعت رکھ دی ہے۔ جوہری نے کہا: اوسع الرجل سے مراد ہے وہ وسعت اور غنی والا ہو گیا؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ (الذاریات) یعنی ہم غنی اور قادر ہیں؛ تو یہ تمام اقوال کو شامل ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 161   2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 229

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا یعنی ہم نے زمین کو پانی پر بچھا دیا جس طرح بستر بچھایا جاتا ہے اور ہم نے اسے پھیلا دیا۔ فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ یعنی ہم اس کو کتنا اچھا بچھانے والے ہیں۔ سب میں تعظیم کا معنی پایا جاتا ہے۔ مهدت الفراش مهدا یعنی میں نے بستر کو بچھا دیا۔ تمهید الامور سے مراد ان کو درست کرنا ہے۔

وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ یعنی دو مختلف قسمیں اور نوعیں بنائیں۔ ابن زید نے کہا: یعنی مذکر اور مونث، میٹھا اور ترش اور اسی کی مثل بنایا (1)۔ مجاہد نے کہا: مذکر اور مونث، آسمان اور زمین، سورج اور چاند، رات اور دن، نور اور ظلمت، میدان اور پہاڑ، جن اور انسان، خیر اور شر، صبح اور شام اور اسی کی اشیاء جو مختلف ہیں ذائقوں، خوشبوؤں اور رنگوں میں۔ یعنی ہم نے اسے اسی طرح بنایا ہے یہ ہماری قدرت پر دال ہیں۔ جو اس پر قادر ہے وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ تاکہ تمہیں علم ہو جائے کہ جوڑوں کا خالق فرد ہے اس کی صفت میں حرکت و سکون، ضیاء و ظلمت، قعود و قیام، ابتدا و انتہا کو مقدر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہے اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۱﴾ كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَاۤ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۵﴾

"پس دوڑو اللہ کی طرف (اور اس کی پناہ لے لو) بے شک میں تمہیں (اس کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور نہ بناؤ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود، بے شک میں تمہیں اس (کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اسی طرح نہیں آیا ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے یہی کہا کہ یہ ساحر ہے یا دیوانہ۔ کیا پہلوں نے پچھلوں کو یہی وصیت کی تھی (نہیں) بلکہ یہ لوگ سرکش ہیں پس آپ ان سے رخ انور پھیر لیجئے آپ پر کوئی الزام نہیں اور آپ سمجھاتے رہیے یقیناً سمجھانا اہل ایمان کے لیے فائدہ بخش ہے"۔

فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ جن امتوں نے انبیاء کی جو تکذیب کی اور ان امتوں کو ہلاک کیا گیا اس کا ذکر ہو چکا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا: اے محمد! انہیں کہو یعنی اپنی قوم سے کہو اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو میں تمہیں واضح خبردار کرنے والا ہوں۔ یعنی اس کے معاصی سے اس کی طاعت کی طرف بھاگو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے: اس سے اس کی طرف بھاگو اور اس کی اطاعت کرو۔ محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان نے کہا: فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ سے مراد ہے مکہ مکرمہ کی طرف نکلو۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 181

عَنْهُمْ ان سے درگزر کیجئے۔ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ آپ کا رب آپ پر کسی کوتاہی کی وجہ سے ملامت نہیں کرے گا جو آپ سے صادر ہوئی۔ وَّ ذَكِّرْ نصیحت انہیں یاد دلاتے رہیے کیونکہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے۔ قتادہ نے کہا: قرآن ان کے سامنے پڑھیے کیونکہ قرآن پڑھنا مومنوں کو نفع دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں عذاب اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ یاد دلاتے رہیے۔ یہاں مومنوں کا خاص طور پر ذکر کیا کیونکہ مومن ہی اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَاۤ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَاۤ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝

"اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن و انس کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ نہ میں طلب کرتا ہوں ان سے رزق اور نہ یہ طلب کرتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی (سب کو) روزی دینے والا، قوت والا، زبردست ہے۔ پس ان ظالموں کے لیے عذاب کا وہی حصہ ہے جیسا ان کے ہم مشربوں کو ملا تھا، پس یہ جلدی نہ کریں۔ پس تباہی ہے ان کے لیے جنہوں نے کفر کیا اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔"

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارشاد ان لوگوں کے لیے خاص ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ لفظ عام ذکر کیا اور مراد خاص ہے۔ معنی ہے: میں نے جن و انس میں سے اہل سعادت کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری توحید کا اقرار کریں۔ قشیری نے کہا: آیت میں تخصیص قطعی طور پر داخل ہے کیونکہ مجنوں اور بچوں کو عبادت کا حکم نہیں دیا گیا یہاں تک کہ یہ بات کہی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عبادت کا ارادہ کیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (الاعراف: 179) جو جہنم کے لیے پیدا کیے گئے ہیں وہ عبادت کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔ پس مذکورہ آیت ان میں سے مومنین پر محمول ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا (الحجرات: 14) یہ بات بدوؤں میں سے ایک جماعت نے کہی تھی؛ اس کا ذکر ضحاک، کلبی، فراء اور قتبی نے کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں وما خلقت الجن والانس من المومنین الا لیعبدون ہے۔

حضرت علی شیر خدا نے کہا: معنی ہے میں نے جن و انس کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ میں انہیں عبادت کا حکم دوں[1]۔ زجاج نے اس قول پر اعتماد کیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 230

اِلٰهًا وَّاحِدًا (توبہ: 31) اگر یہ سوال کیا جائے: انہوں نے کفر کیسے کیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی ربوبیت کا اقرار اور اس کے امر اور مشیت کے سامنے عاجزی کرنے کے لیے پیدا کیا؟

اس کا جواب یہ دیا گیا: اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف جو قضا کا فیصلہ کیا اس کے سامنے وہ سرافگندہ ہوئے کیونکہ اس کی قضا تو ان پر جاری ہے وہ اس سے بچنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ جس نے کفر کیا اس نے ان کی اس عمل میں مخالفت کی جس کے بجالانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا جہاں تک اس کی قضا کے سامنے عجز کا اظہار ہے اس کی جانب سے غیر ممتنع ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ کا معنی ہے مگر وہ میرے لیے خوشی سے یا مجبوراً عبادت کا اقرار کریں[1]: اسے علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ کرہ سے مراد ہے جو ان میں اس کی صنعت کا اثر رکھوئی دیتا ہے۔

مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے اس لیے تاکہ وہ میری پہچان کریں[2]۔ ثعلبی نے کہا: یہ بہت اچھا قول ہے کیونکہ اگر وہ انہیں پیدا نہ کرتا تو اس کے وجود اور اس کی توحید کی پہچان نہ ہوتی۔ اس تاویل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزخرف: 87) وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ (الزخرف) اور اسی طرح کی دوسری آیات ہیں۔

مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: مگر اس لیے کہ میں انہیں حکم دوں اور انہیں نہی کروں۔ زید بن اسلم نے کہا: اس سے مراد ہے جس شقاوت اور سعادت پر انہیں پیدا کیا گیا جنوں اور انسانوں میں سے سعادت مند عبادت کے لیے پیدا کیے گئے اور ان میں سے بدبخت معصیت کے لیے پیدا کیے گئے[3]۔ کلبی سے یہ بھی مروی ہے: معنی ہے مگر اس لیے تاکہ وہ میری وحدانیت کو بیان کریں۔ جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو وہ تنگ دستی اور خوشحالی میں اس کی توحید کا بیان کرتا ہے جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو وہ صرف تنگی اور مصیبت میں اس کی توحید کا بیان کرتا ہے انعام اور خوشحالی کے زمانہ میں اس کی توحید بیان نہیں کرتا، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَ اِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (لقمان: 32)

عکرمہ نے کہا: معنی ہے مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں اور اطاعت کریں پس میں عبادت گزار کو بدلہ دوں گا اور منکر کو عذاب دوں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے مگر اس لیے کہ میں انہیں اپنا بندہ بنالوں۔ معنی قریب ہے۔

عبودیت کا اصل معنی عاجزی ہے اور تعبید کا معنی کسی کو مطیع بنانا ہے یہ لفظ بولا جاتا ہے: طریق معبد وہ راستہ جس پر عام چلا جائے۔ شاعر نے کہا:

وَظِيْفًا وَظِيْفًا فَوْقَ مَوْرٍ مُعَبَّدٍ — اس نے ہموار راستہ پر قدم پر قدم رکھا۔

تعبید کا معنی استعباد بھی ہے جس سے مراد ہے بندہ بنالینا ہے اسی طرح اقتیاد ہے عبادت کا معنی طاعت ہے اور تعبد کا

1۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 17   2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 230   3۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 16

معنی عبادت کرنا ہے لیعبدون کا معنی ہے کہ وہ عاجزی کریں اور عبادت کریں۔

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ، مِنْ زائدہ ہے میں ان سے رزق کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ میں رازق اور عطا کرنے والا ہوں۔ حضرت ابن عباس، ابوجحیفہ اور ابوالجوزاء نے کہا: معنی ہے میں یہ ارادہ نہیں کرتا کہ وہ اپنے آپ کو رزق دیں اور نہ میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو کھلائیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے میں یہ ارادہ نہیں کرتا کہ وہ میرے بندوں کو رزق دیں اور نہ میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ وہ انہیں کھلائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ۔ ابن محیصن وغیرہ نے اسے الرازق پڑھا ہے۔

ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۞ یعنی شدید اور قوی۔ اعمش، یحییٰ بن وثاب اور نخعی نے المتینِ کو جر دے کر پڑھا ہے کیونکہ یہ قوت کی صفت ہے۔ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ رزاق یا ذو کی صفت ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ ان کے محل کی صفت ہے ان کے محل کے اعتبار سے یا یہ خبر کے بعد خبر ہے۔ فراء نے کہا: حق تو یہ تھا کہ لفظ المتینۃ ہوتا لیکن مذکر ذکر کیا کیونکہ یہ مضبوط و محکم شی کی طرف لے جاتا ہے یہ کہا جاتا ہے: حبل متین۔ فراء نے یہ شعر پڑھا:

لِكُلِّ دَهْرٍ قَدْ لَبِسْتُ أَثْوُبًا حَتَّى اكْتَسَى الرَّأْسُ قِنَاعًا أَشْيَبَا

مِنْ رَيْطَةٍ وَالْيُمْنَةِ الْمُعَصَّبَا (2)

یہاں المعصب کو مذکر ذکر کیا ہے کیونکہ یمنہ کپڑے کی ایک قسم ہے اسی باب میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ (بقرہ: 275) موعظۃ سے مراد وعظ ہے وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ (ہود: 67) الصیحۃ سے مراد صیاح اور خوبصورت (آواز) ہے۔

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اہل مکہ میں سے جنہوں نے کفر کیا۔ ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ عذاب کا حصہ جس طرح سابقہ امتوں میں سے کافروں کا حصہ ہوتا تھا۔ ابن اعرابی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے یوم ذنوب یعنی ایسا دن جس کا شر طویل ہو جو ختم نہ ہو۔ لغت میں ذنوب کا اصل معنی عظیم ڈول ہے۔ وہ پانی نکالتے اور اسے حصہ پر تقسیم کر دیتے تو ذنوب سے مراد حصہ لیا گیا۔ راجز نے کہا:

لَنَا ذَنُوْبٌ وَلَكُمْ ذَنُوْبٌ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَلَنَا الْقَلِيْبُ (3)

ہمارے لیے حصہ ہے اور تمہارے لیے حصہ ہے اگر تم انکار کرو تو ہمارے لیے کنواں ہے۔

جوہری نے کہا: ذنوب سے مراد ایسا گھوڑا ہے جس کی دم لمبی ہو۔ ذنوب کا معنی حصہ ہے اور ذنوب سے مراد پشت سے نیچے والے حصہ کا گوشت ہے۔ ذنوب سے مراد ایسا ڈول ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہو۔ ابن سکیت نے کہا: ایسا ڈول جس میں پانی ہو بھرنے کے قریب ہو۔ یہ مؤنث اور مذکر دونوں طرح استعمال ہوتا ہے جب وہ پانی سے خالی ہو تو اسے ذنوب نہیں کہتے۔ اس کی جمع قلت اذنبۃ اور جمع کثرت ذنائب آتی ہے جس طرح قلوص اور قلائص ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 17 | 2۔ ایضاً، جلد 27، صفحہ 18 | 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 182

فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ﴿٥٩﴾ وہ اپنے اوپر عذاب کے نازل ہونے کی جلدی نہ کریں، کیونکہ انہوں نے کہا تھا: ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿﴾ (الاعراف) غزوہ بدر کے موقع پر ان پر وہ چیز نازل ہوئی جس نے ان کے وعدہ کو سچ کر دکھایا اور ان سے جلدی انتقام لے لیا۔ پھر ان کے لیے آخرت میں دائمی عذاب اور ہمیشہ رہنے والی رسوائی ہے جو ختم نہ ہوگی اور جس کی نہ کوئی انتہا ہے۔

زیتون کو اگاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مدین میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام زبیر ہے۔ زبیر وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی۔

میں کہتا ہوں: مدین ارض مقدسہ میں ہے یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا گاؤں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طور سے مراد ہر وہ پہاڑ ہے جو کسی چیز کو اگائے اور جو کسی چیز کو نہ اگائے طور نہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ مسطور کا معنی مکتوب ہے(1) یعنی قرآن جسے مومن مصاحف سے پڑھتے ہیں اور ملائکہ لوح محفوظ سے پڑھتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ (الواقعہ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تمام سماوی کتب ہیں جو انبیاء پر نازل ہوئیں۔ ہر کتاب کاغذ میں لکھی ہوتی جسے پڑھنے کے لیے کتاب والے کھولتے۔ کلبی نے کہا: مراد وہ تورات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اپنے دست قدرت سے لکھا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قلم چلنے کی آواز سن رہے تھے(2)۔ فراء نے کہا: مراد اعمال کے صحیفے ہیں کچھ اپنی کتاب دائیں ہاتھ میں پکڑیں گے اور کچھ اپنی کتاب بائیں ہاتھ میں پکڑیں گے(3)؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ (الاسراء) اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ (التکویر) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے آسمان میں لکھا وہ اس میں پڑھتے ہیں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے۔ ایک قول یہ ہے: مراد ہے اللہ تعالیٰ نے مومنوں میں سے اولیاء کے دل میں جو کچھ لکھا اس کی وضاحت اس ارشاد میں ہے: اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ (المجادلہ:22)

میں کہتا ہوں: اس قول میں مجازی تاخذ جاری ہو رہا ہے کیونکہ قلوب کو رق سے تعبیر کیا۔ مبرد نے کہا: رق سے مراد وہ جلد ہے جسے باریک کیا جاتا ہے تاکہ اس پر لکھا جائے۔ منشور کا معنی ہے جس کو پھیلایا جائے۔ جوہری نے صحاح میں اسی طرح کہا ہے کہا: رق جب فتحہ کے ساتھ ہو اسے کہتے ہیں جس میں لکھا جائے یہ باریک چمڑا ہوتا ہے؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ (الطور) الرق کا معنی بڑا کچھوا بھی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس کی جمع رقوق آتی ہے معنی وہی مراد ہے جو فراء نے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ہر صحیفہ رق ہوتا ہے کیونکہ اس کے حواشی رقیق ہوتے ہیں۔ اسی سے متلمس کا قول ہے:

فکأنّ ما من تقادم عهدها رَقٌّ أُتِيحَ كتابُها مسطور

جہاں تک رِق کا تعلق ہے اس سے مراد ملک ہے کہا جاتا ہے: عبد مرقوق۔ ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رَقّ فتحہ کے ساتھ ہو تو اس سے مشرق و مغرب کا درمیان ہے(4)۔

1۔ تفسیر عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 242 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 232

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 377 4۔ ایضاً

وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور دوسرے علماء نے کہا: یہ آسمان میں بیت اللہ شریف کے بالمقابل ایک گھر ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، پھر اس سے نکلتے ہیں اور دوبارہ نہیں آتے (1)۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ چھٹے آسمان میں گھر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ چوتھے آسمان میں ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت مالک بن صعصعہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مجھے چوتھے آسمان میں لایا گیا تو ہمارے لیے بیت معمور کو اٹھایا گیا یہ کعبہ شریف کے بالمقابل ہے اگر گرے تو کعبہ شریف پر گرے ہر روز اس میں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ جب اس سے نکلتے ہیں تو واپس نہیں آتے" (2)۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ قشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت بیان کی ہے: یہ آسمان دنیا میں ہے۔ ابوبکر انباری نے کہا: ابن کواء نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے پوچھا: بیت معمور کیا ہے؟ فرمایا: سات آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے بیت ہے جسے ضراح کہتے ہیں؛ صحاح میں اسی طرح ہے۔ ضراح ضمہ کے ساتھ آسمان میں ایک گھر ہے جسے بیت معمور کہتے ہیں (3)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس کے مکین فرشتے ہیں۔

مہدوی نے ان سے روایت نقل کی ہے: یہ عرش کے بالمقابل ہے۔

حدیث اسراء میں صحیح مسلم میں حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں: "پھر مجھے بیت معمور کی طرف بلند کیا گیا، میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: یہ بیت معمور ہے، ہر روز اس سے ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جب اس سے نکلتے ہیں تو آخر وقت تک اس کی طرف نہیں لوٹتے" (4)۔ اور حدیث ذکر کی۔

حضرت ثابت کی حدیث جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میرے پاس براق لایا گیا" اس میں ہے "ہمیں ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا حضرت جبریل امین نے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا تو پوچھا گیا: کون ہے؟ جواب دیا: جبریل۔ پوچھا گیا: تیرے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا: حضرت محمد ﷺ۔ پوچھا گیا: ان کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: ان کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے۔ ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھا وہ بیت معمور سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں وہ دوبارہ اس کی طرف لوٹ کر نہیں آتے" (5)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے پندرہ گھر ہیں سات آسمانوں میں اور سات زمینوں میں ہیں اور ایک کعبہ ہے وہ سب گھر کعبہ کے بالمقابل ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 23 — 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 377 — 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 186

4۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ الی السماوات، جلد 1، صفحہ 94 — 5۔ ایضاً

حضرت حسن بصری نے کہا: بیت معمور سے مراد کعبہ ہی ہے بیت معمور وہی ہے جسے لوگ آباد کرتے ہیں ہر سال سات ہزار افراد اس کی زیارت کرتے ہیں اگر لوگ یہ تعداد پوری کرنے سے عاجز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ ان کی تعداد کو پورا کر دیتا ہے۔ یہ پہلا گھر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں عبادت کے لیے متعین فرمایا ہے(1)۔

ربیع بن انس نے کہا: بیت معمور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں زمین میں کعبہ شریف کی جگہ پر تھا جب حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ آیا حضرت نوح علیہ السلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بیت معمور کا حج کریں تو لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور آپ کی نافرمانی کی جب پانی سرکش ہو گیا تو بیت معمور کو اٹھا لیا گیا تو اسے اس کے بالمقابل آسمان دنیا میں رکھ دیا گیا ہر روز ستر ہزار فرشتے اس کی زیارت کرتے ہیں پھر صور پھونکے جانے تک اس کی طرف نہیں لوٹتے۔ جہاں یہ بیت تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہیں ہی ٹھکانہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْــٴًـا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْقَآىٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ (الحج)

وَ السَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝ آسمان کو سقف کا نام دیا کیونکہ یہ زمین کے لیے اسی طرح ہے جس طرح کمرہ کے لیے چھت ہوتی ہے(2) اس کی وضاحت اس ارشاد میں ہے: وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا (الانبیاء: 32) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد عرش ہے جو جنت کی چھت ہے۔

وَ الْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝ مجاہد نے کہا: مراد روشن کیا گیا ہے(3)۔ حدیث میں آیا: "سمندر کو قیامت کے روز گرم کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ آگ ہو جائے گا"(4)۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی بھرا ہوا ہے۔ نحویوں نے نمر بن تولب کا شعر پڑھا:

اِذَا شَاءَ طَالَعَ مَسْجُوْرَةً تَرَى حَوْلَهَا النَّبْعَ وَالسَّاسَمَا(5)

جب وہ چاہتا ہے وہ بھرے ہوئے چشمے پر جو پہنچتا ہے تو اس چشمے کے ارد گرد نبع اور ساسم کے درخت اگے ہوئے دیکھے گا۔ شاعر پہاڑی بکرے کا ارادہ کرتا ہے جو ایسے چشمے پر وارد ہوتا ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ آگ سے بھرا ہوا ہو تو یہ پہلے قول کی طرح ہو گا۔ ضحاک، شمر بن عطیہ، محمد بن کعب اور اخفش نے اسی طرح کہا ہے کہ وہ گرم چولہے ہو گا جس طرح روشن تنور ہوتا ہے اسی معنی میں یہ قول کیا جاتا ہے کہ سجرت، اسجر۔ اس تاویل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ (التکویر) جب سمندروں کو روشن کیا جائے گا۔ یہ جملہ بولتے ہیں: سجرت التنور اسجرہ سجرا میں نے تنور کو گرم کیا۔

سعید بن مسیب نے کہا: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی سے فرمایا: جہنم کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: سمندر میں(6)۔ فرمایا: میں تجھے سچا خیال کرتا ہوں اور یہ آیت تلاوت کی: وَ الْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝، وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سمندر سے وضو نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ جہنم کا ایک طبق ہے۔ کعب نے کہا: قیامت کے روز

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 79 | 2۔ تفسیر عبد الرزاق، جلد 3، صفحہ 243 | 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 186
4۔ [illegible]، جلد 4، صفحہ 406 | 5۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 186 | 6۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 408

سمندر کو گرم کیا جائے گا تو جہنم کی آگ میں اضافہ ہو جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مسجور اس سمندر کو کہتے ہیں جس کا پانی ختم ہو چکا ہو؛ یہ ابو العالیہ کا قول ہے۔ عطیہ اور ذوالرمہ شاعر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ایک لونڈی پانی لانے کے لیے نکلی اس نے کہا: ان الحوض مسجور حوض خالی ہے۔ ابن ابی داؤد نے کہا: ذوالرمہ کی کوئی روایت نہیں مگر یہی روایت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مسجور کا معنی ہے جس کو کھول دیا گیا ہو، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ (الانفطار) زمین اس کا پانی چوس لے گی تو اس میں پانی نہیں رہے گا۔ ایک تیسرا قول ہے جو حضرت علی شیر خدا اور عکرمہ سے مروی ہے ابو مکین نے کہا: میں نے عکرمہ سے بحر مسجور کے بارے میں پوچھا تو جواب دیا عرش کے نیچے سمندر ہے۔ حضرت علی شیر خدا نے کہا: یہ عرش کے نیچے ہے جس میں گاڑھا پانی ہے (1)۔ اس کو بحر حیوان کہتے ہیں جس سے بندے نفخہ اولیٰ کے بعد چالیس دن تک نیچے اترتے رہیں گے تو وہ اپنی قبروں میں جنم لیں گے۔ ربیع بن انس نے کہا: مسجور سے مراد ہے جس میں میٹھا نمک کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

میں کہتا ہوں: فُجِّرَتْ کا معنی دونوں تاویلوں میں سے ایک میں اسی طرف لوٹتا ہے یعنی اس کا میٹھا اس کے نمکین میں ملا دیا جائے گا (2)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ مسجور کا معنی محبوس ہے۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ یہ جواب قسم ہے یعنی عذاب مشرکوں میں واقع ہونے والا ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے کہا: میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تا کہ میں بدر کے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کروں تو میں نے آپ کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور کی تلاوت کرتے ہوئے پایا یہاں تک کہ آپ نے یہ آیت تلاوت کی اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ گویا میرا دل پھٹ گیا تو میں عذاب کے نزول کے ڈر سے مسلمان ہو گیا مجھے یہ گمان تک نہ تھا کہ میں یہاں سے اٹھوں گا یہاں تک کہ مجھ پر عذاب نازل ہو جائے گا (3)۔

ہشام بن حسان نے کہا: میں اور مالک بن دینار حضرت حسن بصری کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے پاس ایک آدمی سورۂ طور کی تلاوت کر رہا تھا یہاں تک کہ وہ اس آیت تک پہنچا اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ تو حضرت حسن بصری رونے لگے اور آپ کے ساتھی بھی رونے لگے (4)۔ مالک بن دینار بے چین ہو گئے یہاں تک کہ ان پر غشی طاری ہو گئی۔ جب بکار کو منصب قضا دیا گیا تو دو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک پر قسم آتی تھی بکار دونوں میں صلح کی رغبت رکھتے تھے آپ اپنی جانب سے قسم کے بدلے اس کے خصم کو عوض دینا چاہتے تھے تو اس نے قسم کے سوا کسی چیز پر بھی انکار کر دیا تو آپ نے سورۂ طور کی ابتدائی آیات کے ساتھ اس سے قسم اٹھوائی یہاں تک کہ اسے فرمایا:

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 232
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 233
3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 186
4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 79

رب نے دی ہوں گی اور بچالیا ان کے رب نے انہیں دوزخ کے عذاب سے۔ (حکم ملے گا) کھاؤ پیو خوب مزے لے لے کر ان (نیکیوں) کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بچھے ہوئے پلنگوں پر اور ہم انہیں بیاہ دیں گے گوری گوری آہو چشموں سے"۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ۝ جب کفار کا حال ذکر کیا تو مومنین کا حال بھی ذکر کیا۔ فٰكِهِيْنَ کثیر پھلوں والے۔ یہ کہا جاتا ہے: رجل فاكه یعنی پھل والا جس طرح لابن اور تامر کہا جاتا ہے دودھ والا اور کھجور والا، یعنی یہ نسبت کا معنی دیتا ہے۔ شاعر نے کہا:

وغررتني وزعمت أنك لابن بالصيف و تامر(1)

تو نے مجھے دھوکہ دیا اور تو نے گمان کیا کہ تو موسم گرما میں دودھ والا اور کھجور والا ہے۔

یہاں بھی لابن اور تامر: ذو لبن اور ذو تمر کے معنی میں ہے۔ حضرت حسن بصری اور دوسرے قراء نے فكهين الف کے بغیر پڑھا ہے اس کا معنی ہے خوش و خرم (2)۔ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کے قول میں ہے: کہا جاتا ہے فكه الرجل فهو فكه جب اس کی طبیعت اچھی اور مزاح کی حالت ہو۔ فكه کا معنی انتہائی حریص اور متکبر بھی ہے۔ سورۃ الدخان میں اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ۝ یعنی ان کے رب نے انہیں جو عطا کیا۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا انہیں یہ بات کہی جائے گی: کھاؤ پیو۔ هَنِيْٓـًٔا مبارک جو جس میں مکروہ اور کدورت نہیں۔ زجاج نے کہا: جس طرف تم جا رہے ہو وہ تمہیں مبارک ہے۔ هَنِيْٓـًٔا کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے متعتم بنعيم الجنة امتاعا هنيئا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: كلوا واشربوا هنئتم هنيئا یہ مفعول مطلق ہے اور مصدر کی صفت بن رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هَنِيْٓـًٔا کا معنی ہے حلال۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں کوئی اذیت اور سر درد نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مبارک ہو تم کو موت نہیں آئے گی کیونکہ وہ چیز جو باقی نہ رہے یا انسان جس کے ساتھ باقی نہ رہے وہ طبیعت کو منغص کرنے والی اور غیر مبارک ہوتی ہے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ سرر، سریر کی جمع ہے کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے متكئين على نمارق سرر مصفوفة ابن اعرابی نے کہا: معنی ہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں یہاں تک کہ وہ ایک صف بن گئے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے "وہ آسمان میں اتنے اتنے طویل صف در صف ہیں جب بندہ ان پر بیٹھنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ نیچے ہو جاتے ہیں جب وہ اس پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنی حالت میں ہو جاتے ہیں"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ سونے کے پلنگ ہیں جن پر زبرجد، موتیوں اور یاقوت کے تاج ہیں اور ایک پلنگ مکہ مکرمہ اور ایلہ کے درمیان مسافت کے برابر ہے۔

وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ۝ یعنی ہم نے جنتیوں کو ان حوروں کا ساتھی بنا دیا ہے۔ یونس بن حبیب نے کہا: عرب کہتے ہیں زوجت امراۃ و تزوجت امراۃ۔ کلام عرب میں یہ نہیں تزوجت بامرأة۔ کہا: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 31
2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 80

یعنی ہم نے انہیں حورعین کا ساتھی بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے تعلق رکھتا ہے: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ (الصافات: 22) یہاں ازواج سے مراد ان کے ساتھی ہیں۔

فراء نے کہا: تزوجت بامرأۃ یہ ازد شنوءہ کی لغت ہے۔ حورعین کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِیًٴۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ۝ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ۝

"اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم کمی نہیں کریں گے ان کے عملوں (کی جزا) میں ذرہ بھر، ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا گروی ہوگا۔ اور ہم مسلسل دیتے رہیں گے انہیں ایسے میوے اور گوشت جو وہ پسند کریں گے۔ وہ جھپٹا جھپٹی کریں گے وہاں جام شراب پر (لیکن) اس میں نہ لغویت ہوگی اور نہ گناہ۔ اور (خدمت بجالانے کے لیے) چکر لگاتے ہوں گے ان کے گرد ان کے خادم (اپنے حسن کی باعث) یوں معلوم ہوگا گویا وہ چھپے موتی ہیں۔"

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ عام قراءت واتبعتھم ہے ہمزہ وصلی، تاء مشدد، عین متحرک اور تاء ساکن ہے۔ ابوعمرو نے وَاَتْبَعْنٰهُمْ پڑھا ہے ہمزہ قطعی، تاء اور عین ساکن اور نون ہے۔ وہ اسے الحقنا بہم پر قیاس کرتے ہیں تاکہ کلام ایک ہی طریقہ پر رہے۔ جہاں تک پہلے ذُرِّيَّتُهُمْ کا تعلق ہے تو ابن عامر، ابوعمرو اور یعقوب نے جمع کے ساتھ پڑھا ہے اور اسے تاء سے پڑھا ہے مگر ابوعمرو نے تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ مفعول ہے باقی نے اسے ضمہ دیا ہے باقی قراء نے اسے واحد کا صیغہ اور تاء کو ضمہ دیا ہے کیونکہ فاعل ہے۔ یہی زیادہ مشہور ہے جہاں تک دوسرے لفظ ذریۃ کا تعلق ہے تو نافع، ابن عامر، ابوعمرو اور یعقوب نے تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ جمع کا صیغہ ہے۔ باقی نے اسے واحد کا صیغہ اور تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے چار روایات مروی ہیں: (1) اللہ تعالیٰ مومن کی اولاد کو جنت میں اس کے درجہ میں بلند فرمائے گا اگرچہ اولاد درجہ میں اس سے کم ہو تاکہ ان کے ساتھ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور اس آیت کی تلاوت کی (1)۔ نحاس نے ناسخ و منسوخ میں اسے مرفوع نقل کیا ہے۔ سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ مومن کی اولاد کو جنت میں اس کے درجہ میں بلند فرمائے گا اگرچہ وہ اپنے عمل سے اس درجہ تک نہیں پہنچیں گے تاکہ ان کے ساتھ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو" (2)۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 234 (روایت ہاشمی)

2۔ مجمع الزوائد، کتاب التفسیر، جلد 7، صفحہ 246، حدیث 11370

ابو جعفر نے کہا: حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع ہو گی اس طرح ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود اپنی جانب سے یہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ اس امر کی خبر دینا ہے جو اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا ہے۔

زمخشری نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کے لیے مختلف قسم کے سرور جمع فرما دے گا ان کی ذاتوں میں سعادت رکھ دے گا، حور عین کے ساتھ ان کو جمع کرے گا، مومن بھائیوں کے ساتھ موانست پیدا کر دے گا اور ان کی اولاد اور ان کی نسل کو ان کے ساتھ جمع کر دے گا(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کے ساتھ اس کی چھوٹی اولاد کو لاحق کر دے گا جو ایمان لانے کی حد کو نہیں پہنچیں ہو گی(2)۔ یہ مہدوی کا قول ہے۔ ذریۃ کا لفظ چھوٹوں اور بڑوں سب پر بولا جاتا ہے۔ اگر تو یہاں ذریۃ سے مراد چھوٹی اولاد لے تو بِاِيْمَانٍ کا قول دونوں مفعولوں سے حال ہو گا تو تقدیر کلام یہ ہو گی بایمان من الآباء اگر ذریۃ سے مراد بڑی اولاد لے تو بِاِيْمَانٍ کا لفظ دونوں فاعلوں سے حال ہو گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک تیسرا قول بھی ہے کہ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد مہاجرین وانصار ہیں اور ذریۃ سے مراد تابعین ہیں۔ آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے: اگر آباء درجہ میں بلند ہوئے تو اللہ تعالیٰ بیٹوں کو بھی آباء تک بلند کر دے گا، اگر بیٹے بلند درجہ کے حامل ہوئے تو اللہ تعالیٰ آباء کو بیٹوں کی طرف بلند فرما دے گا(3)۔ آباء، ذریۃ کے اسم میں داخل ہوں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ (یٰسین)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: وہ اس روایت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ "جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو ان میں سے کوئی اپنے والدین، اپنی بیوی اور اپنی اولاد کے بارے میں پوچھے گا تو انہیں کہا جائے گا: انہوں نے وہ رتبہ نہیں پایا جو تو نے رتبہ پایا ہے۔ تو وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں نے اپنے لیے اور ان کے لیے عمل کیا تو ان کو اس کے ساتھ لاحق کرنے کا حکم دے دیا جائے گا"(4)۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے والدین کے بارے پوچھا جو دور جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے تو آپ نے مجھے فرمایا: "وہ دونوں آگ میں ہیں"۔ جب آپ نے میرے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے فرمایا: "اگر تو ان کے مکان کو دیکھے تو تو ان سے بغض رکھے گی"۔ پوچھا: یا رسول اللہ! میرا وہ بچہ جو آپ سے ہوا؟ فرمایا: "وہ جنت میں ہے"۔ پھر فرمایا: "مومن اور ان کی اولادیں جنت میں ہوں گی اور مشرک اور ان کی اولادیں آگ میں ہوں گی"۔ پھر اس آیت وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...... کی تلاوت کی۔

وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ یعنی ہم نے بیٹوں کے اعمال کے ثواب میں ان کی عمروں کے کم ہونے کی وجہ سے

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 411 | 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 189 | 3۔ ایضاً

4۔ مجمع الزوائد، کتاب الجہاد، دار الفکر، جلد 7، صفحہ 246، حدیث 11369

کوئی کمی نہیں کی اور بیٹوں کو ان کے آباء کے ساتھ لاحق کرنے کی وجہ سے ان کے آباء کے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی۔ اس تاویل کی صورت میں ھم ضمیر ذریۃ کے لیے ہوگا۔ ابن کثیر نے اسے وما لتناھم پڑھا ہے یعنی قراء نے اسے ہمزہ دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے: آلتناھم لا کے ساتھ ہے۔ ابن اعرابی نے کہا: التہ، یالتہ التا آتہ یولتہ ایلاتا، لاتہ یلیتہ لیتا سب کا معنی ہے جب اس میں کمی کرے۔

صحاح میں ہے: ولاتہ عن وجھہ یلوتہ ویلیتہ اسے سامنے سے روک دیا اور اسے پھیر دیا اسی طرح الاتہ عن وجھہ مجرد اور مزید دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: ما الاتہ من عملہ شیئا میں نے اس کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہ کی۔ یہ بھی مئنہ کی طرح ہے سورۂ حجرات میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ۝ ایک قول یہ کیا گیا: وہ جہنمیوں کی طرف لوٹے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جہنمی اپنے اعمال کے بدلے میں رکھ دیے گئے ہیں اور جنتی اپنی جنت کی طرف لوٹ جائیں گے؛ اسی وجہ سے فرمایا: **كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۝** (المدثر) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہر انسان کو عام ہے اسے اپنے عمل کے بدلے میں رہن رکھا گیا ہے۔ کسی کے عمل کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی جہاں تک عمل پر زیادتی کا مسئلہ ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل و احسان ہے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ حکم اس ذریت کے بارے میں ہو جو ایمان نہ لائی ہو وہ اپنے مومن آباء کے ساتھ لاحق نہیں کیے جائیں گے بلکہ وہ اپنے کفر کے بدلے میں گروی ہوں گے۔

وَأَمْدَدْنَاهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِمَّا يَشْتَهُونَ ۝ یعنی ہم ان کے اعمال سے بڑھ کر انہیں یہ کثیر چیزیں دیں گے یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے زیادتی ہوگی یعنی اللہ تعالیٰ انہیں وہ وہ چیزیں عطا فرمائے گا جس کے وہ مستحق نہ تھے۔

يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا وہ جام ایک دوسرے سے لیں گے وہ جنت میں مومن، ان کی بیویاں اور ان کے خادم ہوں گے۔ کاس شراب کا برتن ہے ہر وہ برتن جو شراب وغیرہ سے بھرا ہوا ہو، جب وہ خالی ہو تو اسے کاس نہیں کہتے۔ لغت میں تنازع اور کاس کی تائید اخطل کا شعر کرتا ہے:

وشارب مربح بالكأس نادمني لا بالحصور ولا فيها بسوار(1)

نازعته طيب الراح الشمول وقد صاح الدجاج وحانت وقعة الساري

بھرے ہوئے جام پینے والا میرا ندیم ہے تنگ دل بخیل میرا ندیم نہیں اور نہ شراب کو برتن میں چھوڑنے والا۔ میں نے عمدہ خوشبو والی شراب اس سے لی جب کہ مرغ اذان دے رہا تھا اور رات کے وقت چلنے والے کے گزرنے کا وقت ہو چکا تھا۔

امرؤ القیس نے کہا:

فلما تنازعنا الحديث

”جب ہم نے باہم گفتگو کی“۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 382

سورۂ صافات میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

لَّا لَغْوٌ فِيهَا یہاں ضمیر سے مراد کاس ہے یعنی ان میں کوئی لغو بات نہیں ہوگی۔

وَلَا تَأْثِيمٌ ﴿۲۳﴾ نہ اس میں کوئی گناہ ہوگا۔ تَأْثِيمٌ یہ اثم سے تفعیل کا وزن ہے یعنی وہ جام پینے والے کو گناہ گار نہیں بنائے گا کیونکہ یہ ان کے لیے مباح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيهَا میں ضمیر جنت کے لیے ہے۔ ابن عطاء نے کہا: اس مجلس میں کون سی بات ہو سکتی ہے جس کا محل جنت عدن ہو؟(1) اس کے ساقی فرشتے ہوں، ان کا مشروب اللہ کے ذکر پر ہو، ان کی خوشبو اور سلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو اور قوم اللہ تعالیٰ کی مہمان ہو۔ وَلَا تَأْثِيمٌ یعنی کوئی جھوٹ نہیں (2)۔ یہ حضرت ابن عباس بنیاد کا قول ہے۔

ضحاک نے کہا: وہ ایک دوسرے سے جھوٹ نہیں بولیں گے۔ ابن کثیر، ابن محیصن اور ابو عمرو نے کہا: لَا لَغْوَ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمَ یعنی آخر کو فتحہ دیا ہے باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ یہ بحث سورۂ بقرہ آیت 254 میں وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ میں گزر چکی ہے۔ الحمد للہ

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ ان کے خادم پھلوں، تحفوں، کھانوں اور مشروبات کے ساتھ گردش کناں ہوں گے اس کی دلیل یہ ہے: يُطَافُ عَلَيْهِم بِصِحَافٍ مِّن ذَهَبٍ (الزخرف: 71) يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ﴿﴾ (الصافات) کہا گیا: یہ غلمان ان کی وہ اولاد ہیں جو ان کی جوانی سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ غلام ہیں جو دوسروں کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ نے ان کا خادم بنایا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ غلمان ہیں جو جنت میں پیدا کیے گئے۔ کلبی نے کہا: وہ کبھی بھی بڑی عمر کے نہیں ہوں گے۔

كَأَنَّهُمْ وہ حسن اور سفیدی میں۔ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿۲۴﴾ صدف میں چھپے موتی ہیں۔ مکنون کا معنی محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ﴿﴾ (الواقعہ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد مشرکوں کی اولاد ہے وہ جنتیوں کے خادم ہوں گے۔ جنت میں کوئی تھکاوٹ، درد اور مشقت کی کوئی حاجت نہ ہوگی لیکن یہ خبر دی کہ وہ صدر درجہ کی نعمت میں ہوں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہ بنیاد سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان أدنى أهل الجنة منزلة من ينادي الخادم من خدمه فيجيبه ألف كلهم لبيك لبيك (3) جنتیوں میں کم درجہ کا جنتی جب اپنے خادموں میں سے کسی خادم کو بلائے گا تو ایک ہزار اس کو جواب دے گا سب کہیں گے: لبیک لبیک۔

حضرت عبد اللہ بن عمر بنیاد سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما من أحد من أهل الجنة إلا يسعى عليه ألف غلام وكل غلام على عمل ليس عليه صاحبه (4) ہر جنتی کے لیے ایک ہزار غلام بھاگ دوڑ کر رہا ہوگا ہر غلام اپنے کام میں مصروف ہوگا جس میں دوسرا مصروف نہیں ہوگا۔

1۔ تفسیر سمعی، جلد 2، صفحہ 281
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 363
3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 412
4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 238

ہے جس میں تکلف سے کام لیا گیا ہو۔ عموماً یہ لفظ جھوٹ میں استعمال کیا جاتا ہے یوں جملہ بولا جاتا ہے: تقولتنی مالم اقل واقولتنی مالم اقل یعنی تو نے مجھ پر دعویٰ کیا۔ تقول علیہ یعنی اس پر جھوٹ بولا۔ اقتال علیہ اپنی مرضی سے حکم چلایا۔ شاعر نے کہا:

ومنزلة في دار صدق وغبطة ... وما اقتال من حكم علي طبيب

صدق اور رشک کے گھر میں مقام و مرتبہ ہے طبیب نے میرے بارے میں اپنی مرضی سے حکم نہیں لگایا۔

پہلا ام انکار کے لیے اور دوسرا ام ایجاب کے لیے ہے یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح وہ کہتے ہیں بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿ بلکہ وہ انکار کرتے ہوئے اور تکبر کرتے ہوئے ایمان نہیں لاتے۔

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ انہیں چاہیے کہ اپنی جانب سے یہ کلام لے آئیں جو قرآن کے مشابہ ہو۔

إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿ اگر وہ اس بات میں سچے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ لی ہے۔ جحدری نے اسے فلیاتوا بحدیث مثلہ پڑھا ہے یعنی حدیث کا لفظ مضاف ہے مثلہ میں ضمیر نبی کریم ﷺ کے لیے ہے وہ حدیث جس سے مراد قرآن ہے اسے آپ ﷺ کی طرف مضاف کیا ہے کیونکہ اس کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ ایک جماعت کی قرأت کے مطابق ضمیر قرآن کے لیے ہے

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿ أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿ أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿

"کیا وہ پیدا ہو گئے بغیر کسی (خالق) کے یا خود ہی (اپنے) خالق ہیں؟ کیا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ یقین سے محروم ہیں۔ کیا ان کے قبضہ میں ہیں آپ کے رب کے خزانے یا انہوں نے ہر چیز پر تسلط جما لیا ہے۔ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے (جس پر چڑھ کر) وہ (غیبی باتیں) سن لیا کرتے تھے (اگر ایسا ہے) تو لے آئے ان میں سے سننے والا روشن دلیل۔ (ذرا لاؤ) کیا اللہ تعالیٰ کے لیے تو بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے (اے حبیب!) کیا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں تو وہ اس چٹی کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں۔ کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے وہ لکھتے جاتے ہیں کیا وہ (رسول خدا سے) کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں تو وہ کافر خود ہی اپنے فریب کا شکار ہو جائیں گے۔ کیا ان کا کوئی اور خدا ہے اللہ کے سوا پاک ہے

ہے یہی ابن محیصن، حمید، مجاہد، قنبل، ہشام اور ابوحیوہ کی قرأت ہے، صاد کو زاء کا اشمام حمزہ کی قرأت ہے اسی طرح سورۂ فاتحہ میں الصراط میں یہ گزر چکا ہے۔

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ کیا وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کیا آسمان تک بلند ہونے کے لیے ان کے پاس کوئی سیڑھی پائی جاتی ہے۔ يَسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ جس پر چڑھ کر وہ خبروں کو سنتے ہیں اور اس کی مدد سے علم غیب تک رسائی حاصل کرتے ہیں، جس طرح حضرت محمد ﷺ وحی کے ذریعہ وہاں تک جا پہنچے ہیں۔

فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ تو سننے والا واضح دلیل لے آئے کہ جس پر وہ واثق ہیں۔ سُلَّم یہ سلالم کا واحد ہے جس پر چڑھا جاتا ہے بعض اوقات غرز کو بھی یہ نام دیا جاتا ہے؛ زہیر نے کہا:

ومن هاب أسباب المنية يلقها ... ولو رام أسباب السماء بسلم

جو آدمی موت کے اسباب سے ڈرتا ہے وہ انہیں پا لیتا ہے اگرچہ وہ سیڑھی کے ذریعے آسمان تک کا قصد کرے۔

ابن مقبل نے کہا:

لا تحرز المرء أحجاء البلاد ولا ... يبنى له في السموات السلاليم

شہروں کے اطراف اس آدمی کی حفاظت نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے لیے آسمانوں میں سیڑھیاں بنائی جاتی ہیں۔

احجاء کا معنی اطراف ہے جس طرح ارجاء ہے ان دونوں کا واحد حجا اور رجا ہے۔ جو الف مقصورہ کے ساتھ ہے اس شعر کو أعناء البلاد کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے اعناء کا معنی بھی جوانب ہیں اس کا واحد عنو ہے۔ ابن الاعرابی نے کہا: اس کا واحد عنا ہے یہ بھی الف مقصورہ کے ساتھ ہے جاءنا أعناء من الناس ہمارے پاس لوگوں کی جماعتیں آئیں اس کا واحد عنو ہے۔

يَسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ اس میں فی، علیٰ کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ (طٰہٰ: 71) یہاں بھی فی، علیٰ کے معنی میں ہے؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہاں فی، باء کے معنی میں ہے۔ زجاج نے کہا: کیا ان کے لیے بھی حضرت جبرئیل کی طرح کوئی فرشتہ ہے جو حضرت جبرئیل نبی کریم ﷺ کے پاس وحی لاتے ہیں۔

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ انہیں شرمندہ کرنے اور تعجب کرنے کے لیے ان کی عقلوں کو بے وقوف قرار دیا یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرتے ہو جب کہ خود ان کے بارے میں نفرت کا اظہار کرتے ہو جس کی یہ حالت ہو اس کے بارے میں کوئی بعید نہیں کہ وہ بعث کا انکار کرے۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا کیا آپ ان سے رسالت کی تبلیغ پر اجر طلب کرتے ہیں فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ تو وہ جس کا آپ ان سے مطالبہ کرتے ہیں اس کے باعث وہ مشقت میں پڑے ہیں۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ وہ لوگوں کے لیے غیب میں سے وہ لکھتے ہیں جس کا وہ ارادہ کرتے ہیں۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 385

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان کے پاس ایسا علم ہے جو لوگوں سے غائب ہے یہاں تک کہ انہیں علم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت، جنت، جہنم اور بعث کے بارے میں جو کچھ خبر دی ہے وہ سب باطل ہے۔ قتادہ نے کہا: جب انہوں نے کہا نَتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ ہم اس کے بارے میں حادثات زمانہ کا انتظار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ یہاں تک کہ انہیں علم ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا وصال کب ہو گا اور ان کے معاملہ کا انجام کیا ہو گا (1)؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا ان کے پاس لوح محفوظ ہے تو اس میں جو کچھ ہے اسے وہ لکھتے ہیں اور اس میں جو کچھ ہے اس کی لوگوں کو خبر دیتے ہیں (2)؟ قتبی نے کہا: یَكْتُبُوْنَ کا معنی ہے وہ حکم دیتے ہیں (3)۔ کتاب کا معنی حکم (فیصلہ) ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام: 54) یعنی تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: والذی نفسی بیدہ لأحکمن بینکم بکتاب اللہ (4) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

اَمْ یُرِیْدُوْنَ كَیْدًا یعنی وہ دار الندوہ میں تیرے بارے میں خفیہ تدبیر کا ارادہ کرتے ہیں۔

فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِیْدُوْنَ ۝ یعنی جنہوں نے کفر کیا ان کے ساتھ خفیہ تدبیر کی جائے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ لَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (فاطر: 43) اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں بدر کے میدان میں قتل کیا گیا۔ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یعنی وہ اللہ پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ اللہ تعالیٰ کی اس امر سے پاکی بیان کیجئے کہ اس کا کوئی شریک ہو۔ خلیل نے کہا: سورۂ طور میں جہاں بھی ام کا لفظ ذکر کیا گیا ہے وہ کلمہ استفہام ہے حرف عطف نہیں (5)۔

وَ اِنْ یَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ۝ فَذَرْهُمْ حَتّٰى یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ فِیْهِ یُصْعَقُوْنَ ۝ یَوْمَ لَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ كَیْدُهُمْ شَیْئًا وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝

"اور اگر وہ دیکھیں آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا تو یہ (بدبخت) کہیں گے: یہ تو بادل ہے تہہ در تہہ۔ پس انہیں (یونہی) چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پا لیں جس میں وہ غش کھا کر گر پڑیں گے، جس روز ان کی فریب کاری ان کے کسی کام نہ آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی"۔

وَ اِنْ یَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا اللہ تعالیٰ نے یہ ان کے قول کے جواب میں ارشاد فرمایا: فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ (الشعراء: 187) اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا (الاسراء: 92) اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ یہ سلوک کرتا تو وہ ضرور کہتے۔ سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ۝ یہ ایسا بادل ہے جو تہہ در تہہ ہے جو ہم پر آ گرا ہے یہ آسمان نہیں، یہ معاملہ کا کمال ہے یا اس کا فعل ہے جس کو تقلید نے اپنی گرفت میں لے رکھا ہو۔ مشرکوں کی دو قسمیں ہیں۔ کسف یہ

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 239　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 193　　3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 239
4۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، حد الزنا، جلد 2، صفحہ 69　　5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 239

کِسْفَۃ کی جمع ہے جس کا معنی کسی شی کا ٹکڑا ہے۔ اخفش نے کہا: جس نے کِسْفًا پڑھا ہے اس نے اسے واحد بنایا ہے اور جس نے اسے کِسَفًا پڑھا ہے اس نے اسے جمع کا صیغہ قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو سورۂ سبحان وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

فَذَرْهُمْ یہ آیت سیف سے منسوخ ہے۔ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ۞ جمہور کی قرأت یا کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ابن عامر اور عاصم نے یا کے ضمہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: دونوں لغتیں ہیں صَعِق، صُعِق جس طرح سَعِد، سُعِد ہے۔ قتادہ نے کہا: جس روز وہ مریں گے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یوم بدر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد نفخہ اولیٰ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یوم قیامت ہے جس میں ایسا عذاب آئے گا جو ان کی عقلوں کو زائل کر دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ أصعقه اللہ سے ہو، ضمہ کے ساتھ يُصْعَقُوْنَ ہے۔

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا یعنی دنیا میں جو وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خفیہ تدبیریں کرتے رہے۔ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۞ اور نہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کی مدد کی جائے گی۔ يَوْمَ کا لفظ يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ۞ سے بدل ہے۔

وَ اِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۞ وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ۞ وَ مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ۞

"اور بے شک ظالموں کے لیے (ایک) عذاب (دنیا میں) اس سے پہلے بھی ہے لیکن ان میں سے اکثر (اس سے) بے خبر ہیں۔ اور آپ صبر فرمائیے اپنے رب کے حکم پر بے شک آپ ہماری نظروں میں ہیں اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے جب کہ آپ اٹھتے ہیں۔ اور رات کے کچھ حصہ میں اس کی تسبیح کیجئے اور اس وقت بھی جب ستارے ڈوب رہے ہوتے ہیں۔"

وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا یعنی جنہوں نے کفر کیا۔ عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی موت سے قبل انہیں عذاب ہوگا۔ ابن زید نے کہا: مراد دنیا کے مصائب ہیں جیسے درد، بیماریاں، آزمائشیں، مال اور اولاد کا چلا جانا۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد بھوک اور سات سال تک قحط سالی ہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد قتل ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: مراد عذاب قبر ہے؛ یہ حضرت براء بن عازب اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ دون کا معنی غیر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ایسا عذاب ہے جو آخرت کے عذاب سے خفیف ہوگا۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۞ لیکن اکثر یہ نہیں جانتے کہ ان پر عذاب نازل ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے اکثر نہیں جانتے کہ ان کا ٹھکانہ کیا ہوگا۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 386

2۔ ایضاً

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کیجئے جو اس نے آپ پر رسالت کی ذمہ داریاں ڈالیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس آزمائش پر صبر کیجئے جو اس نے آپ کی قوم کی جانب سے آپ کو آزمائش میں ڈالا۔ پھر آیت سیف کے ساتھ اسے منسوخ کر دیا گیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ہماری آنکھوں کے سامنے جو تم کہتے ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو ہم اسے دیکھتے اور سنتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ ہم تجھے دیکھتے ہیں، تیری حفاظت کرتے ہیں، سب کا معنی ایک ہی ہے: اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۝ (طٰہٰ) مراد میری حفاظت اور میری نگہبانی میں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُوْمِ ۝

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ حِيْنَ تَقُوْمُ کی تاویل میں اختلاف ہے۔ عون بن مالک، حضرت ابن مسعود، عطا، سعید بن جبیر، سفیان ثوری اور ابو الاحوص نے کہا: جب وہ اپنی مجلس سے اٹھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: سبحان الله وبحمده یا سبحانك اللهم وبحمدك۔ (1) اگر مجلس اچھی ہو تو اچھی تعریف میں اضافہ ہو جاتا ہے اگر کوئی اور معاملہ ہو تو یہ کلمات اس کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں۔ اس تاویل کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من جلس فی مجلس فكثر فيه لغطه فقال قبل أن يقوم من مجلسه سبحانك اللهم وبحمدك أشهد أن لا إله إلا أنت أستغفرك وأتوب إليك إلا غفر له ما كان فی مجلسه ذلك۔(2) جو آدمی کسی مجلس میں بیٹھا اس میں اس کی غلطیاں بہت زیادہ ہو گئیں اس نے مجلس سے اٹھنے سے قبل یہ کہا: سبحانك اللهم وبحمدك... وأتوب إليك تو اس مجلس میں سے اس سے جو غلطیاں ہو گئیں یہ الفاظ ان کا کفارہ بن جائیں گے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے(3)۔ اسی بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے: ہم ایک مجلس میں اٹھنے سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تسبیح سو دفعہ شمار کرتے تھے رب اغفر لی وتب علی إنك أنت التواب الغفور اے میرے رب! مجھے بخش دے میری توبہ قبول فرما تو تواب اور غفور ہے۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے(4)۔ محمد بن کعب، ضحاک اور ربیع نے کہا: معنی ہے جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے۔ ضحاک نے کہا: آپ کہتے الله أكبر كبيرا والحمد لله كثيرا وسبحان الله بكرة وأصيلا۔ طبری نے کہا: یہ تعبیر حقیقت سے بہت ہی بعید ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: حِيْنَ تَقُوْمُ تکبیر کے بعد تسبیح پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ تکبیر تو قیام کے بعد ہوتی ہے اور تسبیح اس کے بعد ہوتی ہے۔ مگر یہ

1۔ تفسیر معالم التنزیل، جلد 3، صفحہ 247　2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 240

3۔ جامع ترمذی، کتاب الدعوات، ما يقول إذا قام من مجلسه، جلد 2، صفحہ 181　4۔ ایضاً

کی نیند کا تعلق ہے اس میں کوئی اثر نہیں ہوتا یہ تو صرف رات کی نیند کے ساتھ متحقق ہوتا ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد نماز میں تسبیح ہے جب نماز کے لیے آپ اٹھتے۔ ماوردی نے کہا: اس تسبیح کے بارے میں دو قول ہیں (1) مراد سبحان ربی العظیم ہے جو رکوع میں پڑھی جاتی ہے اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہنا ہے (۲) نماز میں یہ کلمات کہنا ہے سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا اله غيرك۔

ابن عربی نے کہا: جس نے کہا اس سے مراد نماز کی تسبیح ہے تو یہ افضل ہے۔ اس میں آثار بہت زیادہ ہیں۔ سب سے عظیم وہ ہے جو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کہتے: وجہت وجهي (2) ہم نے اس کا اور اس کے غیر کا ذکر سورۃ الانعام میں کیا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے ایسی دعا سکھائیں جو میں نماز میں مانگا کروں فرمایا: کہو اللهم انی ظلمت نفسي ظلما كثيرا ولا يغفر الذنوب الا انت فاغفر لي مغفرة من عندك وارحمني انك انت الغفور الرحيم (3)

اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بے شمار ظلم کیے ہیں تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں مجھے اپنی بارگاہ سے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما تو غفور رحیم ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَ مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ۝ اس کے بارے میں گفتگو سورۂ ق میں مکمل گزر چکی ہے۔ جہاں تک اِدْبَارَ النُّجُوْمِ کا تعلق ہے تو حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن عباس، حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے مراد فجر کی دو رکعتیں ہیں۔ بعض علماء نے اس آیت کو اس قول پر بطور ندب محمول کیا ہے اور اسے پانچ نمازوں کے ساتھ منسوخ قرار دیا ہے۔ ضحاک اور ابن زید سے مروی ہے وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ سے مراد صبح کی نماز ہے: یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مراد نمازوں کے آخر میں تسبیحات ہیں۔ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ کے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ساتوں قراء نے مصدر پڑھا ہے جس طرح ہم نے سورۂ ق میں بیان کیا ہے۔ سالم بن ابی جعد اور محمد بن سمیفع نے أدبار فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اسی کی مثل یعقوب، سلام اور ایوب سے مروی ہے یہ دُبُر اور دُبْر کی جمع ہے۔ دُبُر الامر اور دُبْرہ سے مراد امر کا آخر ہے۔

امام ترمذی نے محمد بن فضیل کی حدیث، وہ رشدین بن کریب سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ سے مراد فجر سے پہلے دو رکعتیں اور ادبار السجود سے مراد مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں (4)۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے ہم اسے مرفوعاً صرف اس سند سے پہچانتے ہیں وہ محمد بن

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1733
2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، صلوٰۃ النبی و دعاءہ باللیل، جلد 1، صفحہ 263
3۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، الدعاء فی الصلوٰۃ، جلد 2، صفحہ 936
4۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ طور، جلد 2، صفحہ 160

فضیل، رشدین بن کریب سے۔ میں نے محمد بن اسماعیل سے پوچھا کہ محمد بن فضیل اور رشدین بن کریب میں سے کون زیادہ ثقہ ہے؟ فرمایا: میں ان دونوں میں سے کسی کے بارے میں یہ اقرار نہیں کرتا تاہم میرے نزدیک محمد راجح ہے۔ کہا: میں نے اس کے بارے میں عبد اللہ بن عبد الرحمٰن سے سوال کیا؟ فرمایا: میں ان دونوں کے بارے میں امر کے ثبوت کا اقرار نہیں کرتا ان دونوں میں رشدین بن کریب زیادہ راجح ہے۔ ترمذی نے کہا: جو ابو محمد قول کرے قول تو وہی ہے میرے نزدیک رشدین بن کریب، محمد سے زیادہ راجح اور مقدم ہے۔ رشدین نے حضرت ابن عباس بنیشنا کا زمانہ پایا اور آپ کو دیکھا۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ بنیشنا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض سے قبل دو رکعتوں کا جس قدر اہتمام کرتے اتنا اہتمام کسی نفل کا نہ کرتے تھے (1)۔ آپ بنیشنا سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا: رکعتا الفجر خیر من الدنیا و ما فیہا (2) فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ سورۂ طور کی تفسیر مکمل ہوئی۔ الحمد للہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، استحباب رکعتی سنۃ الفجر، جلد 1، صفحہ 251

2۔ جامع ترمذی، کتاب الصلوٰت، ما جاء فی رکعتی الفجر من الفضل، جلد 1، صفحہ 56

سورۃ النجم

آیاتہا ۶۲ | سُوۡرَةُ النَّجۡمِ مَكِّيَّةٌ ۲۳ | رکوعاتہا ۳

یہ مکی ہے، اس کی باسٹھ آیات ہیں۔

حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا اور حضرت جابر کے نزدیک یہ تمام کی تمام مکی ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: مگر ایک آیت مدنی ہے وہ ہے اَلَّذِيۡنَ يَجۡتَنِبُوۡنَ كَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَالۡفَوَاحِشَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی آیات باسٹھ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ تمام سورت مدنی ہے جب کہ صحیح یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ یہ وہ پہلی سورت ہے جس کا اعلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں کیا۔ بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا (1)۔ آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور انسانوں نے بھی سجدہ کیا۔ حضرت عبداللہ سے یہ روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم پڑھی اور اس کے لیے سجدہ کیا تو قوم میں سے کوئی آدمی نہ بچا مگر سب نے سجدہ کیا (2)۔ لوگوں میں سے ایک نے کنکریوں کی ایک مٹھی لی یا مٹی کی مٹھی لی اور اسے اپنے چہرے کی طرف اٹھایا اور کہا: ''مجھے یہی کافی ہے''۔ حضرت عبداللہ نے کہا: میں نے اسے بعد میں دیکھا اسے کافر کی حیثیت میں قتل کر دیا گیا ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ جس آدمی نے یہ کیا تھا اسے امیہ بن خلف کہتے۔

صحیحین میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ النجم سنائی تو آپ نے سجدہ نہ کیا (3)۔ اس بارے میں بحث سورۂ اعراف کے آخر میں گزر چکی ہے۔ الحمدللہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰى ۙ‏ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوٰى ۚ‏ وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى ؕ‏ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى ۙ‏ عَلَّمَهٗ شَدِيۡدُ الۡقُوٰى ۙ‏ ذُوۡ مِرَّةٍ ؕ فَاسۡتَوٰى ۙ‏ وَهُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰى ؕ‏ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ‏ فَكَانَ قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡ اَدۡنٰى ۚ‏ فَاَوۡحٰۤى اِلٰى عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰى ؕ‏

''قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اترا تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔ نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔ انہیں سکھایا ہے زبردست

1۔ صحیح بخاری، باب سجود القرآن، سجود المسلمین مع المشرکین، جلد 1، صفحہ 146

2۔ ایضاً، سجدۃ النجم، جلد 1، صفحہ 146

3۔ ایضاً، باب سجود القرآن، من قرأ السجدۃ ولم یسجد، جلد 1، صفحہ 146

قوتوں والے نے بڑے دانا نے پھر اس نے (بلندیوں کا) قصد کیا اور وہ سب سے اونچے کنارے پر تھا۔ پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف جو وحی کی"۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ○ حضرت ابن عباس، مجاہد اور مجاہد نے کہا: وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى سے مراد ہے ثریا جب فجر کے ساتھ غروب ہو جائے۔ عرب ثریا کو نجم کہتے ہیں اگرچہ تعداد میں یہ نجوم ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ سات ستارے ہیں ان میں سے چھ ظاہر ہیں اور ایک مخفی ہے جس کے ساتھ لوگ اپنی نظروں کا امتحان کرتے ہیں۔ قاضی عیاض کی "الشفا" میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ثریا میں گیارہ ستارے دیکھا کرتے تھے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: معنی ہے قسم ہے قرآن کی جب وہ نازل ہوا (1)۔ کیونکہ وہ آیات در آیات نازل ہوتا تھا یہ فراء کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: مراد تمام ستارے ہیں جب وہ غروب ہوں۔ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی قسم اٹھائی جب وہ غائب ہوں۔ لفظ واحد کے ساتھ تعبیر کرنا ممتنع نہیں اس کا معنی جمع کا ہے۔ ایک شاعر نے کہا:

فَبَاتَتْ تَعُدُّ النَّجْمَ فِي مُسْتَحِيرَةٍ (2)

اس نے حیرت کے عالم میں ستارے گنتے ہوئے رات گزاری۔

عمر بن ابی ربیعہ نے کہا:

أَحْسَنُ النَّجْمِ فِي السَّمَاءِ الثُّرَيَّا وَالثُّرَيَّا فِي الْأَرْضِ زَيْنُ النِّسَاءِ

آسمان میں سب سے خوبصورت ستارہ ثریا ہے۔ زمین میں ثریا عورتوں کی زینت ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: نجم سے مراد ستارے ہیں جب قیامت کے روز وہ گر پڑیں گے (3)۔ سدی نے کہا: یہاں نجم سے مراد زہرہ ہے کیونکہ عربوں میں سے کچھ لوگ اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ ستارے ہیں جن کے ساتھ شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کرنے کا ارادہ کیا تو آپ کی ولادت سے قبل ستارے بکثرت گرنے لگے، اس وجہ سے بہت سے عرب ڈر گئے وہ اپنے کاہن کے پاس گئے جو نابینا تھے وہ انہیں حوادثات کی خبر دیتا تھا لوگوں نے اس سے ستاروں کے ٹوٹنے کے بارے میں پوچھا: اس نے کہا: بارہ برجوں کی طرف دیکھو اگر ان میں سے کوئی ایک ٹوٹ گرے تو یہ دنیا کی تباہی کی علامت ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ٹوٹے تو دنیا میں کوئی عظیم حادثہ رونما ہوگا اس کا علم حاصل کرو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی یہی وہ عظیم امر تھا جس کا انہیں احساس ہوا تو اللہ تعالیٰ نے وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى کو نازل فرمایا وہ ستارہ جو گرا وہ اس نبوت کی وجہ سے تھا جو اس وقت رونما ہونے والی تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اس سے ایسی نباتات ہے جس کا تنا نہ ہو۔ هَوٰى یعنی وہ زمین پر گر گئی۔ جعفر بن محمد بن علی بن حسین نے کہا: النَّجْمِ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ إِذَا هَوٰى جب معراج کی رات آپ آسمان سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 195 — 2۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 51 — 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 82

اترے۔ حضرت عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ عتبہ بن ابی لہب جس کے عقد میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی تھی (1)۔ اس نے شام کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا اس نے کہا: میں (حضرت) محمد ﷺ کے پاس جاؤں گا اور ضرور انہیں اذیت دوں گا وہ آپ کے پاس آیا اور کہا: اے محمد! وہ والنجم اذا ھوی اور الذی دنا فتدلی کا انکار کرنے والا ہے پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر لعاب پھینکا العیاذ باللہ۔ آپ ﷺ کی بیٹی آپ ﷺ کی طرف لوٹا دی اور اسے طلاق دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: "اے اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط کر دے"۔ ابو طالب موجود تھے غم کی زیادتی کی وجہ سے مرجھا گیا اور کہا: اے بھتیجے! اس دعوت نے تجھے کیا فائدہ دیا؟ عتبہ اپنے باپ کے پاس آیا اور اسے سارا واقعہ بتایا پھر وہ قافلہ شام کی طرف چلا۔ انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ ایک راہب اپنے کلیسا سے ان پر جھانکا اس نے کہا: یہ علاقہ درندوں کا ہے۔ ابو لہب نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اے جماعت قریش! اس رات ہماری مدد کرنا۔ میں (حضرت) محمد (ﷺ) کی دعا کی وجہ سے اپنے بیٹے کے بارے میں ڈر رہا ہوں۔ انہوں نے اپنے اونٹوں کو جمع کیا اور اپنے گرد بٹھا لیا اور عتبہ کا محاصرہ کر لیا۔ شیر ان کے منہ سونگھتا ہوا آیا یہاں تک کہ عتبہ پر وار کیا اور اسے قتل کر دیا؛ حضرت حسان نے یہ شعر کہا:

مَنْ یَرْجِعِ العامَ اِلیٰ اَھْلِہٖ فَمَا اَکِیْلُ السَّبُعِ بِالرَّاجِعِ

اس سال کون اپنے گھر کی طرف لوٹے گا درندے کا کھایا ہوا واپس نہیں لوٹتا۔

نجم کا اصل معنی طلوع کرنا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: نجم السن دانت نکل آیا۔ نجم فلان ببلاد کذا فلاں نے فلاں علاقہ میں بادشاہ کے خلاف بغاوت کی۔ الھوی کا معنی نازل ہونا اور گرنا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: ھوی یھوی ھویا جس طرح مضی یمضی مضیا ہے؛ شاعر نے کہا:

بَیْنَمَا نَحْنُ بِالبَلَاکِثِ فَالْقَا عِ سِرَاعًا وَالْعِیْسُ تَھْوِیْ ھُوِیًّا

اس اثنا میں کہ ہم بلاکث اور قاع میں تیزی سے گزر رہے تھے جب کہ عمدہ اونٹ اتر رہے تھے۔

اصمعی نے کہا: ھوی، یھوی ھویا جب بلندی سے پستی کی طرف گرے اسی طرح انھوی الی اسفل ہے جب وہ گزر جائے۔ ھوی اور انھوی دو لغتیں ہیں جن کا معنی ایک ہے شاعر نے دونوں کو اس شعر میں جمع کر دیا ہے:

وَکَمْ مَنْزِلٍ لَوْلَایَ طِحْتَ کَمَا ھَوٰی بِاَجْرَامِہٖ مِنْ قُلَّۃِ النِّیْقِ مُنْھَوِیْ

کتنی ہی منزلیں ہیں اگر میں نہ ہوتا تو تو سرگرداں رہتا جس طرح پہاڑ کی چوٹی سے گرنے والی چیز نیچے گرتی ہے۔

محبت میں کہا جاتا ہے: ھوی یھوی ھوی جب وہ محبت کرے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ یہ جواب قسم ہے معنی ہے حضرت محمد ﷺ حق سے گمراہ نہ ہوئے اور نہ اس سے پھرے۔ وَمَا غَوٰی غی رشد کی ضد ہے معنی ہے گمراہ نہ ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے باطل گفتگو نہ کی۔ ایک قول یہ کیا گیا: جو طلب کیا اس میں خائب و خاسر نہ ہوئے۔ غی کا معنی خسارہ ہے۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 417

شاعر نے کہا:

فَمَنْ یَلْقَ خَیْرًا یَحْمَدِ النَّاسُ أَمْرَهُ ۔۔۔ وَمَنْ یَغْوِ لَا یَعْدَمْ عَلَى الْغَیِّ لَائِمًا (1)

جو مال پاتا ہے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں اور جو خسارہ اٹھاتا ہے تو وہ ملامت کرنے والے سے خالی نہیں ہوتا۔

مراد ہے جو دنیا کی طلب میں ناکام رہتا ہے لوگ اس کو ملامت کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی جائز ہے کہ آپ کو خبر دی جا رہی ہو جو وحی کے بعد ہوتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ عمومی طور پر آپ کے احوال کی خبر دی جا رہی ہو یعنی آپ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر کاربند رہے ہیں سورۂ شوریٰ آیت 52 میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ کے ضمن میں جو بیان کیا ہے اس اعتبار سے یہ معنی صحیح ہے۔

وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۙ

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی قتادہ نے کہا: آپ قرآن اپنی خواہش سے بیان نہیں کرتے (2) "یہ تو وحی ہے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے"۔ ایک قول یہ کیا گیا: عَنِ الْهَوٰی، بالهوی کے معنی میں ہے؛ یہ ابو عبیدہ نے قول کیا ہے؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا (الفرقان) یہاں بھی بہ، عنه کے معنی میں ہے۔ نحاس نے کہا: قتادہ کا قول اولیٰ ہے اور عن اپنے معنی میں ہے یعنی آپ کا نطق (بولنا) اپنی رائے سے نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی ہوتی ہے کیونکہ اس کے بعد ہے اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔

مسئلہ نمبر 2۔ جو علماء امور میں رسول اللہ ﷺ سے اجتہاد کو جائز نہیں سمجھتے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اس آیت میں یہ دلالت بھی موجود ہے کہ سنت عمل میں نازل شدہ وحی کی طرح ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں اس کے بارے میں حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔ سجستانی نے کہا: اگر تو چاہے تو اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کو مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ سے بدل بنا دے۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ ان خفیفہ ما کا بدل نہیں ہوتا اس پر دلیل یہ ہے کہ تو یہ نہیں کہتا: واللہ ما قمت ان انا لقاعد۔

عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی حضرت حسن بصری کے علاوہ تمام مفسرین کی رائے یہ ہے کہ شَدِیْدُ الْقُوٰی سے مراد حضرت جبریل امین ہیں (3) کیونکہ ان کی رائے ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (4)۔ حضرت حسن بصری کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے فرمان ذُوْ مِرَّةٍ پر کلام مکمل ہو جائے گی۔ اس کا معنی ہے قوت والا اور قوت اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اس کا اصل معنی اس کو مضبوطی سے بٹنا ہے گویا اسے لگاتار بٹا گیا یہاں تک کہ اس کا کھولنا مشکل ہو گیا۔ پھر فرمایا فَاسْتَوٰی اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یعنی عرش پر متمکن ہوا؛ یہ معنی حضرت حسن بصری سے مروی ہے۔ ربیع بن انس اور فراء نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 390
2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 391
3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 196
4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 82

فَاسْتَوٰى ۙ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۙ یعنی حضرت جبریل اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم متمکن ہوئے۔ یہ اس صورت کے بعد ہوگا جب ضمیر مرفوع پر ہو۔ سے عطف کیا جائے اکثر عرب جب اس قسم کے عطف کا ارادہ کرتے ہیں تو معطوف علیہ کی ضمیر کو ظاہر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: استوی ھو وفلان وہ بہت کم ہی یہ کہتے ہیں استوی و فلان، فراء نے یہ شعر پڑھا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ النَّبْعَ يَصْلُبُ عُودُهُ وَلَا يَسْتَوِي وَالْخِرْوَعُ الْمُتَقَصِّفُ(1)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ نبع کے درخت کی لکڑی سخت ہوتی ہے وہ اور ٹوٹنے والی خروع (جڑی بوٹی) برابر نہیں ہوتی۔

اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ (النمل: 67) معنی ہے کیا اس وقت جب ہم اور ہمارے آباء مٹی ہو جائیں گے۔ آیت کا معنی ہے حضرت جبریل امین اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات افق اعلیٰ میں متمکن ہوئے۔ اس نے ضمیر پر عطف کو جائز قرار دیا ہے تاکہ تکرار نہ ہو۔ زجاج نے اس کا انکار کیا ہے مگر ضرورت شعری میں جائز کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جبریل امین افق اعلیٰ پر متمکن ہوئے۔ یہ زیادہ بہتر ہے۔ جب استواء کرنے والے حضرت جبریل امین ہیں تو ذُوْمِرَّةٍ کا معنی ہوگا وہ اچھی گفتگو کرنے والے ہیں (2)؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اچھی طویل صورت والے ہیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے صحیح جسم والے، وہ آفات سے محفوظ ہیں، اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لا تحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی۔ (4)

غنی اور صحیح اعضاء والے قوی آدمی کے لیے صدقہ لینا حلال نہیں۔ امراء القیس نے کہا:

كُنْتُ فِيهِمْ أَبَدًا ذَا حِيلَةٍ مُحْكَمَ الْمِرَّةِ مَأْمُونَ الْعُقَدِ

میں ان میں ہمیشہ تدبیر والا رہا ہوں مضبوط اعضاء والا اور محفوظ معدوں والا۔

یہ قول کیا گیا ہے: ذُوْمِرَّةٍ قوت والا۔ کلبی نے کہا: حضرت جبریل امین کی قوت کا عالم یہ ہے کہ انہوں نے قوم لوط کے شہر کو پست ترین زمین سے اکھیڑا اسے اپنے ایک پر پر اٹھایا یہاں تک آسمان تک لے گئے یہاں تک کہ آسمان والوں نے ان کے کتوں کی آواز اور مرغوں کی چیخ کو سنا پھر انہیں الٹا دیا۔ ان کی قوت کا مظہر یہ بھی ہے کہ انہوں نے ابلیس کو ارض مقدسہ کی ایک گھاٹی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا اپنے ایک پر سے اسے ہوا دی اور اسے ہند کے دور دراز پہاڑ میں پھینک دیا۔ ان کی قوت کا مظہر یہ بھی ہے قوم ثمود میں چیخ ماری جن کی تعداد بہت زیادہ تھی تو صبح کے وقت وہ سب اوندھے منہ گرے ہوئے مرے پڑے تھے۔ ان کی قوت کا اظہار اس طرح بھی ہوا کہ وہ انبیاء پر آسمان سے اترتے پھر اس کی طرف چڑھتے اور پلک جھپکنے کی دیر نہ لگتی۔ قطرب نے کہا: عرب ہر ایسے شخص کے بارے میں ذُوْمِرَّةٍ کا لفظ استعمال کرتے ہیں جو عظیم رائے اور اعلیٰ عقل رکھتا ہو۔ شاعر نے کہا:

قَدْ كُنْتُ قَبْلَ لِقَائِكُمْ ذَا مِرَّةٍ عِنْدِي لِكُلِّ مُخَاصِمٍ مِيزَانُهُ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 197 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 242 3۔ ایضاً

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، من یعطی من الصدقة وحد الغنی، جلد 1، صفحہ 231

تمہاری ملاقات سے پہلے میں دانشمند تھا میرے پاس ہر جھگڑا کرنے والے کے لیے ترازو تھا۔

اس کی عظیم رائے اور اعلیٰ دانش سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کی طرف وحی پر انہیں امین بنایا۔ جوہری نے کہا: مِرّۃ چار طبائع میں سے ایک ہے۔ مِرّہ کا معنی قوت اور عقل کی پختگی ہے رجل مریر ایسا آدمی جو قوی ہو اور دانشمند ہو۔ شاعر نے کہا:

تَرَى الرَّجُلَ النَّحِيفَ فَتَزْدَرِيهِ وَحَشْوُ ثِيَابِهِ أَسَدٌ مَرِيرُ

تو کمزور آدمی کو دیکھتا ہے تو تو اسے بے عزت کر دیتا ہے جب کہ اس کے کپڑوں کے اندر قوی شیر ہے۔

مجاہد اور قتادہ نے کہا: ذُوْ مِرَّةٍ کا معنی ہے قوت والا (1)۔ اسی معنی میں خفاف بن ندبہ کا قول ہے:

إِنِّي امْرُؤٌ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَبْقِنِي (2)

میں ایسا آدمی ہوں جو بڑا قوی ہے تو مجھے باقی رکھ۔

قوت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور مخلوق کی صفات میں سے بھی ہے۔ فَاسْتَوٰی اس کا فاعل حضرت جبریل امین ہیں جس طرح ہم نے بیان کیا ہے یعنی آسمان میں وہ مکان کی طرف بلند ہوئے بعد اس کے کہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو علم پہنچایا؛ یہ سعید بن مسیب اور ابن جبیر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ اس صورت میں کھڑے ہوئے جس صورت پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیدا کیا، کیونکہ وہ نبی کریم کے پاس انسانوں کی صورت میں آتے تھے جس طرح انبیاء کے پاس انسانی صورت میں آتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا کہ وہ اپنی وہ صورت دکھائیں جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے تو حضرت جبریل امین نے دو دفعہ آپ کو اپنی صورت دکھائی ایک دفعہ زمین میں اور ایک دفعہ آسمان میں۔ جہاں تک زمین کا تعلق ہے وہ افق اعلیٰ میں صورت دکھائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تھے جبریل امین نے مشرق سے طلوع کیا تو مغرب تک زمین کو بھر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو کر زمین پر آ رہے تو حضرت جبریل امین انسانوں کی صورت میں آپ کے پاس آئے انہیں سینہ سے لگایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے غبار صاف کرنے لگے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوا فرمایا: "اے جبریل امین! میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اس صورت پر پیدا کیا ہے" (3)۔ حضرت جبریل امین نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے پروں میں سے صرف دو پر پھیلائے ہیں میرے چھ سو پر ہیں ہر ایک پر کی وسعت مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ فرمایا: "یہ تو بہت بڑی چیز ہے"۔ حضرت جبریل امین نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو مخلوق پیدا کی ہے میری حیثیت اس کے مقابلہ میں بڑی چھوٹی سی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیل کو پیدا فرمایا ہے اس کے چھ سو پر ہیں اس کا ہر ایک پر اتنا بڑا ہے جتنے بڑے میرے سب پر ہیں۔ بعض اوقات وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ وہ چھوٹی چڑیا کے برابر ہو جاتا ہے؛ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝ (التکویر) جہاں تک آسمان میں دیکھنے کا تعلق ہے تو آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا اس صورت پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 391 2۔ ایضاً 3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 242

کے علاوہ کسی نبی نے انہیں نہ دیکھا۔

ایک یہ قول بھی ہے کہ قرآن آپ کے سینہ میں قرار پکڑ گیا۔ اس تعبیر کی دو صورتیں ہیں (1) حضرت جبرئیل امین کے سینہ میں وہ قرار پکڑ گیا جب وہ اسے لے کر اترے (2) حضرت محمد ﷺ کے سینہ میں ثابت ہو گیا جب یہ آپ ﷺ پر نازل ہوا۔

ایک چوتھا قول بھی ہے: یعنی حضرت محمد ﷺ نے اعتدال کی روایت اپنائی۔ اس تعبیر کی دو صورتیں ہیں (1) پہلی قوت میں معتدل ہوئے (2) اپنی رسالت میں کامل ہوئے۔ ماوردی نے ان دونوں کا ذکر کیا ہے(1)۔

میں کہتا ہوں: پہلی صورت میں کلام کی تکمیل ذُوْ مِرَّۃٍ پر ہوگی اور دوسری صورت میں شَدِیْدُ الْقُوٰی پر تکمیل ہوگی۔

ایک پانچواں قول بھی ہے: اس کا معنی ہے بلند ہوا۔ اس تعبیر کی صورت میں دو قسمیں ہیں۔

(1) جبرئیل امین اپنے مکان کی طرف بلند ہوئے جس طرح ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔

(2) نبی کریم ﷺ معراج کے ساتھ بلند ہوئے۔

چھٹا قول ہے: اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہوا، یہ حضرت حسن بصری کے قول کے مطابق ہے۔ یہ سورۂ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ۝ یہ جملہ حال ہے معنی ہے فاستوی عالیا یعنی حضرت جبرئیل امین اپنی صورت پر بلند ہوتے ہوئے ٹھہرے ہوئے جبکہ نبی کریم ﷺ انہیں اس سے قبل نہیں دیکھتے تھے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے ان کا مطالبہ کیا تھا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ افق سے مراد آسمان کی جانب ہے اس کی جمع آفاق ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے سورج آتا ہے(2)۔ سفیان نے بھی یہی کہا ہے۔ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے۔ مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے کہا جاتا ہے: اُفْق اور اُفُق جس طرح عُسْر اور عُسُر۔ سورۂ حم سجدہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ فرس اُفُق یعنی عمدہ گھوڑا۔ مونث بھی اسی طرح ہے: شاعر نے کہا:

اُرَجِّلُ لِمَّتِیْ وَ اَجُرُّ ذَیْلِیْ وَتَحْمِلُ شِکَّتِیْ اُفُقٌ کُمَیْتُ

میں اپنی مینڈھیوں میں کنگھی کرتا ہوں، دامن گھسیٹتا ہوں اور میرے اسلحہ کو عمدہ گھوڑا اٹھائے ہوئے ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ھو ضمیر سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں یعنی لیلۃ المعراج کو آپ افق مبین پر تھے۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ یہ نہیں کہا جاتا استوی ھو و فلان یہاں تک کہ کہا جائے: استوی و فلان، مگر ضرورت شعری میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یعنی جبرئیل امین بلند ہوئے اور جبرئیل امین اپنی اصل صورت میں افق اعلیٰ پر تھے کیونکہ جب وہ وحی لے کر اترتے تو نبی کریم ﷺ کے لیے انسانی صورت اختیار کرتے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ پسند کیا کہ اسے اصل صورت میں دیکھیں تو جبرئیل امین مشرق سے ظاہر ہوئے اور افق کو بھر دیا۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ یعنی افق اعلیٰ میں ظاہر ہونے کے بعد حضرت جبرئیل امین زمین کے قریب ہوئے فَتَدَلّٰی یعنی وحی کے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 392
2۔ ایضاً

ساتھ نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئے مطلب یہ ہے جب نبی کریم ﷺ نے اس کی عظمت کو دیکھا جو دیکھا اور اس وجہ سے آپ خوفزدہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو آدمی کی صورت میں لوٹا دیا جب وہ وحی کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے قریب ہوئے یہی اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝ کا مقصود ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کی طرف وحی کی اور جبرئیل امین قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ کے مقام پر فائز تھے (1)؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، قتادہ اور ربیع وغیرہ کا نقطہ نظر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ کا مفہوم یہ ہے اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کے قریب ہوا۔ حضرت انس بن مالک نے نبی کریم ﷺ سے اس کی مثل روایت نقل کی ہے۔ معنی ہوگا اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا حکم قریب ہوا۔ التدلی کا اصل معنی ہے کسی چیز کی طرف اترنا یہاں تک کہ اس کے قریب ہو جائے تو اسے قرب کی جگہ رکھا گیا ہے لبید نے کہا:

فَتَدَلَّيْتُ عَلَيْهِ قَافِلًا — میں لوٹتے ہوئے اس پر اترا۔

فراء اس طرف گیا ہے کہ فَتَدَلّٰى میں فاء واؤ کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہے پھر جبرئیل امین علیہ السلام نیچے اترے اور قریب ہوئے لیکن یہ جائز ہوتا ہے جب دونوں فعلوں کا معنی ایک ہو یا ایک کی طرح ہو تو جس کو چاہو اسے پہلے رکھ لو۔ تو کہہ سکتا ہے: قد دنا فقرب اور قرب فدنا، شتمنی فاساء اور اساء فشتمنی کیونکہ گالی دینا اور برا سلوک کرنا ایک ہی معنی میں ہے؛ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (القمر) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے معنی ہے چاند پھٹ گیا اور قیامت قریب آگئی۔ جرجانی نے کہا: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی تدلی فدنا کیونکہ نیچے اترنا قریب ہونے کا سبب ہے۔ ابن انباری نے کہا: یعنی پھر جبرئیل امین آسمان سے اترے اور حضرت محمد ﷺ کے قریب ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معراج کی رات رفرف حضرت محمد ﷺ کی طرف اترا آپ اس پر بیٹھے پھر اسے بلند کیا گیا تو آپ اپنے رب کے قریب ہو گئے۔ اس کا ذکر ابھی آئے گا۔

جس نے یہ کہا معنی ہے جبرئیل امین بلند ہوئے جب کہ حضرت محمد ﷺ افق اعلیٰ پر تھے وہ ضرور کہے گا پھر حضرت محمد ﷺ اپنے رب کے قریب ہوئے (2)۔ یہ کرامت کا قرب ہے تو نبی کریم ﷺ سجدہ ریز ہو گئے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ قشیری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے تدلی اصل میں تدلل تھا جس طرح تیرا یہ قول ہے تقضی اصل میں تقضض ہے یہ بعید ہے کیونکہ دلال محبوبیت کی صفت میں پسندیدہ نہیں۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ یعنی حضرت محمد ﷺ اپنے رب سے یا جبرئیل امین سے دو عربی کمانوں کے مقدار پر تھے؛ یہ حضرت ابن عباس، عطا اور فراء کا نقطہ نظر ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر تو یہ سوال کرے فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ کی تقدیر کیسے درست ہوگی (3)؟ میں کہوں گا: اس کی تقدیر یہ ہوگی فکان مقدار مسافة قربه مثل قاب قوسین درمیان سے اس

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 84   2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 243   3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 420

مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے، جس طرح ابو علی نے اپنے قول میں کہا:

وَقَدْ جَعَلَتْنِي مِنْ حَزِيمَةَ إِصْبَعَا

اس نے مجھے حزیمہ سے ایک انگلی برابر مسافت پر کر چھوڑا۔ یہ بھی اصل میں ذا مقدار مسافۃ اصبع تھا۔

او ادنیٰ یعنی تمہارے اندازے کے مطابق، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَوْ یَزِیْدُوْنَ۔ صحاح میں ہے: تو کہتا ہے بینھما قاب قوسین، قیب قوس، قاد قوس، قید قوس یعنی کمان کے برابر۔ زید بن علی نے اسے قاد پڑھا ہے اسے قید اور قدر بھی پڑھا گیا ہے، اسے زمخشری نے ذکر کیا ہے۔

قاب سے مراد کمان کے قبضہ سے اس کے ایک سرے تک کا فاصلہ ہے ہر قوس کے دو سرے ہوتے ہیں۔ بعض نے اللہ تعالیٰ کے فرمان فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ کے بارے میں فرمایا: اصل میں ارادہ یہ تھا قابی قوس تو اس میں قلب کا قاعدہ جاری کر دیا۔ حدیث طیبہ میں ہے ولقاب قوس احدکم من الجنۃ و موضع قدہ خیر من الدنیا وما فیھا (1) تم میں سے کسی ایک کے لیے جنت میں سے قوس کے قبضے سے کنارے تک کی جگہ اور چھڑی کے برابر کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ قد کا معنی سوط ہے۔

صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جنت میں کمان کے قبضہ سے اس کے کنارے تک کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے (2)" یہاں کمان کے ساتھ اسے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ یہ مختلف نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

قاضی عیاض نے کہا: یہ بات ذہن نشین کر لو کہ نبی کریم ﷺ کا اپنے رب سے جو قرب ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی سے جو قرب ہے یہ کوئی مکان کا قرب اور مسافت کا قرب نہیں اس سے مقصود نبی کریم ﷺ کی عظمت، مرتبہ کی بلندی، انوار معرفت کے اشراق، اس کے غیب اور قدرت کے اسرار کا مشاہدہ کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی کریم کے قرب کا مطلب ہے احسان کرنا، انس عطا کرنا، مساعات کو وسیع کر دینا اور عزت عطا کرنا۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد ینزل ربنا الی سماء الدنیا (3) کی تاویل ایک صورت میں یہ ہوگی، وہ عطا، فضل، بخشش کو قبول فرماتا ہے اور احسان فرماتا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى جس نے ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا ہے حضرت جبرئیل امین کی طرف نہیں لوٹایا تو یہ انتہائی قرب، لطف محل، ایضاح معرفت، حقیقت محمدیہ پر نگاہ رکھنا مراد ہوگا، نبی کریم ﷺ کی رغبت کو پورا کرنا، مقاصد کو شرف قبولیت سے نوازنا، شفقت کا اظہار کرنا اور اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنا ہے۔ اس بارے میں وہی تاویل کی جا سکتی ہے جو حضور ﷺ کے اس فرمان میں کی جا سکتی ہے: من تقرب منی شبرا تقربت منه ذراعا ومن اتانی یمشی اتیته هرولة (4) یہاں اجابت اور قبول کا قرب ہے، احسان اور آرزو کو جلدی پورا کرنا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب الغدوۃ والروحۃ فی سبیل اللہ، جلد 1، صفحہ 392

2۔ سنن ترمذی، فضائل الجہاد، ما جاء فی فضل الغدو والرواح فی سبیل اللہ، جلد 1، صفحہ 198

3۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، الدعاء والصلوٰۃ من آخر اللیل، جلد 1، صفحہ 153

4۔ [illegible]، جلد 4، صفحہ 268

ایک قول یہ کیا گیا ہے: محمد، جبریل امین اپنے رب کے قریب ہوئے اور وہ قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام پر تھے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ اس پر ایک حدیث بھی دلالت کرتی ہے: ان اقرب الملائکۃ من اللہ جبریل علیہ السلام فرشتوں میں سے جبریل امین اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب رکھتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: او، واؤ کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی قاب قوسین وادنی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: او، بل کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی قاب قوسین بل ادنی۔

سعید بن مسیب نے کہا: قاب سے مراد عربی کمان کا سرا ہے جس پر دھاگا باندھا جاتا ہے اور کمان اٹھانے والا جس کے ذریعے اپنے کندھے پر لٹکاتا ہے ہر قوس کا ایک قاب ہوتا ہے یہ خبر دی ہے کہ حضرت جبریل امین حضرت محمد ﷺ سے اتنے قریب ہوئے جتنا قاب قوسین کا قرب ہوا کرتا ہے۔

سعید بن جبیر، عطا، ابو اسحاق، ابو وائل شقیق بن سلمہ نے کہا: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ سے مراد ہے دو ہاتھ کا فاصلہ[1]۔ قوس سے مراد ہاتھ ہوا کرتا ہے جس کے ساتھ ہر شے کی پیمائش کی جاتی ہے؛ یہ حجازیوں کی لغت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ازد شنوءہ کی لغت ہے۔ کسائی نے کہا: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى کا معنی ہے ایک قوس جس طرح شاعر کے قول میں تثنیہ واحد کے معنی میں ہے۔

ومهمهين قذفين مرتين　قطعته بالسمت لا بالسمتين

یہاں مهمهين سے مراد ایک مہمہ ہے۔ قوس کا لفظ مونث و مذکر دونوں طرح استعمال کیا جاتا ہے جس نے اس کو مونث قرار دیا ہے اس نے اس کی تصغیر قویسۃ کی ہے جس نے اسے مذکر قرار دیا ہے اس نے اس کی تصغیر قویس کی ہے۔ مثال اس کی یہ ہے هو من خير قويس سهما اس کی جمع قسی، قُسی، اقواس اور قیاس آتی ہے؛ ابو عبیدہ نے یہ شعر پڑھا:

ووتر الاساور القياسا

"کمل اساور القیاسا ہے"۔

قوس سے مراد برتن میں باقی ماندہ کھجوریں بھی ہیں۔ قوس سے مراد آسمان کا برج بھی ہے۔ جہاں تک قوس کا تعلق ہے اس سے مراد راہب کی عبادت گاہ ہے؛ شاعر نے ایک عورت کا ذکر کیا:

لاستفتنتني وذا المسحين في قوس

[illegible] قوس ہے۔

فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى جو وحی بندے کی طرف کی گئی اس کی عظمت شان کا اظہار ہے۔ وحی کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔ اس سے مراد جلدی سے کوئی چیز پھینکنا اور عطا کرنا ہے۔ اسی سے الوحاء الوحاء ہے معنی ہے جلدی کرو، جلدی کرو۔ معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 244

جبرئیل امین کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جبرئیل امین نے اللہ تعالیٰ کے بندے حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی کی جو اس کے رب نے اس کی طرف وحی کی تھی (1)؛ یہ قول ربیع، حسن بصری، ابن زید اور قتادہ نے کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کی طرف وحی کی اور جبرئیل امین نے حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی کی (2)۔ پھر کہا گیا: یہ معنی کیا مبہم ہے؟ ہم اس پر مطلع نہیں ہو سکتے اجمالی طور پر اس پر ایمان لانے کے ہم پابند ہیں یا یہ معلوم اور مفسر ہے اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ دوسرا قول سعید بن جبیر کا ہے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی کی "کیا میں نے تجھے یتیم نہیں پایا، تو میں نے تجھے پناہ دی، کیا میں نے تجھے اپنی محبت میں وارفتہ نہیں پایا تو اپنے عرفان سے نوازا کیا تجھے عیال دار نہیں پایا تو میں نے تجھے غنی کر دیا"۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی اے محمد! جب تک تو جنت میں داخل نہ ہو جنت انبیاء پر حرام ہے اور جب تک تیری امت جنت میں داخل نہ ہو جنت امتوں پر حرام ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿١١﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿١٣﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿١٤﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿١٥﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿١٦﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿١٧﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿١٨﴾

"نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ نے) کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے جب سدرہ پہ چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں"۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿١١﴾ یعنی حضرت محمد ﷺ کے دل نے معراج کی رات نہیں جھٹلایا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بصر آپ کے دل میں رکھ دی (3) یہاں تک کہ آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے رؤیت بنا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آنکھ سے حقیقی رؤیت تھی۔ پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دل سے اپنے رب کا دیدار کیا (4)؛ یہ حضرت ابوذر اور صحابہ کی ایک جماعت کا قول ہے۔ دوسرا قول حضرت انس اور جماعت کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے فرمایا: کیا تم تعجب کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام اور حضرت محمد ﷺ کے لیے دیدار ہو (5)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے انہوں نے کہا: جہاں تک ہم بنی ہاشم کا تعلق ہے تو ہم کہتے ہیں حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کا دیدار دو دفعہ کیا ہے۔ یہ گفتگو سورۃ انعام میں اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (انعام: 103) کے معنی میں گزر چکی ہے۔ محمد بن کعب سے مروی ہے کہ ہم نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 84 | 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 393 | 3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 244

4۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، معنی قول اللہ تعالیٰ ولقد راٰہ نزلۃ اخری، جلد 1، صفحہ 98 | 5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 245

اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ فرمایا: میں نے اپنے دل سے دو دفعہ دیکھا ہے پھر پڑھا: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى

ایک تیسرا قول بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت کو دیکھا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے۔ ابو العالیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا: کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ فرمایا: "میں نے ایک دریا دیکھا اور دریا کے آگے ایک حجاب دیکھا اور حجاب کے پیچھے ایک نور دیکھا اس کے علاوہ میں نے کچھ نہیں دیکھا" (1)۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ فرمایا: "وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا تھا" (2)۔ "معنی ہے نور مجھ پر غالب آ گیا اور مجھ پر اس میں سے ایک چیز غالب آ گئی جس نے مجھے اس کے دیدار سے روک دیا۔ اس پر ایک روایت بھی دلالت کرتی ہے۔ روایت ہے رأیت نورا (3) میں نے نور دیکھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو ان کی صورت میں دو دفعہ دیکھا (4)۔

ہشام نے ابن عامر سے اور اہل شام نے ما کذب تشدید کی صورت میں پڑھا ہے۔ معنی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے اس چیز کو نہ جھٹلایا جسے اس رات آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ اس کی تصدیق کی۔ ما اس کا مفعول ہے کوئی حرف مقدر نہیں کیونکہ جب یہ فعل مشدد ہو تو حرف کے بغیر متعدی ہوتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما، الذی کے معنی میں ہو ضمیر عائد محذوف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے ساتھ مل کر یہ مصدر کے معنی میں ہو ضمیر عائد محذوف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے ساتھ مل کر یہ مصدر کے حکم میں ہو۔ باقی قراء نے اسے مخفف پڑھا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ما کذب فؤاد محمد فیما رأی تو حرف صفت کو گرا دیا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا:

لَوْ كُنْتِ صَادِقَةَ الَّذِي حَدَّثْتِنِي لَنَجَوْتِ مَنْجَى الْحَارِثِ بْنِ هِشَامِ

اگر تو اس بات میں سچی ہوتی جو تو نے مجھ سے بات کی تو تو حارث بن ہشام کے نجات پانے کی طرح نجات پا جاتی۔

یعنی فی الذی حدثتنی تھا۔ یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے ساتھ مل کر مصدر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ الذی کے معنی میں ہو یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیکھا آپ کے دل نے اس کو نہ جھٹلایا۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى: حمزہ اور کسائی نے افتمرونہ، تا کے فتحہ اور الف کے بغیر پڑھا ہے۔ معنی ہے کیا تم انکار کرتے ہو۔ ابو عبید نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ کہا جاتا ہے: لم یماروہ وانما جحدوہ یہ جھگڑا کیا جاتا ہے: مراہ حقہ یعنی اس کے حق کا انکار کر دیا (5)۔ مبرد نے کہا:

لَئِنْ هَجَرْتَ أَخَا صِدْقٍ وَمَكْرُمَةٍ لَقَدْ مَرَيْتَ أَخًا مَا كَانَ يَمْرِيكَا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 394
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، قولہ علیہ السلام نور انی اراہ، جلد 1، صفحہ 99
3۔ ایضاً
4۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النجم، جلد 2، صفحہ 720
5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 246

تو نے سچے اور عزت والے شخص کو چھوڑ دیا ہے تو تو نے اس بھائی کا انکار کیا ہے جو تیرا انکار نہیں کرتا تھا۔

یعنی تو نے اس کا انکار کیا۔ مبرد نے کہا: صرفہ عن حقہ و علی حقہ جب اس کا حق اس سے دور کیے اور اس کو اس سے دور کر دے۔ علی، عن کے معنی میں ہے اس کی مثال بنی کعب بن ربیعہ کا قول ہے: رضی اللہ علیك یعنی رضی عنك۔ اعرج اور مجاہد نے پڑھا افتمرونہ تا مضموم ہے اور الف کے بغیر ہے أمریت سے مشتق ہے یعنی تم شک کرتے ہو۔ باقی قراء نے افتمارونہ پڑھا ہے یعنی کیا تم جھگڑا کرتے ہو کہ رسول اللہ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ دونوں معنی ایک دوسرے میں داخل ہیں کیونکہ ان کا مجادلہ انکار کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جحود (انکار) تو ان کی جانب سے دائمی تھا یہ تازہ جھگڑا تھا۔ انہوں نے کہا: ہمارے لیے بیت المقدس کی کیفیت بیان کرو اور ہمارے اس قافلے کے بارے میں بتاؤ جو شام کے راستہ میں ہے۔ جس طرح پہلے بات گزر چکی ہے۔

وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿﴾ نزلۃ یہ مصدر ہے حال کی جگہ واقع ہے گویا فرمایا: لقد راٰہ نازلا نزلۃ اخری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنے دل سے اپنے رب کو دیکھا۔ امام مسلم نے ابو العالیہ سے روایت نقل کی ہے۔ فرمایا: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿﴾، وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿﴾ فرمایا: اپنے دل سے دو دفعہ دیکھا (1)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان نَزْلَةً اُخْرٰى حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کئی دفعہ اوپر اور نیچے آنا ہوا جس طرح نمازیں فرض ہوئیں۔ ہر دفعہ کے عروج کے ساتھ نزول بھی ہوا۔ اس تعبیر کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا فرمان عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿﴾ سے مراد ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ اور ان میں سے بعض اترنے کی جگہوں میں تھے۔

حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿﴾ سے مراد حضرت جبرئیل امین ہیں (2)۔ یہ صحیح مسلم میں بھی ثابت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں نے افق اعلیٰ میں جبرئیل امین کو دیکھا جس کے چھ سو پر تھے جن کے پروں سے موتی اور یاقوت گر رہے تھے" اسے مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿﴾ عند یہ راٰہ کا صلہ ہے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ سدرۃ بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ یہ چھٹے آسمان میں ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ ساتویں آسمان میں ہے۔ اس بارے میں حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ پہلی روایت وہ ہے جسے مرہ نے حضرت عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے یہ چھٹے آسمان میں ہے۔ زمین سے جو چیز بلندی کی طرف جاتی ہے اس پر اس کی انتہا ہو جاتی ہے تو اس سے قبض کر لیا جاتا ہے جو اوپر سے چیز نیچے آتی ہے اس کا اترنا یہاں تک ہوتا ہے پھر اسے قبض کر لیا جاتا ہے۔

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿﴾ کہا: یہ سونے کا ایک بستر ہے۔ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔ پانچ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، معنی قول اللہ تعالیٰ ولقد راٰہ نزلۃ اخری، جلد 1، صفحہ 98

2۔ تفسیر مہدوی، [27] صفحہ 1678

نمازیں، سورۂ بقرہ کی آخری آیات دی گئیں، حضور ﷺ کی امت میں سے جس نے شرک نہیں کیا تھا اس کے گناہ بخش دیئے گئے۔

دوسری حدیث وہ ہے جسے قتادہ نے حضرت انس سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب ساتویں آسمان میں سدرۃ المنتہیٰ تک مجھے بلند کیا گیا جس کے بیر ہجر کے مٹکوں کی طرح ہیں اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر تھے اس کی جڑ سے دو ظاہری نالے نکلتے ہیں اور دو مخفی ہیں۔ میں نے پوچھا: اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ جواب دیا: جہاں تک مخفی کا تعلق ہے وہ تو جنت میں ہوں گے جہاں تک ظاہری نالوں کا تعلق ہے تو وہ نیل اور فرات ہیں"(1) الفاظ دارقطنی کے ہیں۔ نبق باء کے کسرہ کے ساتھ ہے اس کا واحد نبقہ ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: نبق نون کے فتحہ اور باء کے سکون کے ساتھ ہے۔ یعقوب نے "الاصلاح" میں دونوں قول ذکر کیے۔ یہ مصریوں کی لغت ہے پہلی زیادہ فصیح ہے، یہی وہ ہے جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ امام ترمذی نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب کہ آپ کے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کیا گیا(2) فرمایا: "ایک سوار اس کی ایک ٹہنی کے سائے میں سو سال تک چلتا ہے یا اس کے سائے سے سو سال سوار سایہ حاصل کرتے ہیں" یحییٰ کو شک ہوا ہے۔ "اس میں سونے کے پتنگے ہوں گے گویا اس کا پھل مٹکے ہیں"۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح مسلم کے الفاظ ہیں جو ثابت کی حدیث میں ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے اوراق ہاتھی کے کانوں جیسے ہیں(3) اس کے پھل مٹکوں جیسے ہیں جب اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم اس پر غالب آ جاتا ہے تو اس میں تغیر آ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی بھی چیز یہ طاقت نہیں رکھتی کہ اس کے حسن کی تعریف کرے"۔

اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ اس کا نام سدرۃ المنتہیٰ کیوں ہے؟

(1) جس طرح پہلے گزر چکا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ اوپر سے جو چیز نیچے آتی ہے اور نیچے سے جو چیز اوپر جاتی ہے وہ یہاں آ کر رک جاتی ہے۔

(2) انبیاء کا علم یہاں آ کر ختم ہو جاتا ہے اور ماوراء کا علم ان سے غائب ہو جاتا ہے: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(3) اعمال یہاں تک پہنچتے ہیں اور نہیں لے لیا جاتا ہے: یہ ضحاک کا قول ہے۔

(4) ملائکہ اور انبیاء یہاں پہنچتے ہیں اور اس کے پاس رک جاتے ہیں: یہ کعب کا قول ہے۔

(5) اسے سدرۃ المنتہیٰ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ مومنوں کی روحیں یہاں آ کر رک جاتی ہیں: یہ ربیع بن انس کا قول ہے۔

(6) یہاں مومنوں کی روحیں پہنچتی ہیں: یہ قتادہ کا قول ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، معنی قول اللہ تعالیٰ ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ، جلد 1، صفحہ 97

2۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ، ما جاء فی صفۃ ثمار اہل الجنۃ، جلد 2، صفحہ 77

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ الی السموات، جلد 1، صفحہ 91

(۷) جو نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی سنت اور منہاج پر ہوتا ہے وہ یہاں تک پہنچتا ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا اور ربیع بن انس کا بھی قول ہے۔

(۸) یہ حاملین عرش کے سروں پر ایک درخت ہے یہاں تک مخلوقات کا علم پہنچتا ہے؛ یہ کعب کا قول ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے یہ ارادہ کیا کہ اس کی بلندی اور شاخوں کی چوٹی حاملین عرش کے سروں سے بلند ہے اس کی اصل نیچے ہے یعنی اس کی جڑ چھٹے آسمان میں ہے اور اس کی شاخوں کی بلندی ساتویں آسمان میں ہے پھر وہ اس سے بلند ہوئیں تو وہ حاملین عرش کے سروں سے بڑھ گئیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(۹) اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ جسے اس کی طرف بلند کیا گیا تو وہ کرامت میں اپنی انتہا تک جا پہنچے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے (2) جب رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی گئی تو آپ سدرۃ المنتہیٰ تک جا پہنچے تو آپ سے عرض کی گئی: "ہر کوئی یہاں آ کر رک جاتا ہے سوائے ان لوگوں کے جو آپ ﷺ کی امت میں سے آپ ﷺ کی سنت پر ہوں گے۔ یہ ایسا درخت ہے جس کی جڑ سے ایسے پانی کی نہریں نکلتی ہیں جو بدبودار نہیں ہوگا، ایسے دودھ کی نہریں جاری ہوں گی جس کا ذائقہ نہیں بدلے گا، شراب کی ایسی نہریں جاری ہوں گی جو پینے والوں کے لیے لذت کا باعث ہوں گی اور مصفیٰ شہد کی نہریں جاری ہوں گی۔ یہ ایسا درخت ہے کہ ایک تیز رفتار سوار ایک سو سال تک اس کے سائے میں چلتا رہے گا اور اس کو طے نہ کر سکے گا۔ اس کا ایک پتہ پوری امت کو ڈھانپ دے گا"۔ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ جنت ماویٰ کی عظمت کی تعریف ہے یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے۔ حضرت علی شیر خدا، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس، ابو سبرہ جہنی، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مجاہد نے عندھا جنّہ الماوی پڑھا ہے مراد ہے جنۃ المبیت رات گزارنے کی جنت۔ مجاہد نے کہا: مراد لیا ہے جنہ میں ضمیر نبی کریم ﷺ کے لیے ہے۔ اخفش نے کہا: معنی ہے اس نے اسے پا لیا؛ جس طرح تو کہتا ہے جنہ اللیل رات نے اسے ڈھانپ لیا اور اسے پا لیا۔ عام قراءت جَنَّةُ الْمَاْوٰى ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: یہ وہ جگہ ہے جہاں تک متقین پہنچتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہاں تک شہداء کی روحیں پہنچتی ہیں (3)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ یہ عرش کی دائیں جانب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وہ جنت ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام ٹھہرے تھے یہاں تک کہ آپ کو وہاں سے نکالا گیا۔ یہ ساتویں آسمان میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام مومنوں کی روحیں جنۃ ماویٰ میں ہیں، اسے جنۃ ماویٰ اس لیے نام دیا گیا ہے کیونکہ مومنوں کی روحیں یہاں پناہ لیتی ہیں۔ یہ عرش کے نیچے ہے۔ اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی ہیں اور اس کی عمدہ خوشبو سے مشام جان کو معطر کرتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت جبریل امین اور حضرت میکائیل علیہما السلام یہاں پناہ لیتے ہیں۔

اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰى ﴿۱۶﴾ حضرت ابن عباس، ضحاک، حضرت ابن مسعود اور ان کے اصحاب نے کہا: وہ سونے کے

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 246 2۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 65 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 199

پتنگے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت بھی نقل کی ہے صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کا قول پہلے گزر چکا ہے (1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اسے رب العالمین کے نور نے ڈھانپ لیا تو وہ روشن ہو گیا۔ قشیری نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اسے کس چیز نے ڈھانپ رکھا ہے؟ فرمایا: "سونے کے پتنگوں نے"۔ دوسری روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ کے نور نے اسے ڈھانپ رکھا ہے یہاں تک کہ کوئی طاقت نہیں رکھتا کہ وہ اسے دیکھے"۔ ربیع بن انس نے کہا: اسے رب کے نور نے ڈھانپ رکھا ہے فرشتے اس پر اس طرح گرتے ہیں جس طرح کوے درخت پر گرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت مروی ہے "میں نے سدرہ کو دیکھا جسے سونے کے پتنگوں (تتلیاں وغیرہ) نے ڈھانپ رکھا ہے میں نے اس کے ہر پتے پر ایک فرشتے کو دیکھا جو کھڑے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہا تھا (2)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ کا بھی یہی معنی مفہوم ہے" اسے مہدوی اور ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک نے کہا: اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ کا معنی ہے سونے کی چڑیا۔ اسے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ سبز رفرف ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے "اسے رفرف یعنی سبز پرندوں نے ڈھانپا ہوا ہے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اسے رب العزت نے ڈھانپ رکھا ہے۔ یہاں رب العزت سے مراد اس کا حکم ہے جس طرح صحیح مسلم میں مرفوع روایت ہے: "جب اللہ تعالیٰ کے امر نے اسے ڈھانپ لیا جو ڈھانپ لیا" (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر کی عظمت بیان کرنے کے لیے ہے گویا فرمایا: جب سدرہ کو ڈھانپ لیا ملکوت کے ان دلائل نے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ کیا: اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝ ۔ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ۝ اسی کی مثل اَلْحَاۗقَّةُ ۝ مَا الْحَاۗقَّةُ ۝ (الحاقہ:2-1)۔ ماوردی نے اپنی کتاب معانی القرآن میں کہا: اگر یہ سوال کیا جائے اس امر کے لیے سدرہ (بیری کے درخت) کو کیوں منتخب کیا گیا ہے کسی اور درخت کا انتخاب کیوں نہیں کیا گیا؟ اسے جواب دیا جائے گا: سدرۃ تین اوصاف کے ساتھ خاص ہے لمبا سایہ، عمدہ ذائقہ، اچھی خوشبو۔ یہ اس ایمان کے مشابہ ہے جو قول، عمل اور نیت کو جامع ہے۔ سدرہ کا سایہ ایمان کے لیے وہی حیثیت رکھتا ہے جو عمل کی ہوا کرتی ہے کیونکہ وہ ایمان پر زائد ہوتا ہے۔ سدرہ کا ذائقہ نیت کے قائم مقام ہے کیونکہ وہ مخفی ہوتی ہے اور اس کی خوشبو قول کے قائم مقام ہے کیونکہ وہ ظاہر ہوتا ہے۔

ابو داؤد نے اپنی سنن میں یہ روایت نقل کی ہے کہ نصر بن علی ابو اسامہ سے وہ ابن جریج سے وہ عثمان بن ابی سلیمان سے وہ سعید بن محمد بن جبیر بن مطعم سے وہ عبداللہ بن حبشی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من قطع سدرۃ صوب اللہ رأسہ فی النار (4)۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل ولقد رآہ نزلۃ اخری، جلد 1، صفحہ 97

2۔ [illegible] جلد 1، صفحہ 117

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، الاسراء برسول اللہ الی السموات، جلد 1، صفحہ 91

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، فی قطع السدر، جلد 2، صفحہ 355

ابوداؤد سے اس حدیث کے معنی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: یہ حدیث مختصر ہے اس سے مراد ہے جس نے جنگل سے بے مقصد اور ظلماً ایسا درخت کاٹا جس سے مسافر اور چوپائے جس کا سایہ حاصل کرتے تھے جبکہ کاٹنے والے کا اس درخت میں کوئی حق نہیں تھا اللہ تعالیٰ اس کا سر جہنم میں جھکائے گا۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آنکھ دائیں بائیں نہ پھری اور نہ ہی اس حد سے تجاوز کیا جس حد کو اس نے دیکھا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے جو حکم دیا گیا اس سے اس نے تجاوز نہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آنکھ نے جو آیات دیکھیں ان سے وہ غیر کی طرف نہ گئی۔ اس مقام پر جو نبی کریم ﷺ کا ادب ہے یہ اس کا بیان ہے کیونکہ وہ دائیں اور بائیں متوجہ نہ ہوئی۔

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے رفرف دیکھا جس نے افق کو بند کر دیا تھا (2)۔ بیہقی نے حضرت عبد اللہ سے روایت نقل کی ہے حضرت عبد اللہ نے کہا: آپ ﷺ نے سبز رفرف دیکھا جس نے آسمان کے افق کو بند کر دیا تھا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل امین کو سبز رفرف کے حلہ میں دیکھا جنہوں نے آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دیا تھا۔ بیہقی نے کہا: اس کا حدیث میں قول رای رفرفا اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جو رفرف میں اپنی صورت میں تھے۔ رفرف سے مراد قالین ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: مراد بستر ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: بلکہ وہ ایک کپڑا تھا جو ان کا لباس تھا۔ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرئیل کو رفرف کے حلہ میں دیکھا تھا۔

میں کہتا ہوں: اسے ترمذی نے حضرت عبد اللہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل امین کو رفرف کے حلہ میں دیکھا جس نے آسمان اور زمین کو بھر دیا تھا (3)، کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَ تَدَلّٰی کے بارے میں یہ قول مروی ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی شب معراج کو رفرف حضرت محمد ﷺ کے لیے بھیجا گیا آپ ﷺ اس پر بیٹھے پھر اسے بلندی کی طرف لے جایا گیا تو آپ اپنے رب کے قریب ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جبرئیل امین مجھ سے الگ ہو گئے، آوازیں مجھ سے منقطع ہو گئیں اور میں نے اپنے رب کا کلام سنا"۔ اس روایت کی وجہ سے رفرف وہ چیز ہو گی جس پر بیٹھا جاتا ہے جس طرح قالین وغیرہ۔ پہلے معنی کی صورت میں مراد حضرت جبرئیل امین ہیں۔

عبد الرحمن بن زید اور مقاتل بن حیان نے کہا: نبی کریم ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو اس صورت میں دیکھا جس صورت میں وہ آسمان میں ہوتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ سے روایت مروی ہے کہ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ سے مراد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرئیل امین کو اس صورت میں دیکھا جس کے چھ سو پر ہوتے ہیں (4)۔ اس تاویل

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 207
2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر سورۃ النجم، جلد 2، صفحہ 161
3۔ ایضاً
4۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، فی ذکر سدرۃ المنتہیٰ، جلد 1، صفحہ 98

کے باوجود یہ کوئی بعید نہیں کہ وہ رفرف کے صدر میں ہوں یا رفرف پر ہوں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ضحاک نے کہا: سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: سونے کے پتنگوں نے سدرہ کو جو ڈھانپ رکھا تھا اسے دیکھا؛ یہ ماوردی نے بیان کیا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معراج (سیڑھی) کو دیکھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے جو اس سفر میں لوٹتے وقت اور شروع کرتے وقت دیکھا۔ یہ تعبیر بہت اچھی ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا (الاسراء: 1) یہ جائز ہے کہ من تبعیض ہو۔ اور الکبریٰ، رایٰ کا مفعول ہو۔ اصل میں یہ آیات کی صفت ہے آیات کے سر ہونے کی وجہ سے اسے واحد ذکر کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ جماعت کی صفت مؤنث کی صفت کے ساتھ لگائی جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝ (طٰہٰ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: الکبریٰ یہ محذوف کی صفت ہے یعنی: رای من آیات ربہ الکبریٰ۔ یہ بھی جائز ہے کہ من زائدہ ہو تقدیر کلام یہ ہوگی رای آیات ربہ الکبریٰ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہے رای الکبریٰ من آیات ربہ۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ۙ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝

"(اے کفار!) کیا تم نے غور کیا لات و عزیٰ کے بارے میں اور منات کے بارے میں جو تیسری ہے۔ کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے نری بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے"۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۙ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ جب نبی کریم ﷺ کی طرف کی جانے والی وحی کا ذکر کیا اور اپنی قدرت کے آثار کا ذکر کیا تو مشرکین سے دلیل کے ساتھ گفتگو کی کیونکہ وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے تھے جو عقل نہیں رکھتی تھی فرمایا: بتاؤ تو سہی یہ بت جن کی تم عبادت کرتے ہو اس کے بارے میں تمہاری طرف کوئی وحی کی گئی ہے جس طرح حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ لات بنو ثقیف کا بت تھا، عزیٰ قریش اور بنو کنانہ کا بت تھا، منات بنو ہلال کا بت تھا۔ ابن ہشام نے کہا: منات ہذیل اور خزاعہ کا بت تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو انہوں نے فتح مکہ کے سال اسے گرا دیا۔ پھر انہوں نے طائف میں لات کا بت بنایا۔ یہ منات کی نسبت قریب کے دور کا تھا یہ ایک مربع چٹان تھی اس کے خدام میں بنو ثقیف کے لوگ تھے۔ بنو ثقیف نے اس پر ایک عمارت بنا دی قریش اور تمام عرب اس کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے عرب یہ نام رکھتے زید اللات اور تیم اللات۔ یہ بت اس جگہ تھا جہاں طائف کی مسجد کا بایاں مینار ہے۔ وہ بت اسی طرح رہا یہاں تک کہ بنو ثقیف اسلام لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا حضرت مغیرہ نے اسے گرا دیا اور آگ کے ساتھ جلا دیا۔ پھر عربوں نے عزیٰ کو معبود بنا لیا یہ لات کی نسبت قریب کے زمانہ کا تھا اسے ظالم بن اسعد نے معبود بنایا یہ ذات عرق کے اوپر بطن شامہ کی وادی میں تھا لوگوں نے اس پر ایک گھر بنا دیا وہ اس سے آواز سنا کرتے تھے۔

ابن ہشام نے کہا: مجھے میرے باپ نے ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ عزیٰ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 397

شیطانہ تھی وہ بطن نخلہ میں ببول کے تین درختوں کے پاس آیا کرتی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا تو حضرت خالد بن ولید کو بھیجا فرمایا: "نخلہ وادی کے بطن میں جاؤ وہاں تو تین ببول کے درخت پائے گا تو پہلے کو کاٹ دینا"۔ حضرت خالد بن ولید وہاں گئے اور اس درخت کو کاٹ دیا جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تو نے کوئی چیز دیکھی تھی؟" عرض کی: نہیں۔ فرمایا: دوسرا درخت کاٹ دو"۔ حضرت خالد آئے اور دوسرے درخت کو کاٹ دیا پھر حضرت خالد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے پوچھا: کیا تو نے کوئی چیز دیکھی ہے؟ عرض کی: نہیں۔ فرمایا: "تیسرے درخت کو کاٹ دو"۔ حضرت خالد آئے تو ایک حبشی عورت دیکھتے ہیں اس نے اپنے بال بکھیرے ہوئے ہیں اس نے اپنے ہاتھ اپنے کندھے پر رکھے ہوئے ہیں وہ اپنے دانت پیس رہی ہے اس کے پیچھے دبیہ سلمی ہے وہ اس کا خادم تھا۔ اور یہ شعر پڑھا:

يا عز كفرانك لا سبحانك إني رأيت الله قد أهانك

اے عزی میں تیرا انکار کرتا ہوں تیری پاکی بیان نہیں کرتا میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اس نے تجھے ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔

پھر اس پر وار کیا اور اس کا سر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تو وہ کوئلہ ہو گئی پھر آپ نے درخت کو کاٹ دیا اور دبیہ جو خادم تھا اس کو قتل کر دیا۔ پھر حضرت خالد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب کچھ بتایا۔ فرمایا: "وہی عزی تھی اب اس کی کبھی عبادت نہ کی جائے گی"۔

ابن جبیر نے کہا: عزی سفید پتھر تھا لوگ اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ قتادہ نے کہا: وہ نخلہ وادی کے بطن میں ایک جڑی بوٹی (1) تھی۔ منات بنو خزاعہ کا بت تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بعض مفسرین نے کہا لات یہ مشرکوں نے لفظ اللہ سے اخذ کیا تھا عزی لفظ عزیز سے لیا تھا منات یہ منی اللہ الشئی سے ماخوذ ہے یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اسے مقدر کرے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر، مجاہد، حمید اور ابو صالح نے اللات کو تاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ انہوں نے کہا: ایک آدمی تھا جو حاجیوں کے لیے ستو کو گھی میں ملا کرتا تھا۔ امام بخاری نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے: جب وہ آدمی فوت ہوا تو لوگ اس کی قبر پر بیٹھے اور اس کی عبادت کی (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایک چٹان کے پاس ستو اور گھی بیچا کرتے تھا اور اس چٹان پر انڈیلا کرتا تھا۔ جب وہ آدمی فوت ہو گیا تو بنو ثقیف نے اس ستو والے کی تعظیم کے لیے اس چٹان کی عبادت کی۔ ابو صالح نے کہا: طائف میں ایک آدمی تھا وہ بتوں کی خدمت کرتا اور ان کے لیے ستو کو ملا کرتا جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی عبادت کی۔ مجاہد نے کہا: پہاڑ کی ایک چوٹی پر ایک آدمی رہتا جس کا ریوڑ تھا وہ ان کا گھی جمع کرتا اس کے دودھ سے پنیر بناتا اور اس کا دودھ جمع کرتا پھر وہ حلوہ بناتا اور حاجیوں کو کھلاتا وہ نخلہ وادی کے بطن میں رہتا جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی عبادت کی یہی لات بت تھا۔ کلبی نے کہا: بنو ثقیف کا ایک آدمی تھا جسے صرمہ بن غنم کہتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عامر بن ظرب عدوانی تھا۔ شاعر نے کہا:

لا تنصروا اللات إن الله مهلكها وكيف ينصركم من ليس ينتصر (3)

1۔ بعض نسخوں میں جبہ کی جگہ حبشہ کا لفظ ہے یعنی ایک گروہ۔

2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، افرأیتم اللات والعزی، جلد 2، صفحہ 720

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 398

نے اختلاف کیا ہے۔ خلیل نے کہا: یہ اس لیے کہا تاکہ آیت کے سرے موافق ہو جائیں (1) جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مَآرِبُ اُخْرٰی، اُخَر نہیں کہا۔ حسین بن فضل نے کہا: آیت میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یوں ہے اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی الْاُخْرٰی وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرمایا وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی کیونکہ مشرکوں کے نزدیک تعظیم میں اس کا مرتبہ لات و عزیٰ کے بعد تھا۔ کلام اسی ترتیب پر ہے۔ امام ابن ہشام سے یہ قول نقل کیا ہے کہ مناۃ تقدیم میں پہلے تھا اسی وجہ سے وہ ان کے نزدیک سب سے معزز تھا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ آیت میں حذف ہے جس پر کلام دلالت کرتی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی اَفَرَءَیْتُمْ هٰذِهِ الْاٰلِهَةَ هَلْ نَفَعَتْ اَوْ ضَرَّتْ حَتّٰی تَكُوْنَ شُرَكَاءَ لِلّٰهِ پھر شرمندگی دلانے کے انداز میں فرمایا: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰی ۝ یہ کلام ان کے قول "فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور بت اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں" کا رد کرنے کے لیے ہے۔ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰی ۝ یہ تقسیم عدل کے خلاف اور غلط ہے اور حق سے دور ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ضاز فی الحکم اس نے فیصلہ میں ظلم کیا۔ اس کا باب یوں ذکر کیا جاتا ہے ضاز حقه یضیزه ضیزا اس نے اس کے حق میں کمی کی۔ بعض اوقات اسے مہموز کے انداز میں ذکر کیا جاتا ہے ضأزه یضأزه ضأزا اور یہ شعر پڑھا:

فَسَهْمُكَ مَضْئُوْزٌ وَاَنْفُكَ رَاغِمُ

تیری تقسیم میں نقص ہے اور تیری ناک خاک آلود ہے۔

کسائی نے یوں باب ذکر کیا ہے ضاز یضیز ضیزا وضاز یضوز ضوزا وضاز یضاز ضازا جب وہ ظلم کرے، حد سے تجاوز کرے اور کمی کرے۔ شاعر نے کہا:

ضَازَتْ بَنُوْ اَسَدٍ بِحُكْمِهِمُ　اِذْ یَجْعَلُوْنَ الرَّاْسَ كَالذَّنَبِ (2)

بنو اسد نے اپنے فیصلہ میں ظلم کیا کیونکہ وہ سر کو دم کی طرح بناتے ہیں۔

قِسْمَةٌ ضِیْزٰی ۝ یہ حق تقسیم ہے یہ فُعلی کا وزن ہے جس طرح طوبیٰ اور حبلیٰ ہے یاء کی مناسبت کی وجہ سے ضاد کو کسرہ دیا گیا ہے کیونکہ کلام عرب میں فِعلی صفت کے وزن پر صفت کا صیغہ نہیں آتا اسماء کے اوزان میں یہ وزن ہے جس طرح شِعریٰ اور دِفلیٰ ہے۔ فراء نے کہا: بعض عرب کہتے ہیں ضُوزیٰ اور ضِئزیٰ۔

ابو حاتم نے ابو زید سے حکایت بیان کی ہے کہ انہوں نے عربوں کو ضئزی ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ اس کے مادہ معاذ نے کہا: ابن کثیر نے اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اسے مصدر بنایا ہے جس طرح ذکریٰ مصدر ہے یہ صفت نہیں کیونکہ صفات میں فِعلی کا وزن نہیں۔ یہ اصل فُعلی نہیں کیونکہ یہاں کوئی ایسا سبب موجود نہیں جو قلب کا تقاضا کرے یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے ضأزته یعنی میں نے اس پر ظلم کیا۔ معنی ہوگا یہ ایسی تقسیم ہے جس میں ظلم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں لغتیں ہم معنی ہیں ان دونوں لغتوں کے علاوہ ضیزی، ضازی، ضوزی، ضؤزی بھی بیان کیا گیا ہے۔

1۔ احکام القرآن، جلد 5، صفحہ 249　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 399

مروی ہے کہا: انہوں نے ضیزی میں ضاد کے ضمہ کو کسرہ دیا ہے اور یاء کے واؤ سے بدل جانے کا انہیں خوف ہوا، اس وجہ سے انہوں نے ضاد کو کسرہ دیا جس طرح انہوں نے بیض کہا، بیض کی جمع بیض ہے جب کہ اصل میں اسے بوض ہونا تھا جس طرح حمر، صفر اور خضر ہے۔ جس نے ضاز یضوز کہا تو اس سے اسم ضوزی ہوگا جس طرح شوری ہے۔

إِنْ هِيَ إِلَّآ أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوهَآ أَنتُمْ وَءَابَآؤُكُم مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَٰنٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَمَا تَهْوَى ٱلْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَآءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ ٱلْهُدَىٰٓ ﴿٢٣﴾ أَمْ لِلْإِنسَٰنِ مَا تَمَنَّىٰ ﴿٢٤﴾ فَلِلَّهِ ٱلْءَاخِرَةُ وَٱلْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾ وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ لَا تُغْنِى شَفَٰعَتُهُمْ شَيْـًٔا إِلَّا مِنۢ بَعْدِ أَن يَأْذَنَ ٱللَّهُ لِمَن يَشَآءُ وَيَرْضَىٰٓ ﴿٢٦﴾

"نہیں ہیں یہ مگر محض نام جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے، نہیں اتاری اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند، نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر گمان کی اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں حالانکہ آ گئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت۔ کیا انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے۔ پس اللہ کے دست قدرت میں ہے آخرت اور دنیا۔ اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آ سکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لیے چاہے اور پسند فرمائے"۔

إِنْ هِيَ إِلَّآ أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوهَآ یعنی یہ بت نہیں مگر ایسے نام جن کو تم نے خود تراش لیا ہے اور ان کے نام معبود رکھ لیے ہیں۔ أَنتُمْ وَءَابَآؤُكُم تم نے اس مسئلہ میں اپنے آباء کی تقلید کی ہے۔ مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَٰنٍ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ خطاب سے غائب کی طرف رجوع کیا ہے یعنی یہ گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ وَمَا تَهْوَى ٱلْأَنفُسُ اور جس کی طرف نفوس مائل ہوتے ہیں عام قراء کی قرأت یتبعون ہے۔ عیسیٰ بن عمر، ایوب اور ابن سمیقع نے تتبعون پڑھا ہے یعنی حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس کی قرأت ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ ٱلْهُدَىٰٓ ﴿٢٣﴾ یعنی رسول اللہ ﷺ کی جانب سے وضاحت آ گئی ہے کہ وہ معبود برحق نہیں۔ أَمْ لِلْإِنسَٰنِ مَا تَمَنَّىٰ ﴿٢٤﴾ یعنی جو وہ خواہش کرے یعنی اس کے لیے بت ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اس کے لیے بیٹے ہیں یعنی بیٹیوں کے سوا اس کے بیٹے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے بغیر جزا کی جو وہ خواہش کرے معاملہ اس طرح نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کہ وہ نبوت کی خواہش کرے تو نبوت اس میں ہو کسی اور میں نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے انسان کی خواہش یہ ہے کہ بت ان کی شفاعت کریں۔ یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ ہے: یہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تمام کفار کے بارے میں نازل ہوئی فَلِلَّهِ ٱلْءَاخِرَةُ وَٱلْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾ جس کے بارے میں چاہتا ہے اسے عطا کرتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اس سے روک لیتا ہے نہ کہ جس کی انسان آرزو کرے۔

وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ لَا تُغْنِى شَفَٰعَتُهُمْ شَيْـًٔا إِلَّا مِنۢ بَعْدِ أَن يَأْذَنَ ٱللَّهُ لِمَن يَشَآءُ وَيَرْضَىٰٓ یہ جو لوگ

فرشتوں اور بتوں کی پوجا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں شرمندہ کیا گیا ہے۔ اس نے یہ گمان کیا کہ اس کا یہ عمل اسے اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے گا۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ فرشتے عبادت کی کثرت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہونے کے باوجود وہ کسی کی شفاعت نہیں کریں گے مگر جس کے حق میں انہیں اجازت ملے گی۔ اخفش نے کہا: ملک واحد ہے اس کا معنی جمع ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ (الحاقہ) (1)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک فرشتہ کا ذکر کیا کیونکہ لفظ کم جمع پر دلالت کرتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۝ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۝ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۥ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝

"بے شک جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں حالانکہ انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں وہ محض ظن کی پیروی کرتے ہیں اور ظن حق کے مقابلہ میں کسی کام نہیں آسکتا۔ پس آپ رخ انور پھیر لیجئے اس (بدنصیب) سے جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی اور نہیں خواہش رکھتا مگر دنیوی زندگی کی۔ یہ ہے ان کا مبلغ علم۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے جو بھٹک گیا اس کی راہ سے اور وہی بہتر جانتا ہے جس نے راہ راست پائی"۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مراد کفار ہیں جنہوں نے کہا: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور بت اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۝ یہاں تسمیہ سے پہلے کاف محذوف ہے یعنی وہ اعتقاد رکھتے تھے کہ فرشتے مؤنث ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ یعنی انہوں نے اس امر کا مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا کیا ہے انہوں نے جو کچھ کہا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا اور کسی کتاب میں اسے نہیں دیکھا۔ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ یہاں ان نافیہ ہے اِلَّا الظَّنَّ وہ جو یہ کہتے ہیں کہ فرشتے مؤنث ہیں اس قول میں وہ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۥ عَنْ ذِكْرِنَا ذکر سے مراد قرآن اور ایمان ہے۔ یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا یہ آیت نضر کے بارے نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ولید کے بارے میں نازل ہوئی۔ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ یعنی وہ اپنی دنیا کے معاملات کو دیکھتے ہیں اور اپنے دین کے معاملہ میں جاہل رہتے ہیں۔ فراء نے کہا: ان کی حقارت بیان کی یعنی یہ ان کی عقلوں کا معیار ہے اور علم کی انتہا ہے کہ انہوں نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے کہ انہوں نے فرشتوں اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا۔

1۔ زاد المسیر، جلد 5، صفحہ 251

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ یعنی جو اس کے دین سے بھٹک گیا۔

وَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝ پس وہ ہر کسی کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ۙ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ یَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝

"اور اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تا کہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان کے اعمال کا اور بدلہ دے نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا۔ جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر شاذ و نادر، بلاشبہ آپ کا رب وسیع بخشش والا ہے، وہ (اس وقت سے) خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب کہ تم حمل تھے اپنی ماؤں کے شکموں میں، پس اپنی خود ستائی نہ کیا کرو وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے۔"

وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ۙ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ یَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝

لِیَجْزِیَ کا لام اس معنی کے متعلق ہے جس پر وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ دلالت کرتا ہے گویا فرمایا: وہ اس کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے تا کہ محسن کو اس کے احسان کا بدلہ دے اور گناہگار کو اس کے گناہ کا بدلہ دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جملہ معترضہ ہے۔ معنی ہوگا تیرا رب گمراہ کو خوب جانتا ہے اور ہدایت یافتہ کو بھی خوب جانتا ہے تا کہ اسے بدلہ دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لام عاقبت ہے معنی ہے کہ خلق کے امر کا انجام یہ ہے کہ ان میں گناہگار اور محسن ہوں گنہگار کے لیے جہنم ہے اور محسن کے لیے جنت ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ یہ محسنین کی صفت ہے یعنی وہ بڑے گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے جو شرک ہے کیونکہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ اعمش، یحییٰ بن وثاب، حمزہ اور کسائی نے کبیر پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد شرک ہے۔ الفواحش سے مراد زنا ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ نساء میں گزر چکی ہے۔ پھر اس سے مستثنیٰ منقطع کی صورت میں استثنا کی۔

مسئلہ نمبر 2۔ فرمایا: اِلَّا اللَّمَمَ اس سے مراد گناہ صغیرہ ہیں، ایسے افعال سے کوئی بھی محفوظ نہیں مگر اللہ تعالیٰ جس کی حفاظت فرمائے۔ اس کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عباس اور امام شعبی نے کہا: اللمم سے مراد

زنا سے کم درجہ کے اعمال مراد ہیں (1)۔ مقاتل بن سلیمان نے کہا: یہ آیت ایسے آدمی کے بارے میں نازل ہوئی جسے نبہان تمار کہا جاتا (2)۔ اس کی ایک دکان تھی جس میں وہ خشک کھجوریں بیچ کرتا اس کے پاس ایک عورت آئی وہ اس سے کھجوریں لینا چاہتی اس مرد نے اس عورت سے کہا: دکان کے اندر اس سے بہتر کھجوریں ہیں جب وہ دکان میں داخل ہوئی تو اس نے عورت کو پکڑنا چاہا تو اس عورت نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور وہ عورت واپس چلی گئی نبہان شرمندہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: یا رسول اللہ! جماع کے علاوہ آدمی جو کرتا ہے میں نے وہ کچھ کیا ہے؟ کہا: شاید اس کا خاوند مجاہد ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ واقعہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابو سعید خدری، حضرت حذیفہ اور مسروق نے اسی طرح کا قول کیا ہے کہ لمم سے مراد وطی سے کم درجہ کا فعل ہے جس طرح بوسہ لینا، غمزہ کرنا، دیکھنا اور لیٹنا (3)۔ مسروق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، ہاتھوں کا زنا پکڑنا ہے، پاؤں کا زنا چلنا ہے، شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا اس کی تکذیب کرتی ہے۔ اگر وہ آگے بڑھے تو زنا ہے اگر پیچھے ہٹ جائے تو لمم ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو کہا میں نے اس سے زیادہ لمم کے کسی شے کو زیادہ مشابہ نہیں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے انسان پر زنا کا حصہ لکھ دیا ہے وہ لامحالہ اس کو پائے گا۔ آنکھوں کا زنا دیکھنا، زبان کا زنا بولنا ہے۔ نفس تمنا کرتا ہے اور خواہش کرتا ہے، شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا اس کو جھٹلاتی ہے"۔ مراد یہ ہے عظیم فاحشہ اور مکمل زنا جو دنیا میں حد اور آخرت میں عذاب کو ثابت کرتا ہے وہ شرمگاہ میں بدکاری کرنا ہے اس کے علاوہ گناہ میں ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابو صالح کی روایت جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "انسان پر زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے وہ اسے ضرور پانے والا ہے آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا کلام ہے، ہاتھوں کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چلنا ہے، دل خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا اسے جھٹلاتی ہے" (4) امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے۔

ثعلبی نے طاؤس کی روایت نقل کی ہے جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اس میں کان، ہاتھ اور پاؤں کا ذکر ہے آنکھوں اور زبان کے بعد یہ زیادہ کیا: "ہونٹوں کا زنا بوسہ لینا ہے"۔ یہ ایک قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی کہا: آدمی گناہ کا ارادہ کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے۔ کہا: کیا تو نے نبی کریم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا:

إن يغفر الله يغفر جما وأي عبد لك لا ألما (5)

اگر اللہ تعالیٰ بخشنے کا ارادہ کرے تو سب گناہ بخش دیتا ہے تیرا کون سا بندہ ہے جس سے لغزش نہیں ہوئی۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 204
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 401
3۔ صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، زنا الجوارح دون الفرج، جلد 2، صفحہ 922
4۔ مجمع الزوائد، کتاب التفسیر، سورۃ النجم، جلد 7، صفحہ 249، حدیث 11378
5۔ ایضاً

کرے وہ قصد کرے اور عمل نہ کرے۔ صحاح میں ہے: لمم الرجل بالمکان سے مشتق ہے اس سے مراد چھوٹے گناہ ہیں۔ کہا جاتا ہے: وہ معصیت کے قریب ہے مگر اس میں واقع نہیں ہوا۔ جوہری کے علاوہ نے یہ شعر پڑھا:

بزینب ألمم قبل أن يرحل الركب

زینب کے قریب ہو جا قبل اس کے کہ قافلہ کوچ کر جائے۔

عطاء بن ابی رباح نے کہا: لمم سے مراد نفس کی عادت ہے جو وقتاً فوقتاً ہوتی ہے۔ سعید بن مسیب نے کہا: جو دل میں کھٹکے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: بھلائی یا برائی میں سے جس کا تو قصد کرے تو وہ لمم ہوگا۔ اس تاویل کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: ان للشیطان لمة وللملك لمة۔ بے شک شیطان کی طرف سے ایک خیال آتا ہے اور فرشتے کی جانب سے خیال آتا ہے۔ یہ روایت سورۂ بقرہ آیت 268 میں اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ کے تحت گزر چکی ہے۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا: لمم اور المام کا اصل معنی ہے انسان جب یکے بعد دیگرے کرتا ہے اس میں تعمق نہیں کرتا اور نہ ہی اس پر قائم رہتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ألممت به جب تو اس کی زیارت کرے اور اس سے پھر جائے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما فعلته إلا لمما وإلماما یعنی میں نے اسے وقفے وقفے سے کیا۔

زیارتک إلمام تیری ملاقات وقفے وقفے سے ہوتی ہے۔ اسی سے خیال کا آنا ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

أَنّٰى خَيَالٌ مِّنْ قُتَيْلَةَ يُلِمُّ　　قتیلہ کی جانب سے خیال وقفے وقفے سے آیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لمم، إلّا کے معنی میں ہے۔ فراء نے اس کا انکار کیا ہے کہا: معنی ہے چھوٹے گناہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لمم سے مراد ایسی نظر ہے جو اچانک ہو۔

میں کہتا ہوں: یہ قول حقیقت سے بعید ہے یہ تو ابتداً معاف ہے اس پر مواخذہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ قصد و اختیار کے بغیر واقع ہوتی ہے۔ سورۂ نور میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ لمم کا معنی جنون کی ایک قسم ہے، رجل ملموم جیسے مجنون ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: أصابت فلانا لمة من الجن کا معنی مس کرنا اور تھوڑی چیز ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ جو اپنے گناہ سے توبہ کرے اور بخشش کا طالب ہو اس کے لیے وسیع مغفرت والا ہے، یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل نے کہا جو حضرت ابن مسعود کے فاضل اصحاب میں سے تھا: میں نے خواب میں دیکھا گویا میں جنت میں داخل ہوا ہوں کیا دیکھتا ہوں وہاں خیمے لگے ہوئے ہیں میں نے پوچھا: یہ کن کے لیے ہیں؟ لوگوں نے بتایا: یہ ذی کلاع اور حوشب کے لیے ہیں یہ دونوں ان افراد میں سے تھے جنہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا تھا۔ میں نے کہا: یہ کیسے؟ لوگوں نے بتایا: دونوں نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تو اسے وسیع مغفرت والا پایا۔ ابو خالد نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ذی کلاع نے دس ہزار بچیوں کو آزاد کیا تھا۔

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ وہ تمہیں تمہاری ذاتوں سے بڑھ کر جانتا ہے اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اس سے مراد ہے تمہارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور ضمیر جمع کی ذکر کی۔ ترمذی ابو عبداللہ نے کہا: ہمارے نزدیک یہ تعبیر نہیں بلکہ یہ پیدائش اس

مٹی پر ہوئی جو زمین سے ابھری ہوئی تھی۔ ہم سب زمین کی اور اسی کی مٹی پر تھے پھر اس مٹی سے پانی پشتوں کی طرف نکلے، پھر ان کی ان میں نفوس پیدا کیے گئے جب کہ ان کی شکلیں مختلف تھیں پھر مختلف شکلوں کو ان کی پشتوں سے نکالا ان میں سے کچھ موتیوں کی طرح چمک رہے تھے کچھ ایک دوسرے سے زیادہ روشن تھے ان میں سے بعض کوئلے کی طرح سیاہ تھے بعض ایک دوسرے سے زیادہ سیاہ تھے تو یہ انشاء (پیدائش) ہم پر اور اس پر واقع ہوئی۔

عیسیٰ بن حماد عسقلانی نے بشر بن بکر سے وہ اوزاعی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اس رات میرے اس حجرہ کے سامنے مجھ پر اولین و آخرین (اگلے پچھلے) پیش کیے گئے" کسی کہنے والے نے کہا: یا رسول اللہ! ﷺ مخلوقات میں سے جو گزر چکے ہیں وہ بھی؟ فرمایا: "ہاں، مجھ پر حضرت آدم اور ان کے علاوہ" کہا: ان کے علاوہ (1) بھی کسی کو پیدا کیا گیا؟ لوگوں نے پوچھا: جو مردوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں ہیں؟ فرمایا: "ہاں مٹی میں ان کی مثالی شکلیں بنائی گئیں تو میں نے انہیں پہچان لیا جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے تمام نام جان لیے تھے"۔

میں نے کہا: سورۃ الانعام کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ ہر انسان کو اس قطعہ زمین کی مٹی سے پیدا کیا جاتا ہے جس میں اسے دفن کیا جاتا ہے۔ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ یہ جنین کی جمع ہے اس سے مراد وہ بچہ ہے جب تک پیٹ میں ہوتا ہے۔ اسے جنین اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ پوشیدہ ہوتا ہے۔

مکحول نے کہا: ہم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں جنین تھے تو ہم میں سے گر گیا جو گر گیا اور ہم باقی رہنے والوں میں سے تھے پھر ہم دودھ پیتے ہوئے بچے ہو گئے تو ہم میں سے ہلاک ہو گیا جو ہلاک ہو گیا اور ہم باقی رہنے والوں میں سے ہو گئے پھر ہم قریب البلوغ ہوئے تو ہلاک ہوا جو ہلاک ہوا تو ہم باقی رہنے والوں میں سے ہو گئے پھر ہم جوان ہو گئے تو ہلاک ہوا جو ہلاک ہوا اور ہم باقی رہنے والوں سے ہو گئے پھر ہم بوڑھے ہو گئے تیرا باپ نہ رہے اس کے بعد ہم کس کا انتظار کر رہے ہیں؟

ابن لہیعہ نے حرث بن یزید سے وہ ثابت بن حرث انصاری سے روایت نقل کرتے ہیں: جب یہود میں کا کوئی چھوٹا بچہ فوت ہوتا تو وہ کہتے: وہ صدیق ہے۔ یہ قول نبی کریم ﷺ تک پہنچا فرمایا: "یہودیوں نے جھوٹ بولا ہے جس بچے کو اللہ تعالیٰ اس کی ماں کے پیٹ میں پیدا کرتا ہے تو وہ شقی ہوتا ہے یا سعید ہوتا ہے" (2)۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ اپنی مدح نہ کرو اس کی ثنا نہ کرو کیونکہ یہ طریقہ ریاء سے دور اور خشوع کے زیادہ قریب ہے۔ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿32﴾ یعنی عمل کو جو خالص کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی حرمات سے بچنے والا ہے۔ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ ہر نفس کے بارے میں آگاہ تھا کہ وہ کیا عمل کرنے والا ہے اور کس طرف جانے والا ہے (3)۔ سورۃ نساء میں اس آیت کے معنی کے بارے میں کلام گزر چکی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ (النساء: 49) اسے وہاں پڑھئیے۔ حضرت ابن عباس

1۔ بعض نسخوں میں هل كان خلق آدم قبل كان احد ہے۔ بعض میں هل كان قبله احد ہے یعنی ان سے پہلے بھی کسی انسان کو تخلیق کیا گیا ہے۔

2۔ اسباب النزول للواحدی، سورۃ النجم، صفحہ 332 — 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 402

بعض نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اس امت کے کسی فرد کا میں تزکیہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ۝ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ۝ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ۝

”کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا جس نے روگردانی کی اور تھوڑا سا مال دیا پھر کنجوس بن گیا۔ کیا اس کے پاس علم غیب ہے اور وہ دیکھ رہا ہے“۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ۝ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ۝ جب اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کرنے میں مشرکین کی جہالت کو بیان کیا تو ان میں سے ایک معین شخص کو اس کے برے فعل کے ساتھ ذکر کیا۔ مجاہد، ابن زید اور مقاتل نے کہا: یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی (1) اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اتباع کی تو بعض مشرکوں نے اسے عار دلائی اور کہا: تو نے اپنے آباء کے دین کو کیوں چھوڑ دیا، انہیں گمراہ قرار دیا اور تو نے گمان کیا کہ وہ جہنم میں ہیں؟ اس نے کہا میں اللہ کے عذاب سے ڈر گیا ہوں۔ تو اس مشرک نے کہا: اگر وہ اپنے مال میں سے کچھ اسے دے دے اور شرک کی طرف واپس لوٹ آئے تو وہ ولید کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اٹھا لے گا۔ ولید نے اپنے مال میں سے کچھ اسے دیا جس نے ضمانت اٹھائی پھر بخل سے کام لیا اور باقی کو روک لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

مقاتل نے کہا: ولید نے قرآن کی تعریف کی پھر تعریف کرنے سے رک گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا وَاَعْطٰى قَلِيْلًا یعنی اپنی زبان سے کچھ بھلائی کی (2)۔ وَّاَكْدٰى یعنی اسے قطع کر دیا اور اس سے رک گیا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کا وعدہ دیا پھر منہ پھیر لیا تو یہ آیت نازل ہوئی: اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى۔

حضرت ابن عباس، سدی، کلبی اور مسیب بن شریک نے کہا: یہ آیت حضرت عثمان بن عفان کے حق میں نازل ہوئی۔ وہ بھلائی کے کاموں میں مال صدقہ کرتے اور خرچ کیا کرتے تھے آپ کو ان کے رضاعی بھائی عبد اللہ بن ابی سرح نے کہا: یہ تم کیا کرتے ہو؟ ممکن ہے کوئی چیز آپ کے لیے باقی نہ بچے۔ حضرت عثمان غنی نے کہا: میرے گناہ اور خطائیں ہیں جو کچھ میں کرتا ہوں اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتا ہوں اور اس کی معافی کی امید رکھتا ہوں۔

حضرت عبد اللہ نے انہیں کہا: یہ اونٹنی اس کے کجاوے کے ساتھ مجھے دے دو میں تیری جانب سے تمام گناہ اٹھا لوں گا۔ حضرت عثمان نے اسے وہ اونٹنی عطا کر دی اور اس پر گواہ بنا لیا اور جو صدقہ کیا کرتے تھے اس میں سے بعض سے رک گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہی فضل و احسان دوبارہ شروع کر دیا؛ واحدی اور ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے (3)۔ سدی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل سہمی کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہ کبھی کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کیا کرتا تھا (4)۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: یہ آیت ابوجہل بن ہشام کے بارے میں نازل ہوئی اس نے کہا: اللہ کی قسم! (حضرت) محمد مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى کا یہی مفہوم ہے۔ ضحاک نے

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 333
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 254
3۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 706
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 402

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان آدمی کو اپنے بھائی، اپنے بیٹے اور اپنے باپ کے بدلے میں پکڑ لیا جاتا تھا؛ یہ ہذیل بن شرحبیل نے کہا ہے۔ ان یہ مثقلہ سے مخففہ ہے اس کا محل جر ہے کیونکہ یہ ما کا بدل ہے یا یہ محل رفع میں ہے کیونکہ ضمیر مضمر ہے۔

سعید بن جبیر اور قتادہ نے وفٰی پڑھا یعنی شد کے بغیر پڑھا۔ اس کا معنی ہے وہ اپنے قول اور عمل میں سچا ہے۔ یہ جماعت کی قرات کی طرف راجع ہے جو وفّٰی ہے یعنی اس پر جو فرض کیا گیا اس نے ان سب کو ادا کیا اس نے ان میں سے کسی چیز کو نہ چھوڑا۔ یہ سورۂ بقرہ آیت 124 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ میں گزر چکی ہے۔ توفیہ کا معنی مکمل کرنا ہے۔ ابوبکر وراق نے کہا: جس امر کا دعویٰ کیا اس کی شرط کو ادا کیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ (بقرہ) اللہ تعالیٰ نے ان سے اس کے دعویٰ کی صحت کا مطالبہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے مال، اولاد، ذات میں آزمایا تو انہیں پورا کرنے والا پایا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤى ﴿۳۷﴾ کا یہی مفہوم ہے یعنی اسلام کا دعویٰ کیا پھر اپنے دعویٰ کو سچ کر دکھایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے ہر روز دن کے شروع میں چار رکعات ادا کر کے اپنے عمل کو پورا کیا (1)۔ ہیثم نے اسے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے۔

سہل بن سعد ساعدی نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے: کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم کو اس صفت کے ساتھ کیوں ذکر کیا الَّذِیْ وَفّٰۤى کیونکہ وہ صبح اور شام کو کہا کرتے تھے: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ (الروم) سہل بن معاذ نے یہ حضرت انس سے وہ اپنے باپ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وفّٰی سے مراد ہے جس کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا ہے اس کو پورا کیا۔ وہ یہ فرمان ہے: اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ایک آدمی کو غیر کے گناہ کے بدلے میں پکڑ لیا کرتے تھے قتل اور زخم لگانے کی صورت میں وہ ولی کو دوسرے کے بدلے میں پکڑ لیتے تھے (2)۔ ایک آدمی کو اس کے باپ، اس کے بیٹے، اس کے بھائی، اس کے چچا، اس کے ماموں، اس کے چچا زاد بھائی، اس کے قریبی رشتہ دار، اس کی بیوی، اس کے خاوند اور اس کے غلام کے بدلے میں پکڑ لیا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا: اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾

حضرت حسن بصری، قتادہ اور سعید بن جبیر نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وفّٰی کے بارے میں کہا: جو آپ کو حکم دیا گیا اس پر عمل کیا اور اپنے رب کے پیغامات کو پہنچایا (3)۔ یہ تعبیر بہت اچھی ہے کیونکہ یہ عام ہے: مجاہد نے بھی اسی طرح کہا ہے: جو آپ پر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 427 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 205 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 88

فرض کیا گیا اس کو پورا پورا ادا کیا(1)۔ ابو مالک غفاری نے کہا: اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى سے لے کر فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ تک حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں ہے۔ سورۂ انعام آیت 164 کے ترجمہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے(2) کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ (الطور: 21) کے ساتھ منسوخ ہے تو قیامت کے روز بچے کا باپ اپنے میزان کے پاس موجود ہوگا اللہ تعالیٰ آباء کو بیٹوں کے حق میں اور بیٹوں کو آباء کے حق میں شفیع بنائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا (النساء: 11)

اکثر علماء نے کہا: یہ آیت محکم ہے کسی کو دوسرے کا عمل نفع نہ دے گا۔ علماء کا اس پر اجماع ہے کوئی آدمی دوسرے کی جانب سے نماز نہیں پڑھے گا۔ امام مالک نے روزہ، حج اور صدقہ میت کی جانب سے جائز قرار نہیں دیا مگر آپ نے کہا: اگر اس نے حج کی وصیت کی اور فوت ہو گیا تو اس کی جانب سے حج کرنا جائز ہے۔ امام شافعی اور دوسرے علماء نے میت کی جانب سے نفلی حج کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کی جانب سے اعتکاف کیا اور ان کی طرف سے غلام آزاد کیا۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: میری ماں فوت ہو گئی ہے کیا میں اس کی طرف سے صدقہ کروں؟ فرمایا: "ہاں"۔ عرض کی: کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: "پانی پلانا"(3) یہ تمام بحث سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ اعراف میں مفصل گزر چکی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى یہاں لام مجرور ہے عربی زبان میں یہ کسی شی کی ملکیت اور ثابت کرتا ہے انسان کے لیے وہی ثابت ہوتا ہے جو وہ کوشش کرتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ بچوں کو عمل کے بغیر جنت میں داخل فرماتا ہے۔ ربیع بن انس نے کہا: وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى یہ حکم کافر کے لیے ہے(4) جہاں تک مومن کا تعلق ہے اس کے لیے اس کا اپنا عمل اور غیر کا اس کے لیے عمل ہے۔

میں کہتا ہوں: بے شمار احادیث اس قول پر دلالت کرتی ہیں کہ مومن کو غیر کی جانب سے عمل صالح کا ثواب پہنچتا ہے جو آدمی غور و فکر کرتا ہے اس کے لیے ان میں سے کثیر روایات گزر چکی ہیں۔ صدقہ میں کوئی اختلاف نہیں جس طرح حضرت عبداللہ بن مبارک سے مسلم شریف کے مقدمہ میں روایت گزری ہے۔ صحیح میں ہے: "جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے صرف تین عمل باقی رہتے ہیں"(5) اس میں ایک یہ ہے: نیک بچہ اس کے حق میں دعا کرتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل و احسان ہے جس طرح کسی کا گناہ نہ کرنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلے میں اس سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 205
2۔ ایضاً
3۔ سنن نسائی، فضل الصدقۃ عن المیت، ذکر الاختلاف علی سفیان، جلد 2، صفحہ 133
4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 206
5۔ صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، ما یلحق الانسان من الثواب، جلد 2، صفحہ 41

سے محروم۔ ضحاک نے کہا: زمین کو نباتات کے ذریعے ہنسایا اور آسمان کو بارش کے ذریعے رلایا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: درختوں کو کلیوں کے ساتھ ہنسایا اور بادلوں کو بارش کے ساتھ رلایا۔ حضرت ذوالنون نے کہا: مومنوں اور عارفین کے دلوں کو اپنی معرفت کے سورج کے ساتھ ہنسایا اور نافرمانوں کو ناراضگی کے ساتھ رلایا۔ محمد بن علی ترمذی نے کہا: مومن کو آخرت میں ہنسایا اور اسے دنیا میں رلایا۔ بسام بن عبداللہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے دانتوں کو ہنسایا اور ان کے دلوں کو رلایا اور یہ شعر پڑھا:

السِّنُّ تَضْحَكُ وَالْأَحْشَاءُ تَحْتَرِقُ ۔۔۔ وَإِنَّمَا ضِحْكُهَا زُوْرٌ وَمُخْتَلَقُ

يَا رُبَّ بَاكٍ بِعَيْنٍ لَا دُمُوْعَ لَهَا ۔۔۔ وَرُبَّ ضَاحِكِ سِنٍّ مَا بِهِ رَمَقُ

دانت ہنستے ہیں اور انتڑیاں جلتی ہیں بے شک ہنسنا جھوٹ اور بناوٹی ہے۔ کتنے ہی ایسی آنکھ سے روتے ہیں جن کے آنسو نہیں ہوتے کتنے ہی دانتوں سے ہنستے ہیں جن میں زندگی کی رمق نہیں ہوتی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانوں سے انسان کو ہنسنے اور رونے کے ساتھ خاص کیا ہے انسان کے علاوہ کوئی ہنستا اور روتا نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صرف بندر ہنستا ہے روتا نہیں اور صرف اونٹ روتا ہے ہنستا نہیں۔ یوسف بن حسین نے کہا: طاہر مقدسی سے پوچھا گیا کیا فرشتے ہنستے ہیں؟ جواب دیا: وہ اور عرش کے نیچے جو کچھ ہے جب سے جہنم کو پیدا کیا گیا ہے وہ نہیں ہنسے۔

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ﴿﴾ اس نے موت اور حیات کے اسباب کا فیصلہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: موت و حیات کو پیدا کیا جس طرح فرمایا الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ (ملک: 2) یہ ابن بحر کا قول ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کافر کو کفر کے ساتھ موت دی اور مومن کو ایمان کے ساتھ زندہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ (انعام: 122) فرمایا: اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔ وَ الْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ (انعام: 36) جس طرح پہلے گزر چکا ہے: عطا کا قول بھی اسی طرف لوٹتا ہے اپنے عدل کے ساتھ مارا اور اپنے فضل کے ساتھ زندہ کیا۔ اور اس کا قول بھی اسی طرف لوٹتا ہے جس نے کہا: روکنے اور بخل کرنے کے ساتھ موت دی اور سخاوت اور مال خرچ کرنے کے ساتھ زندہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نطفہ کو موت دی اور روح کو زندہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آبا کو موت دی اور بیٹوں کو زندہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: حیات سے مراد سرسبزی اور موت سے مراد خشک سالی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نیند دی اور بیدار کیا۔ ایک قول یہ کیا: کہا دنیا میں موت دی اور دوبارہ اٹھانے کے لیے زندہ کیا۔

وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ﴿﴾ مراد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے یہاں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا مراد نہیں کیونکہ مذکر و مونث نطفہ سے پیدا کیے گئے ہیں (جب کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی تخلیق نطفہ سے نہیں ہوئی) نطفہ سے مراد قلیل پانی ہے یہ نطف ینطف سے مشتق ہے جب وہ قطرہ قطرہ گرے۔ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿﴾ جسے رحم میں ٹپکایا جاتا ہے اور بہایا جاتا ہے۔ کلبی، ضحاک اور عطا بن ابی رباح نے کہا: یہ جملہ کہا جاتا ہے: منی الرجل و أمنى (3)۔ منی سے مشتق

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 256 | 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 404 | 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 405

ایک قول یہ کیا گیا: اَغْنٰى وَ اَقْنٰى اس کی ذات کو غنی کیا اور اپنی مخلوق کو اس کا محتاج بنا دیا (1)؛ یہ سلیمان تیمی نے کہا۔ سفیان نے کہا: قناعت کے ساتھ غنی کیا اور رضا کے ساتھ سکون عطا کیا (2)۔ اخفش نے کہا: اقنی یعنی محتاج کیا۔ ابن کیسان نے کہا: اسے اولاد دی۔ یہ قول تمام پہلے اقوال کی طرف راجع ہے۔

وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ شعریٰ ایسا روشن ستارہ ہے جو جوزاء کے ساتھ طلوع ہوتا ہے اس کا طلوع سخت گرمی میں ہوتا ہے۔ دونوں شعریٰ ہیں عبور جو جوزاء میں ہوتا ہے شعریٰ غمیصاء جو ذراع میں ہوتا ہے۔ عرب گمان کرتے ہیں کہ یہ دونوں سہیل کی بہنیں ہیں۔ یہ ذکر کیا کہ وہ شعریٰ کا رب ہے اگرچہ وہ دوسروں کا بھی رب ہے کیونکہ عرب شعریٰ کی تعظیم بجا لاتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ شعریٰ رب نہیں مربوب ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ کون اس کی عبادت کرتا تھا؟ سدی نے کہا: حمیر اور خزاعہ قبیلہ اس کی عبادت کرتا تھا۔ دوسرے علماء نے کہا: سب سے پہلے جس نے اس کی عبادت کی وہ ابو کبشہ تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امہات کی جانب سے اجداد میں شامل تھا اس وجہ سے قریش کے مشرکوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کا نام دیا جب آپ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور ان کے دینوں کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا: ہم نے ابن ابی کبشہ سے کیا پایا ہے؟ ابو سفیان نے فتح مکہ کے روز کہا تھا جب کہ وہ ایک تنگ راستہ میں کھڑا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر اس کے پاس سے گزر رہے تھے: لقد امر امر ابن ابی کبشۃ ابن ابی کبشہ کا امر قوی ہو گیا۔ جو عرب شعریٰ کی پوجا کرتے تھے وہ اس کی تعظیم کرتے اور عالم میں اس کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے تھے: شاعر نے کہا:

مَضَى أَيْلُولُ وَارْتَفَعَ الْحَرُورُ   وَأَخْبَتْ نَارَهَا الشِّعْرَى الْعَبُورُ (3)

ماہ ستمبر گزر گیا اور گرمی ختم ہو گئی اور شعریٰ عبور نے اس کی آگ کو بجھا دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرب اپنی خرافات میں کہتے ہیں کہ سہیل اور شعریٰ میاں بیوی تھے۔ سہیل نیچے اترا تو وہ یمانی ہو گیا شعریٰ عبور نے اس کا پیچھا کیا اور کہکشاں کو عبور کیا تو اس کا نام عبور ہو گیا۔ غمیصاء کھڑی ہوئی اور سہیل کے گم ہونے پر وہ روئی یہاں تک کہ اس کی آنکھیں کیچڑ بہانے لگیں تو اس کا نام غمیصاء ہو گیا کیونکہ یہ دوسرے سے زیادہ مخفی ہوتا ہے۔ وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ا۟لْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ اس کا نام اولیٰ رکھا کیونکہ یہ ثمود سے پہلے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ثمود عاد سے پہلے تھے۔ ابن زید نے کہا: اسے عاد اولیٰ کہا گیا کیونکہ یہ پہلی امت تھی جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہلاک ہو گئی۔ ابن اسحاق نے کہا: وہ دونوں عاد تھیں پہلی قوم عاد کو ریح صرصر (شدید ہوا) سے ہلاک کیا گیا پھر دوسری قوم عاد تھی اسے چیخ کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: عاد اولیٰ وہ عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح تھی اور دوسری عاد، عاد اولیٰ کی اولاد میں سے تھی۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: دوسری قوم عاد جبارون تھے وہی قوم ہود تھی۔ عام قرأت عادا الاولیٰ ہے یعنی تنوین اور ہمزہ کو واضح کیا گیا ہے۔ نافع، ابن محیصن اور ابو عمرو نے عادا الاولی پڑھا ہے یعنی ہمزہ کی حرکت لام کو دی اور نون تنوین کو اس میں

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 405   2۔ ایضاً   3۔ ایضاً

ہنس رہے ہو اور روتے نہیں اور تم نے کھیل مذاق بنا رکھا ہے۔ پس سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی عبادت کیا کرو"۔

هٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ ۝ ابن جریج اور محمد بن کعب نے کہا: اس سے یہ ارادہ کیا ہے (1) کہ حضرت محمد ﷺ حق کے ساتھ خبردار کرنے والے ہیں جس کے ساتھ آپ سے پہلے انبیاء نے ڈرایا۔ اگر تم نے آپ کی اطاعت کی تو تم کامیاب ہو جاؤ گے بصورت دیگر تم پر وہی عذاب نازل ہوگا جو تم سے قبل رسولوں کو جھٹلانے والوں پر نازل ہوا۔ قتادہ نے کہا: مراد قرآن ہے یہ اس چیز کے ساتھ خبردار کرنے والا ہے جس کے ساتھ سابقہ کتابوں نے خبردار کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے سابقہ امتوں کی جو خبریں دی ہیں کہ وہ ہلاک ہوئے یہ اس امت کو ڈرانا ہے کہ ان پر بھی وہی عذاب نازل ہو سکتا ہے جو ان قوموں پر عذاب نازل ہوا۔ نذیر قوم عرب میں انذار کے معنی میں ہے جس طرح نکیر، انکار کے معنی میں ہے یعنی یہ تمہیں ڈرانا ہے۔ ابو مالک نے کہا: یہ سابقہ امتوں کے واقعات جن کے ساتھ تمہیں خبردار کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں ہیں۔ سدی نے کہا: مجھے ابو صالح نے خبر دی ہے یہ کلمات جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ۝ وَإِبْرَاهِيمَ سے لے کر هٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ تک سب حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں۔

أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ۝ قیامت قریب ہو گئی۔ اسے آزفہ کا نام دیا کیونکہ اس کے نزدیک یہ قریب ہی واقع ہوگی جس طرح فرمایا: إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ۝ (المعارج) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے آزفہ کا نام دیا گیا کیونکہ یہ لوگوں کے قریب ہے اسے لوگوں کے قریب کیا تاکہ وہ اس کی تیاری کریں کیونکہ وہ امر جو واقع ہو کر رہنے والا ہوتا ہے وہ قریب ہوتا ہے جس طرح کہا: أزف الترحل کوچ قریب آ گیا۔

صحاح میں ہے: أزف الترحل يأزف أزفا یعنی کوچ قریب آ گیا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ۝ قیامت قریب آ گئی۔ أزف الرجل فهو آزف، آزف یہ فاعل کا وزن ہے۔ متآزف القصير وہی جو قریب ہو۔ ابو زید نے کہا: میں نے ایک بدو سے پوچھا: ما المحبنطئ؟ اس نے جواب دیا: المتكأكئ۔ میں نے پوچھا: ما المتكأكئ؟ اس نے جواب دیا: المتآزف۔ میں نے پوچھا: ما المتآزف؟ اس نے جواب دیا: تو احمق ہے اور چلا گیا۔

لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۝ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اسے پیچھے یا آگے کرنے والا نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: كَاشِفَةٌ کا معنی انکشاف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اسے ظاہر کرنے والا نہیں۔ كَاشِفَةٌ اسم ہے جو مصدر کے معنی میں ہے اس میں ہ اسی طرح ہے جس طرح عاقبہ، عافیہ، داہیہ اور باقیہ میں ہے جس طرح عربوں کا قول ہے: ما لفلان من باقية یہاں باقية بقاء کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کوئی بھی اسے نہیں لوٹائے گا یعنی جب قیامت برپا ہوگی تو ان کے معبودوں میں سے کوئی اسے دور نہیں کرے گا اور اس کے سوا کوئی انہیں نجات نہیں دے گا۔ قیامت کو غاشیہ کا نام دیا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 408

ہے جب یہ غاشیہ ہے تو اس کا ازالہ کرنا کشف ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر کاشفہ موصوف محذوف کی صفت ہوگی تقدیر کلام یہ ہوگی
نفس کاشفة، فرقة کاشفة، حال کاشفة۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کاشفہ، کاشف کے معنی میں ہے۔ ھاء مبالغہ کے لیے
ہے جس طرح راویة اور داھیة ہے۔

أَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ اس سے مراد قرآن ہے۔ یہ استفہام توبیخ کے لیے ہے۔ تَعْجَبُوْنَ ﴿59﴾ اس کو جھٹلاتے ہوئے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے، استہزاء کرتے ہوئے، ہنستے ہوئے اور وعید سے ڈرتے ہوئے روتے نہیں۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا بلکہ صرف آپ تبسم کرتے (1)۔

حضرت ابوہریرہ نے کہا: جب أَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿59﴾ آیت نازل ہوئی تو اہل صفہ نے کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پھر وہ رونے لگے یہاں تک کہ ان کے آنسو ان کے رخساروں پر بہہ پڑے جب نبی کریم ﷺ نے ان کے رونے کو سنا تو آپ کے ساتھ روتے اور ہم آپ کے رونے کی وجہ سے روتے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا یلج النار من بکی من خشیة الله ولا یدخل الجنة مصر علی معصیة الله ولو لم تذنبوا لذهب الله بکم ولجاء بقوم یذنبون فیغفر لهم ویرحمهم إنه هو الغفور الرحیم (2) جو آدمی اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے رویا وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مصر رہا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے گا اور ایک ایسی قوم لے آئے گا جو گناہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا بے شک وہ غفور رحیم ہے۔

ابو حازم نے کہا: حضرت جبریل امین نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ ان کے پاس ایک آدمی رو رہا تھا۔ جبریل امین نے پوچھا: یہ کون ہے؟ فرمایا: "یہ فلاں ہے"۔ حضرت جبریل امین نے کہا: ہم انسان کے تمام اعمال کا وزن کرتے ہیں صرف رونے کا وزن نہیں کرتے بے شک اللہ تعالیٰ ایک آنسو سے جہنم کے سمندروں کو بجھا دیتا ہے۔

وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿61﴾ تم لاپرواہی کرنے والے اور اعراض کرنے والے ہو (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جسے والبی اور عوفی نے آپ سے روایت کیا ہے عکرمہ نے ان سے روایت کیا حمیری لغت میں اس کا معنی گانا گانا ہے (4): یہ جملہ کہا جاتا ہے: اسمُدْ لنا ہمارے لیے گانا گاؤ جب وہ قرآن پڑھتے ہوئے سنتے تو وہ گانا گانا شروع کر دیتے اور کھیل کود میں شروع ہو جاتے تاکہ وہ اسے نہ سن سکیں۔ ضحاک نے کہا: سامدون کا معنی متکبرین ہے۔ صحاح میں ہے سمد اس نے تکبر کی وجہ سے اپنا سر اٹھایا۔ ہر سر اٹھانے والا سامد ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا:

سَوَامِدُ اللَّيْلِ خِفَافُ الْأَزْوَادِ

اس مصرعہ میں سوامد کا معنی سر اٹھانے والے کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: ان کے پیٹوں میں چارہ نہیں۔ ابن اعرابی نے کہا: سمدت سمودا کا معنی ہے میں بلند ہوا۔ سمدت الابل فی سیرها اس نے تیزی دکھائی۔ السمود کا معنی لہو ہے۔ السامد، لہو و لعب کرنے والا۔ لونڈی کو کہا جاتا ہے: اسمدینا گانے کے ساتھ ہمارا دل بہلاؤ۔ تسمید الارض سے مراد ہے کہ اس میں کھاد

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 430
2۔ شعب الایمان، باب فی الخوف من اللہ تعالیٰ، جلد 1، صفحہ 489، حدیث 738
3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 250
4۔ ایضاً

ذلیل ہو جائے۔ تسمید الرأس سے مراد ہے اس کے بالوں کو جڑ سے اکھیڑ دینا۔ یہ تسمید میں ایک لغت ہے۔ اسماد الرجل اسمد اذا غضب کی وجہ سے اس کا جسم سوج گیا۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سٰمِدُوْنَ کا معنی ہے کہ وہ نماز پڑھے بغیر بیٹھتے ہیں اور نماز کا انتظار بھی نہیں کرتے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ امام کے کھڑا ہونے سے پہلے کھڑے ہو جاتے ہیں (1)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ آپ نکلے تو لوگ کھڑے ہو کر انتظار کر رہے تھے فرمایا: مالی اراکم سامدین کیا وجہ ہے میں تمہیں کھڑے ہو کر انتظار کرتے ہوئے دیکھتا ہوں: ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے (2)۔ مہدوی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نماز کے لیے نکلے تو لوگوں کو کھڑے ہوئے انتظار کرتے ہوئے دیکھا فرمایا: مالکم سامدون: یہ مہدوی کا قول ہے۔ لغت میں معروف یہ ہے سَمَدَ یَسْمُدُ سُمُوْدًا جب وہ لاپرواہی اور اعراض کرے۔ مبرد نے کہا: سامدون کا معنی ہے خامدون یعنی ٹھنڈے۔

صالح ابو خلیل نے کہا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ۝ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ۝ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ۝ کو پڑھا تو وصال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنستے ہوئے نہ دیکھا گیا آپ صرف تبسم فرماتے تھے: نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے۔

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد سجدہ تلاوت ہے (3)؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے بھی یہی کہا ہے۔ سورت کے آغاز میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث گزر چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ کیا اور مشرکوں نے بھی ساتھ ہی سجدہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس لیے سجدہ کیا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ کی قرأت کی تو مشرکوں نے اس موقع پر شیاطین کی آوازوں کو سنا کہ آپ نے کہا: تلك الغرانيق العلى وشفاعتهن ترتجی۔ سعید بن جبیر کی روایت میں اسی طرح ترتجی ہے۔ ابو العالیہ کی روایت میں ہے وشفاعتهن ترتضی ومثلهن لا ينسى ہے مشرک اس سے خوش ہو گئے انہوں نے گمان کیا کہ یہ بھی (حضرت) محمد کا قول ہے جس کی وضاحت سورۃ حج میں گزر چکی ہے۔ جب یہ خبر حبشہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو پہنچی تو وہ لوٹ آئے کیونکہ انہوں نے گمان کیا تھا کہ اہل مکہ ایمان لے آئے ہیں اہل مکہ نے ان پر سختی کی اور انہیں سخت اذیتیں دیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مصائب سے چھٹکارا دلایا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد نماز میں فرض سجدہ ہے: یہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے آپ اسے لازم سجدہ (سجدہ تلاوت) خیال نہیں کرتے تھے امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری معمول یہ تھا کہ آپ نے مفصل سورتوں میں سجدہ کرنے کو ترک کر دیا تھا۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے اس کے بارے میں گفتگو سورۃ اعراف کے آخر میں مفصل گزر چکی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 407　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

سورۃ القمر

﴿ آیاتہا ٥٥ ﴾ ﴿ سورۃ القمر مکیۃ ٣٧ ﴾ ﴿ رکوعاتہا ٣ ﴾

جمہور کے قول کے مطابق تمام سورت مکی ہے۔ مقاتل نے کہا: مگر تین آیات مکی نہیں (1) اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ نَحۡنُ جَمِیۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ ۝ سَیُہۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَ یُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَۃُ مَوۡعِدُہُمۡ وَ السَّاعَۃُ اَدۡہٰی وَ اَمَرُّ ۝ یہ قول صحیح نہیں جس طرح اس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَ انۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۝ وَ اِنۡ یَّرَوۡا اٰیَۃً یُّعۡرِضُوۡا وَ یَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ۝ وَ کَذَّبُوۡا وَ اتَّبَعُوۡۤا اَہۡوَآءَہُمۡ وَ کُلُّ اَمۡرٍ مُّسۡتَقِرٌّ ۝ وَ لَقَدۡ جَآءَہُمۡ مِّنَ الۡاَنۡۢبَآءِ مَا فِیۡہِ مُزۡدَجَرٌ ۝ حِکۡمَۃٌۢ بَالِغَۃٌ فَمَا تُغۡنِ النُّذُرُ ۝ فَتَوَلَّ عَنۡہُمۡ ۘ یَوۡمَ یَدۡعُ الدَّاعِ اِلٰی شَیۡءٍ نُّکُرٍ ۝ خُشَّعًا اَبۡصَارُہُمۡ یَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ کَاَنَّہُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌ ۝ مُّہۡطِعِیۡنَ اِلَی الدَّاعِ ؕ یَقُوۡلُ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا یَوۡمٌ عَسِرٌ ۝

"قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا۔ اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں یہ بڑا زبردست جادو ہے۔ اور انہوں نے جھٹلایا (رسول خدا کو) اور پیروی کرتے رہے اپنی خواہشات کی اور ہر کام کے لیے ایک انجام ہے۔ اور پہنچ چکی ہیں ان کے پاس (پچھلی قوموں کی بربادی کی) اتنی خبریں جن میں بڑی عبرت ہے (وہ خبریں) سراسر حکمت ہیں پس ڈرانے والے نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ پس آپ رخ انور پھیر لیجئے ان سے۔ جس روز بلائے گا (انہیں) بلانے والا ایک ناگوار چیز کی طرف۔ خوف سے ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی قبروں سے یوں نکلیں گے جیسے وہ پراگندہ ٹڈیاں ہیں۔ دوڑتے ہوئے بھاگے جا رہے ہوں گے بلانے والے کی طرف۔ کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے۔"

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَ انۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۝ اِقۡتَرَبَتۡ یعنی قریب آگئی۔ اَزِفَتِ الۡاٰزِفَۃُ ۝ (النجم) کی مثل ہے جس طرح ہم نے اسے بیان کیا ہے جو وقت گزر گیا ہے اس کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر یہ قریب ہے کیونکہ دنیا کا اکثر وقت گزر چکا ہے جس طرح قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہا: رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا جب کہ سورج غروب ہونے کے قریب تھا (2) فرمایا: "دنیا میں سے جو باقی ہے اس کی گزرے ہوئے وقت کے ساتھ وہی نسبت ہے جس طرح اس دن کے باقی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 408　　2۔ محرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 211

زمانہ قیامت کی نسبت گزرے ہوئے وقت کے ساتھ جو نسبت ہے"۔ ہم سورج کو تھوڑا سا باقی دیکھ رہے تھے۔ کعب اور وہب نے کہا: دنیا کا زمانہ چھ ہزار سال ہے۔ وہب نے کہا: ان میں سے پانچ ہزار چھ سو سال گزر چکے ہیں۔ نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے۔

وَانْشَقَّ الْقَمَرُ یعنی قد انشق القمر چاند پھٹ چکا ہے۔ حضرت حذیفہ نے اسی طرح اقتربت الساعۃ وقد انشق القمر پڑھا ہے۔ یعنی قد کو زائد کیا ہے۔ جمہور علماء اسی پر ہیں۔ صحیح بخاری اور دوسری کتب میں حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت انس، حضرت جبیر بن مطعم اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے۔ حضرت انس سے روایت مروی ہے: اہل مکہ نے نبی کریم ﷺ سے معجزہ کا مطالبہ کیا تو مکہ مکرمہ میں چاند دو دفعہ پھٹا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ (1) امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بخاری کے ہاں حضرت انس سے یہ الفاظ مروی ہیں: چاند دو حصوں میں تقسیم ہو گیا (2)۔ ایک قوم نے کہا: ابھی تک چاند پھٹا نہیں بلکہ اس کے پھٹنے کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ یعنی قیامت اور چاند کا پھٹنا قریب ہے اور قیامت جب قائم ہوگی تو آسمان اور اس میں جو کچھ ہے سب پھٹ جائیں گے۔ قشیری نے یہی کہا ہے۔

ماوردی نے یہ ذکر کیا ہے۔ یہ جمہور علماء کا قول ہے اور کہا: جب وہ پھٹے گا تو ہر کوئی اسے دیکھ لے گا کیونکہ یہ ایک نشانی ہے اور لوگ نشانیوں میں برابر ہیں (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قیامت قریب آ گئی جب وہ آ جائے گی تو چاند دوسرے نصف کے بعد پھٹ جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَانْشَقَّ الْقَمَرُ کا معنی ہے: امر واضح اور ظاہر ہو جائے گا۔ عرب اظہار امر کے لیے چاند کے ساتھ ضرب المثل بیان کرتے تھے: شاعر نے کہا:

أَقِيمُوا بَنِي أُمِّي صُدُورَ مَطِيِّكُمْ　فَإِنِّي إِلَى حَيٍّ سِوَاكُمْ لَأَمْيَلُ
فَقَدْ حُمَّتِ الْحَاجَاتُ وَاللَّيْلُ مُقْمِرٌ　وَشُدَّتْ لِطِيَّاتٍ مَطَايَا وَأَرْحُلُ

اے میری ماں کے بیٹو! اپنی سواریوں کے سینے سیدھے کر لو میں تمہارے سوا کسی اور قبیلہ کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہوں حاجات مقرر ہیں اور رات روشن ہے اور سواریاں اور کجاوے سفروں کے لیے تیار ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انْشَقَّ الْقَمَرُ سے مراد چاند سے تاریکی کا چھٹ جانا ہے جب وہ تاریکی کے دوران طلوع ہو اسی طرح صبح کو فلق کہتے ہیں کیونکہ اس سے تاریکی پھٹ جاتی ہے۔ بعض اوقات انفلاق کو انشقاق سے تعبیر کرتے ہیں۔ نابغہ نے کہا:

فَلَمَّا أَدْبَرُوا وَلَهُمْ دَوِيٌّ　دَعَانَا عِنْدَ شَقِّ الصُّبْحِ دَاعِ

جب انہوں نے پیٹھ پھیر لی اور ان کی آواز آ رہی تھی تو صبح ہونے کے وقت ایک بلانے والے نے ہمیں بلایا۔

میں کہتا ہوں: احادیث جو عادل راویوں سے مروی ہیں ان سے یہ بات ثابت ہے کہ چاند مکہ مکرمہ میں پھٹا۔ یہی اس

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 161
2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، قولہ انشق القمر، جلد 2، صفحہ 722
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 409

آیت کا ظاہر معنی ہے یہ لازم نہیں آتا کہ لوگ اس میں برابر ہوں، کیونکہ یہ ایسا معجزہ ہے جو رات کو ظاہر ہوا تھا۔ یہ امر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ظاہر ہوا تھا جب چیلنج کیا گیا تھا۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب بن ہاشم جب ایمان لائے کیونکہ ابو جہل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دی تھیں اس پر حضرت حمزہ غضبناک ہوئے تھے تو انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا معجزہ دکھائیں جس کے ساتھ ان کے ایمان و یقین کا اضافہ ہو۔

صحیح میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ انہیں کوئی معجزہ دکھائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چاند کو دو حصوں میں دکھایا (1) جس طرح حضرت ابن مسعود اور دوسرے راویوں کی حدیث گزری ہے۔

حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ انہوں نے مدائن میں خطبہ دیا فرمایا: خبردار! قیامت قریب آ چکی ہے اور چاند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پھٹ چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: انشق القمر واقتربت الساعۃ؛ یہ ابن کیسان کا قول ہے۔ فراء کا یہ قول گزر چکا ہے جب دو فعل معنی میں قریب قریب ہوں تو تمہیں ان میں تقدیم و تاخیر کا حق ہوتا ہے یہی قاعدہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں جاری ہوتا ہے: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۞ (النجم)

وَ اِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے چاند کو پھٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے انہوں نے کہا: اگر آپ سچے ہیں تو چاند کو دو حصوں میں چیر دو، اس کا نصف ابی قبیس پر ہو اور نصف قعیقعان پر ہو (2)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: "اگر میں ایسا کر دوں تو تم ایمان لے آؤ گے؟" انہوں نے کہا: ہاں۔ چودھویں کی رات تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے سوال کیا کہ انہوں نے جو مطالبہ کیا وہ عطا فرما دے تو چاند دو حصوں میں پھٹ گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کو ندا دے رہے تھے: "اے فلاں! اے فلاں! گواہ رہنا"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند پھٹ گیا (3)۔ قریش نے کہا: یہ ابن ابی کبشہ کا جادو ہے اس نے تم پر جادو کر دیا ہے قافلوں سے پوچھو۔ انہوں نے قافلہ والوں سے پوچھا انہوں نے جواب دیا: ہم نے چاند کو پھٹا ہوا دیکھا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ مراد ہے اگر وہ کوئی ایسی آیت دیکھیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دلیل ہو تو وہ ایمان لانے سے اعراض کر لیتے ہیں۔

وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۞ وہ کہتے ہیں: یہ ایسا جادو ہے جو ختم ہو جانے والا ہے۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے مر الشئی واستمر جب وہ ختم ہو جائے؛ یہ حضرت انس، قتادہ، مجاہد، فراء، کسائی اور ابو عبیدہ کا قول ہے: نحاس نے اسے پسند کیا ہے۔ ابو العالیہ اور ضحاک نے کہا: وہ محکم، قوی اور شدید ہے۔ یہ مرۃ سے مشتق ہے جس کا معنی قوت ہے۔

اخفش نے کہا: یہ امرار الحبل سے ماخوذ ہے جس کا معنی رسی کو بٹنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے کڑوا،

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب انشق القمر، جلد 2، صفحہ 722 ([illegible])

2۔ زاد المسیر، جلد 7، صفحہ 290

3۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 100

یہ مرارۃ سے ماخوذ ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: مر الشیء وصار مرا (1) اسی طرح یہ ہے مر الشیء یمر مرارۃ فھو مر وامرہ غیرہ و مرّرہ۔ ربیع نے کہا: مُّسْتَمِرٌّ کا معنی ہے نافذ۔ یمان نے کہا: معنی ہے گزر جانے والا۔ ابو عبیدہ نے کہا: معنی ہے باطل۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے ہمیشہ رہنے والا، اسی معنی میں مصرعہ میں یہ لفظ ہے

ولیس علی شیء قویم بمستمر

کوئی درست چیز دائمی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان میں سے بعض بعض کے مشابہ ہے یعنی (حضرت) محمد (ﷺ) کے احوال اسی طریقہ پر جاری و ساری ہیں۔ وہ کوئی ایسی چیز نہیں لاتے جس کی کوئی حقیقت ہو بلکہ سب تخیلات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زمین سے آسمان تک جا پہنچا ہے۔

وَ كَذَّبُوْا وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ انہوں نے ہمارے نبی کو جھٹلایا اور اپنی گمراہیوں اور پسندیدہ چیزوں کی اتباع کی۔ وَ كُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ۝ یعنی ہر عمل کے ساتھ اس کا عمل برقرار ہوگا بھلائی، بھلائی کرنے والے کے ساتھ جنت میں ثابت ہوگی اور شر شر کرنے والے کے ساتھ جہنم میں قائم ہوگی۔

شیبہ نے قاف کے فتحہ کے ساتھ مستقَر پڑھا ہے یعنی ہر شی کا وقت ہے جس میں بطور تقدیم و تاخیر کے واقع ہوگا۔ ابو جعفر قعقاع سے مروی ہے: وکل امر مستقِر یعنی قاف اور راء مکسور ہے۔ اسے امر کی نعت بنایا ہے اس تعبیر کی بنا پر کل مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور خبر محذوف ہو۔ گویا فرمایا: ہر امر جو ام الکتاب میں ثابت ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ الساعۃ پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہو۔ معنی ہوگا قیامت اور ہر ثابت شدہ امر قریب آگیا ہے یعنی قیامت کے روز امور کا استقرار قریب آگیا ہے۔ جس نے اسے رفع دیا ہے اس نے اسے کل کی خبر بنایا ہے۔

وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ یہاں مِنْ تبعیضیہ ہے اللہ تعالیٰ نے خبروں میں سے ان کا ذکر کیا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اس کے محتاج ہوں گے اور ان کے لیے اس میں شفاء ہے وہاں اس سے بھی زیادہ امور تھے۔ ہمارے اوپر ان کو ہی بیان کیا گیا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ہمیں اس کی حاجت ہے اور باقی سے خاموشی اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مقصود ہے۔ یعنی ان کفار تک سابقہ امتوں کی خبریں پہنچیں۔ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ۝ جو انہیں کفر سے جھڑکنے والی ہیں اگر وہ ان کو قبول کریں۔ یہ اصل میں مزتجر تھا اس کی تاء کو دال سے بدل دیا۔ کیونکہ تاء حرف مہموس ہے اور زاء حرف مجہور ہے تاء کو دال سے بدل دیا کیونکہ یہ مخرج میں زاء کے موافق ہے اور جہر میں زاء کے موافق ہے۔ مُزْدَجَرٌ یہ زجر سے مشتق ہے جس کا معنی رک جانا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: زجرته وازدجرته فانزجر وازدجر وزجرته انا فانزجر یعنی میں نے اسے روکا تو وہ رک گیا۔ جس طرح شاعر نے کہا اور یہ لفظ سابقہ معنی میں مستعمل ہے:

فاصبح ما یطلب الغانیات مزدجرا عن هواه ازدجارا

اسے مزدجر پڑھا گیا ہے تاء افتعال کو زاء سے بدلا اور زاء کو دال میں ادغام کر دیا۔ یہ زمخشری نے بیان کیا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 410

یہاں محل استدلال حسنٍ أوجههم ہے۔ خشعا یہ خاشع کی جمع ہے۔ اس کو نصب حال ہونے کی وجہ سے دی گئی ہے کیونکہ یہ منہم کی ضمیر سے حال ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر منہم پر وقف قبیح ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ یخرجون کی ضمیر سے حال ہو تو اس صورت میں منہم پر وقف کیا جا سکتا ہے۔ اسے خشعٌ ابصارُهم بھی پڑھا اس وقت یہ مبتدا اور خبر ہوں گے جملہ حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہوگا جس طرح یہ جملہ ہے:

وجدتہ حاضراہ الجود والکرم

میں نے اسے اس حال میں پایا کہ جود و کرم دونوں اس کے پاس حاضر تھے۔ محل استدلال حاضراہ الجود والکرم ہے۔

یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ اجداث سے مراد قبریں ہیں اس کا واحد جدث ہے كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۙ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ایک دوسرے موقع پر فرمایا: يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۙ (القارعہ) یہ دونوں مختلف اوقات میں ان کی صفات ہیں (۱) قبروں سے نکلتے وقت وہ گھبرا کر نکلیں گے انہیں کچھ پتہ نہ ہوگا کہ کدھر جا رہے ہیں تو ان میں سے بعض بعض میں داخل ہوں گے اس وقت وہ بکھری ہوئی پتنگوں کی طرح ہوں گے بعض بعض میں ہوں گے ان کی کوئی جہت نہ ہوگی جس کا وہ قصد کریں (۲) جب وہ منادی کو سنیں گے تو وہ منتشر ٹڈی دل کی طرح ہوں گے کیونکہ ٹڈی کی کوئی جہت نہیں ہوتی جس کا وہ قصد کرے۔ مُّهْطِعِيْنَ کا معنی ہے وہ جلدی کر رہے ہوں گے؛ یہ ابو عبیدہ کا قول ہے؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

بدجلةَ دارُهم ولقد أراهم　بدجلةَ مُهطِعين إلى السماع(1)

دجلہ میں ان کا گھر ہے میں انہیں دجلہ میں دیکھتا ہوں کہ وہ آواز کی طرف جلدی کر رہے ہیں۔

ضحاک نے کہا: معنی ہے وہ متوجہ ہوں گے۔ قتادہ نے کہا: وہ قصد کر رہے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ دیکھ رہے ہوں گے۔ عکرمہ نے کہا: وہ اپنے کانوں کو آواز کی طرف کھولے ہوں گے۔ سب کا معنی قریب ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے هطع الرجل يهطع هطوعا جب وہ اپنی آنکھ کے ساتھ کسی چیز کی طرف متوجہ ہو اس سے توجہ نہ ہٹائے اہطع جب اپنی گردن لمبی کرے اور سر کو نیچے کیا۔ شاعر نے کہا:

ونمرُ بنُ سعدٍ لي مُطيعٌ ومُهطِعُ

نمر بن سعد میرا مطیع ہے اور سر جھکائے ہوئے ہے۔

بعیر مُهطِع اس کی گردن میں پیدائشی جھکاؤ ہے۔ اہطع فی عدوہ اس نے دوڑ میں تیزی کی۔ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۙ مراد یوم قیامت ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَ قَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّ ازْدُجِرَ ۙ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۙ فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۙ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۙ وَ حَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ ۙ تَجْرِیْ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 411

اے میری دونوں آنکھو! کثیر آنسو بہاؤ صدمہ میں سے ہلاک ہونے والوں اور ان میں سے موجود افراد میں سے بہترین پر۔
ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی بہنے والا اچھلنے والا ہے۔ اسی معنی میں امرء القیس کا شعر ہے وہ بارش کی صفت بیان کرتا ہے:

راح تمریه الصبا ثم انتحى فيه شؤبوب جنوب منهمر (1)

محل استدلال جنوب منهمر ہے۔

الھمر کا معنی بہانا ہے یہ جملہ بولتے ہیں: ھمر الماء والدمع یھمر ھمرا اس نے پانی اور آنسو بہائے۔ ھمر کا یہ معنی بھی ہے جب وہ زیادہ گفتگو کرے اور تیز گفتگو کرے ھمر له من ماله جب وہ اسے عطا کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے ہم نے بادل کے بغیر آسمان کے دروازے تیز بہنے والے پانی سے کھول دیئے پھر چالیس دن تک بارش ختم نہ ہوئی۔ ابن عامر اور یعقوب نے ففتّحنا پڑھا ہے یعنی تا مشدد ہے یہ معنی کی کثرت پر دال ہے۔ باقی نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ پھر یہ قول کیا گیا ہے: اس نے آسمان کے پھاٹک اور کھلے راستوں کو کھول دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کہکشاں ہے یہ آسمان کا کھلا راستہ ہے اسی جگہ سے اسے کثیر بہنے والے پانی کے ساتھ کھولا گیا (2)۔ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا عبید بن عمیر نے کہا: اللہ تعالیٰ نے زمین کی طرف وحی کی کہ وہ پانی نکالے تو وہ چشموں کے ساتھ کھل گئی ایک چشمے نے تاخیر کی تو اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوا تو اس کا پانی قیامت تک شدید کڑوا بنا دیا گیا۔

فَالْتَقَى الْمَآءُ یعنی آسمان کا پانی اور زمین کا پانی مل گئے۔ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ ایک مقدار پر ان میں سے ایک دوسرے پر زائد نہیں (3)۔ اسے ابن قتیبہ نے بیان کیا ہے یعنی آسمان و زمین کا پانی برابر تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قدر کا معنی ہے ان پر فیصلہ کر دیا گیا۔ قتادہ نے کہا: جب انہوں نے کفر کیا تو ان کے بارے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ انہیں غرق کر دیا جائے۔ محمد بن کعب نے کہا: روزی جسموں سے پہلے تھی اور فیصلہ آزمائش سے پہلے تھا اور یہ آیت تلاوت کی کہا فالتقى الماء، الالتقاء دو یا زائد چیزوں میں ہوتا ہے کیونکہ پانی جمع بھی ہوتا ہے اور واحد بھی ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ جب وہ دونوں جمع ہوئے تو ایک پانی بن گیا۔ جحدری نے کہا: دونوں پانی جمع ہوئے۔ حضرت حسن بصری نے پڑھا فالتقى الماوان۔ یہ عام طریقہ کے خلاف ہے۔ قشیری نے کہا: بعض مصاحف میں فالتقى الماوان ہے یہ نحوی کی غلطی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: آسمان کا پانی برف کی طرح ٹھنڈا تھا اور زمین کا پانی گرم تھا جس طرح کھولتا ہوا پانی ہوتا ہے۔

وَ حَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ یعنی ایسی کشتی پر جو تختوں والی تھی۔

وَّ دُسُرٍ ۝ قتادہ نے کہا: مراد ایسے کیل ہیں جن کے ساتھ کشتی کو باندھا گیا۔ یہ قول قرظی، ابن زید اور ابن جبیر نے کیا۔ والبی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ حسن بصری، شہر بن حوشب اور عکرمہ نے کہا: یہ کشتی کا اگلا حصہ ہوتا ہے جس کے ساتھ موج ٹکراتی ہے۔ اسے دسر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ پانی کو دھکیلتی ہے۔ دسر کا معنی دھکیلنا ہے۔ عوفی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دسر سے مراد کشتی کا سینہ ہے۔ لیث نے کہا: دسار جہاز کا ایسا رسا ہے جس کے ساتھ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 412   2۔ ایضاً   3۔ ایضاً

کشتی کے تختوں کو باندھا جاتا ہے۔ صحاح میں ہے: دسار یہ دسر کا واحد ہے۔ یہ ایسی رسیاں ہیں جن کے ساتھ کشتی کے تختوں کو باندھا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اس سے مراد کیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عَلٰی ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ، دُسُر بھی عُسُر عُسر کی طرح ہے۔ دسر کا معنی دھکیلنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عنبر کے بارے میں کہا: انما هو شیء یدسره البحر دسرا وہ ایسی چیز ہے جسے سمندر باہر پھینک دیتا ہے۔ دسره بالرمح نیزے کے ساتھ پرے دھکیلنا۔ رجل مدسر۔ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ ہمارے حکم سے چلتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہماری حفاظت میں چلتی ہے۔ سورۂ ہود میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اس معنی میں لوگوں کا قول ہے جس آدمی کے بارے میں جس کو الوداع کہا گیا ہو: عین اللہ علیک اللہ تیری حفاظت فرمائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہماری مرضی کے مطابق چلتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان چشموں کے ساتھ چلتی ہے جو زمین سے پھوٹے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتوں میں سے ہمارے اولیاء کی نگرانی میں چلتی ہے جو اس کی حفاظت پر مامور ہیں (1)۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو بھی پیدا کیا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کرنا ممکن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہمارے اولیاء کے ذریعے چلتی ہے جس طرح حدیث میں ہے: مرض عين من عيوننا فلم تعده ہمارے دوستوں میں سے ایک بیمار ہو گیا تو تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔

جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝ یعنی ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے صبر کی جزا بنا دیا جنہوں نے اپنی قوم کی اذیتوں پر صبر کیا تھا۔ لِمَنْ میں لام مفعول لہ کا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: کفر کا معنی ہے انکار کیا گیا۔ من سے حضرت نوح علیہ السلام سے کنایہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے کنایہ ہے اور جزا عقاب کے معنی میں ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کا جو انکار کیا ہے اس کی جزا ہے۔ یزید بن رومان، قتادہ، مجاہد اور حمید نے جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كَفَرَ یعنی کاف اور فاء مفتوح ہیں معنی ہے غرق اللہ تعالیٰ کے انکار کی جزا اور عقاب تھی۔ عوج بن عنق کے علاوہ کوئی بھی غرق ہونے سے نجات پانے والا نہ ہوا۔ پانی اس کے نیفہ تک تھا۔ اس کی نجات کا سبب یہ بنا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کے لیے ساگوان کی لکڑی کی ضرورت تھی مگر اس کو اٹھا کر لانا ممکن نہ تھا، عوج وہ لکڑی شام سے اٹھا کر لایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کو قبول کیا اور اسے غرق ہونے سے نجات دی۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً اس کے ساتھ عبرت دلانا مقصود تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کشتی کے بارے میں ارادہ کیا کہ اسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد بطور نشانی چھوڑیں جس سے وہ عبرت حاصل کریں تو وہ رسولوں کو نہ جھٹلائیں۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے جزیرہ کے علاقہ میں باقردی کے مقام پر عبرت اور نشانی کے طور پر چھوڑا یہاں تک کہ اس وقت کے اولین لوگوں نے اسے دیکھا (2)۔ کتنی ہی کشتیاں اس کے بعد ہوئیں جو راکھ ہو گئیں (3)۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا اور ڈرنے والا۔ یہ اصل میں مذتکر تھا جو ذکر سے مفتعل کے وزن پر ہے۔ یہ لفظ زبانوں پر ثقیل تھا اس کی تاء کو دال سے بدل دیا کیونکہ جہر میں یہ دال کے موافق ہے اور ذال کو اس میں مدغم کر دیا گیا۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ یعنی میرا ڈرانا کیسا تھا۔ فراء نے کہا: انذار اور نذر دونوں مصدر ہیں (4)۔ ایک قول یہ کیا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 413
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 263
3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 415
4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 263

گیا ہے بعض نذر، نذیر کی جمع ہے اور نذیر، منذر کے معنی میں ہے جس طرح نکیر، انکار کے معنی میں ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ یعنی ہم نے اسے سہل کر دیا ہے اور جس نے بھی اس کے حفظ کا ارادہ کیا ہم نے اس کی مدد کی کیا کوئی اس کے حفظ کا خواہش مند ہے تو اس کی مدد کی جائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ معنی ہو ہم نے اسے یاد کرنے کے لیے تیار کیا۔ یہ ماخوذ ہے یسر ناقتہ للسفر جب وہ سفر کرے اور اپنا گھوڑا جنگ کے لیے تیار کرے جب وہ اس پر زین ڈالے اور اسے لگام پہنائے کہا:

قُمْتُ اِلَيْهِ بِاللِّجَامِ مُيَسِّرًا

میں اس کی طرف لگام کے ساتھ اٹھا اس کو تیار کرتے ہوئے۔

سعید بن جبیر نے کہا: قرآن کے سوا اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے کوئی بھی ایسی کتاب نہیں جس کو مکمل پڑھا جاتا ہو(1)۔

دوسرے علماء نے کہا: یہ بنی اسرائیل کے لیے نہیں وہ تورات کو صرف دیکھ کر پڑھا کرتے تھے صرف حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یوشع بن نون اور حضرت عزیر علیہم السلام۔ اس وجہ سے بنی اسرائیل حضرت عزیر کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہوئے جب تورات کے جل جانے کے بعد انہوں نے حافظہ سے کتاب لکھی تھی جس کی وضاحت سورۂ براءت میں گزر چکی ہے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اس کتاب (قرآن) کو یاد کرنا آسان کر دیا تاکہ وہ یاد کریں۔ اس میں احتمال یہ ہے کہ یہ ان میں داخل ہو کر اثر کرے یہاں تک کہ وہ جزو ذات کی طرح ہو جائے اور ان میں مل جانے کی طرح ہو جائے۔

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ کیا کوئی ایسا قاری ہے جو اسے پڑھے۔ ابو بکر وراق اور ابن شوذب نے کہا: کیا کوئی خیر اور علم کا طالب ہے کہ اس کی مدد کی جائے؟ اس صورت میں تنبیہ اور افہام کے لیے اسے مکرر ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں اس امت پر امتوں کی خبریں اور مرسلین کے قصے اور ان کی امتوں نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا اور ان کے امور اور مرسلین کے امور کا جو انجام ہوا اسے بیان کیا۔ ہر قصہ اور خبر میں سننے والے کے لیے نصیحت ہے اگر وہ نصیحت حاصل کرے۔ ہر قصہ کے ذکر کے وقت اس آیت فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ کو مکرر ذکر کیا کیونکہ ھل کا استفہام ہے ھل میں لام استعراض کے لیے اور عام اعتراض کے لیے ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝

"عاد نے بھی جھٹلایا تھا پھر کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے۔ ہم نے ان پر تند و تیز آندھی بھیجی ایک دائمی نحوست کے دن میں وہ اکھاڑ کر پھینک دیتی لوگوں کو گویا وہ جڑ سے اکھڑی ہوئی کھجور کے تنے ہیں پس کیسا (سخت) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔ بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو

1. معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 263

نصیحت پذیری کے لیے تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا"۔

كَذَّبَتْ عَادٌ عاد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ہے۔ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ⊙ اس صورت میں نذر کا لفظ چھ مقامات پر آیا ہے تمام مصاحف میں اس کی یا محذوف ہے۔ یعقوب نے اسے دونوں حالتوں میں ثابت کر کے پڑھا ہے ورش نے وصل میں ثابت رکھا ہے دوسری صورت میں ثابت نہیں رکھا باقی قراء نے اسے حذف کیا ہے فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ میں یاء کے حذف میں کوئی اختلاف نہیں اسی طرح یدع کی واؤ کے حذف میں کوئی اختلاف نہیں۔ جہاں تک پہلے الداع کی یاء ہے ابن محیصن، یعقوب، حمید اور بزی نے دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے ابو عمرو اور نافع نے وصل میں اسے ثابت رکھا ہے۔ باقی قراء نے اسے حذف کیا ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا، صرصراً سے مراد سخت ٹھنڈی(1)، یہ قتادہ اور ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سخت آواز۔ حم سجدہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ ⊙ یعنی ایسے دن میں جو ان پر منحوس تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ مہینے کے آخری بدھ کو عذاب آیا جس نے ان کے چھوٹے اور بڑے کو فنا کر دیا۔ ہارون اعور نے کہا: نحس حاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اس بارے میں قول حم سجدہ آیت 16 فِي أَيَّامٍ نَحِسَاتٍ گزر چکا ہے۔

فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ ⊙ یعنی دائمی نحوست والا جو اپنی نحوست کی وجہ سے ان پر گزرا ہو گیا اس میں ان پر عذاب ہلاکت تک جاری رہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ جہنم تک ان پر جاری رہا۔ ضحاک نے کہا: وہ عذاب ان پر کڑوا تھا(2)۔ اسی طرح کسائی نے حکایت بیان کی ہے کہ ایک قوم نے کہا: یہ مرارۃ سے مشتق ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے مرّ الشیء وأمرّ یعنی وہ کڑوی شے کی طرح ہو گیا جسے لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ تحقیق فرمایا: فذوقوا جسے چکھا جاتا ہے وہ بھی کڑوا ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مرۃ سے مشتق ہے جس کا معنی قوت ہے یعنی ایسے دن میں جو منحوس ہے جس کی نحوست بڑی مستحکم ہے جس طرح وہ چیز ہو جس کی بٹائی بڑی مضبوط ہو جس کے کھولنے کی کسی کو طاقت نہ ہو۔ اگر یہ کہا جائے: جب بدھ کا دن منحوس دن تھا جس کی نحوست بڑی مضبوط تھی تو اس میں دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ جب کہ یہ روایت آتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اس دن میں ظہر اور عصر کے درمیان قبول ہوئی(3)، حضرت جابر کی حدیث سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس کا جواب وہ ہے جو اس خبر میں آیا ہے جسے مسروق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: "جبرئیل امین میرے پاس آئے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ قسم کے ساتھ ایک گواہ کے ہوتے ہوئے فیصلہ کر دیں اور کہا: بدھ کا دن منحوس دن ہے جس کی نحوست بڑی مضبوط ہے"۔ یہ بات تو معلوم ہے کہ اس سے یہ ارادہ نہیں کیا کہ یہ صالحین پر منحوس ہے بلکہ یہ ارادہ کیا ہے کہ فجار اور مفسدین پر منحوس ہے جس طرح قرآن میں منحوس ایام کا ذکر ہے وہ قوم عاد کے کفار پر منحوس تھے ان کے نبی اور مومنوں پر منحوس نہیں تھے۔ جب معاملہ اس طرح ہے تو یہ کوئی بعید نہیں کہ ظالموں کو بدھ کے پہلے سے لے کر زوال آفتاب تک مہلت دی جائے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 414　2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 93　3۔ مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 684، حدیث 5907

جب پچھلا پہر ہو جائے اور آپ کی جانب سے رجوع ثابت نہ ہو تو مظلوم کی اس کے بارے میں بددعا قبول ہو جاتی ہے تو وہ دن ظالم پر منحوس ہو جاتا ہے نبی کریم ﷺ کی بددعا بھی کفار کے بارے میں ہوئی تھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول لم ینزل بی امر غلیظ(1) جو ان کی حدیث میں ہے اسی امر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

تَنۡزِعُ النَّاسَ یہ ریح کی صفت کے محل میں ہے یعنی وہ ہوا انہیں ان کی جگہوں سے اٹھا لیتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہوا نے انہیں ان کے قدموں کے نیچے سے اس طرح اٹھا لیا جس طرح کھجور کو اس کی جڑ سے اکھاڑ دیا جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ ہوا انہیں زمین سے اٹھاتی انہیں سر کے بل گراتی ان کی گردنیں ٹوٹ جاتیں اور ان کے سر ان کے جسموں سے الگ ہو جاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہوا لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالتی۔ محمد بن کعب نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہوا نے لوگوں کو ان کی قبروں سے نکال دیا"۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے گڑھے کھودے اور ان میں داخل ہو گئے ہوا انہیں وہاں سے نکالتی اور ریزہ ریزہ کر دیتی تو وہ گڑھا یوں رہ جاتا گویا وہ کھجوروں کے تنے ہیں کہ ان میں جو کچھ تھا ہلاک ہو گیا ہے اور ان کی جگہیں خالی باقی رہ گئی ہیں۔

یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ ان میں سے سات افراد نے گڑھے کھودے اور ان میں کھڑے ہو گئے تاکہ ہوا کا مقابلہ کر سکیں۔ ابن اسحاق نے کہا: جب ہوا نے شدت اختیار کی تو عاد کے سات افراد تھے ان میں سے چھ کے نام ہمارے سامنے ذکر کیے گئے جو قوم عاد کے سب سے قوی اور جسیم تھے ان میں عمرو بن حلی، حرث بن شداد، ہلقام، ہقن کے دو بیٹے اور خلجان بن سعد انہوں نے اپنے خاندانوں کو دو پہاڑوں کی گھاٹی میں داخل کر دیا پھر گھاٹی کے دروازے پر صف بنائی تاکہ ہوا کو ان سے روک دیں جو گھاٹی میں ان کے بال بچے موجود ہیں ہوا نے ان میں سے ایک ایک کو گرانا شروع کر دیا تو عاد کی ایک عورت نے ان کے بارے میں یہ کہا:

ذهب الدهر بعمرو بن حلي والهنيات (2)

ثم بالحرث والهلقام طلاع الثنيات

والذي سد مهب الريح أيام البليات

زمانہ نے عمرو بن حلی، ہنیات پھر حرث اور ہلقام کو ہلاک کر دیا جو ثنیات پر کھڑے تھے اور جس نے آزمائش کے دنوں میں ہوا کی گزرگاہ کو بند کر دیا تھا۔

طبری نے کہا: کلام میں حذف ہے معنی ہے وہ لوگوں کو اٹھاتی ہے اور انہیں یوں چھوڑتی ہے گویا وہ کھجور کے ایسے تنے ہیں جنہیں ان کی جڑوں سے اکھیڑ لیا گیا ہے کاف محذوف عامل کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ زجاج نے کہا: کاف محل نصب میں ہے اور حال ہے معنی ہے وہ لوگوں کو اٹھاتی ہے جو کھجور کے تنوں کے مشابہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تشبیہ ان گڑھوں کی وجہ سے تھی جس میں وہ تھے۔ اعجاز یہ عجز کی جمع ہے۔ اس سے مراد شئی کا آخری حصہ ہے قوم عاد کے لوگ طویل قد ہونے کے ساتھ

1۔ مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 684، حدیث 5901

2۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 115

موصوف تھے انہیں ان کھجور کے درختوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو اپنے منہ کے بل گر پڑتے ہیں فرمایا: اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ لفظ نخل کا اعتبار کرتے ہوئے منقعر کہا گیا یا اس بنا سے تعلق رکھتا ہے جو مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ منقعر سے مراد ہے جس کو اس کی جڑ سے اکھیڑ دیا گیا ہو۔ قعرت الشجرۃ قعرا میں نے اسے جڑ سے اکھیڑا تو وہ اکھڑ گیا۔ کسائی نے کہا: قعرت البئر یعنی میں اس میں اترا یہاں تک کہ میں اس کی گہرائی تک جا پہنچا۔ اسی سے قعرت الاناء یعنی اس برتن میں جو کچھ تھا میں نے اسے پیا یہاں تک کہ میں اس کی تہہ تک پہنچ گیا۔ اقعرت البئر میں نے اسے گہرا کیا۔ ابوبکر بن انباری نے کہا: مبرد سے اسماعیل قاضی کی موجودگی میں تین ہزار مسئلوں کے بارے میں پوچھا گیا یہ بھی ان میں سے تھا انہیں کہا گیا:

اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَةً (الانبیاء: 81) اور جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ (یونس: 22) میں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَةٍ ۝ (الحاقہ) اور اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ میں کیا فرق ہے؟ مبرد نے جواب دیا: اس باب سے جب بھی تجھ پر کوئی چیز وارد ہو اگر تو چاہے تو لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے مذکر ضمیر لوٹا دے یا معنی کا اعتبار کرتے ہوئے مؤنث ضمیر لوٹا دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نخل اور نخیل ایک ہی معنی میں ہیں مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔

فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَ نُذُرِ ۝ وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ اس کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوْۤا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ۝ ءَاُلْقِیَ الذِّكْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝

"ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ پھر وہ کہنے لگے کیا ایک انسان جو ہم میں سے ہے اور (اکیلا) ہے ہم اس کی پیروی کریں پھر تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ کیا اتاری گئی ہے وحی اس پر ہم سب میں سے (یہ کیونکر ممکن ہے) بلکہ وہ بڑا جھوٹا شیخی باز ہے۔ کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا شیخی باز ہے"۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝ سے مراد حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے جنہوں نے رسولوں اور اپنے نبی کو جھٹلایا یا آیات کو جھٹلایا جو نذر ہیں۔ فَقَالُوْۤا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ کیا ہم اپنے میں سے ایک فرد کی اتباع کریں اور جماعت کو ترک کریں۔ ابو اشہب، ابن سمیقع اور ابو سمال عدوی نے اسے ابشر رفع کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح واحد کو مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے اس کی خبر نتبعہ ہے باقی نے نصب دی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی انتبع بشرا منا واحدا نتبعہ ابو سمال نے ابشر منا واحد پڑھا ہے بشر کو رفع فعل مضمر کی وجہ سے دیا ہے جس فعل پر الف دلالت کرتا ہے۔ گویا کہا: اینبا بشر منا اور واحد میں یہ جائز ہے کہ یہ منا کی ضمیر سے بدل ہو اس کو نصب دینے والا ظرف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی اینبا بشر کائن منا منفردا یہ بھی جائز ہے کہ یہ نتبعہ کی ضمیر سے حال ہو یعنی اس حال میں کہ وہ منفرد ہو اس کا کوئی مددگار نہ ہو۔ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ یعنی صحیح بات سے دور ہوں گے وَّ سُعُرٍ ۝ اس کا معنی جنون ہے عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے ناقۃ مسعورۃ

عبدالرحمن بن حماد نے کہا: الاشر اسے کہتے ہیں جس کو جو بات کہی جائے اس کی پروا نہ کرے۔ ابو جعفر اور ابو قلابہ نے کہا: الاشر شین کے فتح اور راء کی تشدید کے ساتھ ہے یعنی اس کی وجہ سے تم شریر ہوئے اور خبیث ہوئے۔

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا وہ قیامت کے روز عذاب کو ضرور دیکھیں گے یا معنی ہے دنیا میں کل جب ان پر عذاب نازل ہوگا تو وہ اسے دیکھیں گے۔ ابن عامر اور حمزہ نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ حضرت صالح انہیں خطاب کریں گے باقی یاء کے ساتھ پڑھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت صالح کو ان کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: غَدًا لوگوں کی عادت کے طور پر ہے کہ وہ انجام کے قریب ہی وقوع پذیر ہونے کو ظاہر کرنے کے لیے کہتے ہیں: ان مع الیوم غدا۔ شاعر نے کہا:

للموت فيها سهام غير مخطئة ... من لم يكن ميتا في اليوم مات غدا

اس میں موت کے ایسے تیر ہیں جو خطا نہیں جاتے جو آج نہیں مرے گا کل مر جائے گا۔

مَنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿٢٦﴾ ابو قلابہ نے الاشر پڑھا ہے یعنی شین پر فتح اور راء مشدد ہے یا یہ اصل پر ہے۔ ابو حاتم نے کہا: عرب اشر اور اخیر ضرورت شعری کے سوا نہیں بولتے جس طرح رؤبہ کا قول ہے:

بلال خير الناس وابن الاخير

بلال لوگوں میں سے بہترین ہے اور بہترین کا بیٹا ہے۔

وہ کہتے ہیں: ھو خیر قومہ، ھو شر الناس۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110)
فرمایا: فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا (مریم:75)

ابو حیوہ سے شین کے فتح اور راء کی تخفیف کے ساتھ مروی ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے شین کے ضمہ کے ساتھ یہ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ بھی الاشر کے معنی میں ہے اس کی مثل رجل حذر اور رجل حذُر ہے۔

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَ اصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَ نَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ﴿٣٠﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

"ہم بھیج رہے ہیں ایک اونٹنی ان کی آزمائش کے لیے پس (اے صالح) ان کے انجام کا انتظار کرو اور صبر کرو۔ اور انہیں آگاہ کر دیجئے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان، سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں۔ پس لوگوں نے بلایا اپنے ایک ساتھی (قدار) کو پس اس نے وار کیا اور (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ دیں۔ پھر (معلوم ہے) کیسا تھا میرا عذاب اور میرے ڈرانا۔ ہم نے بھیجی ان پر چنگھاڑ پھر وہ اس طرح ہو کر رہ گئے جیسے روندی ہوئی خاردار باڑ۔ بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا"۔

إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ ہم اس اونٹنی کو اس پہاڑ سے نکالنے والے ہیں جس سے نکلنے کا انہوں نے سوال کیا تھا۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی تو جس چٹان کو انہوں نے متعین کیا تھا وہ اس اونٹنی کی نشان سے پھٹ گئی تو وہاں سے گابھن اونٹنی نکل آئی۔ فِتْنَةً لَّهُمْ ان کی آزمائش کے لیے۔ یہ مفعول لہ ہے۔ فَارْتَقِبْهُمْ یعنی جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس کا انتظار کیجئے وَاصْطَبِرْ ان کی اذیتوں پر صبر کیجئے۔ اصْطَبِرْ میں طاء کی اصل تاء ہے تو یہ طاء سے بدل گئی تاکہ صاد میں طاء کے موافق ہو جائے۔

وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ انہیں بتا دیں کہ پانی آل ثمود اور اونٹنی کے درمیان تقسیم ہے اونٹنی کے لیے ایک دن ہے اور ان کے لیے ایک دن ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَّهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ (الشعراء) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس دن آل ثمود کی باری ہوتی تو اس دن اونٹنی کا پانی بھی نہ پیتی لوگوں کو دودھ پلاتی اور وہ خوشی میں ہوتے اور جس روز اونٹنی کی باری ہوتی تو سارا پانی پی جاتی ان کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑتی۔ بَيْنَهُمْ ارشاد فرمایا کیونکہ عرب میں جو پاؤں کے ساتھ انسانوں کے بارے میں خبر دیتے تو انسانوں کو غلبہ دیتے۔ ابو زبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب ہم حجر کی وادی میں اترے (1) جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے سفر میں تھے فرمایا: اے لوگو! ان آیات کے بارے میں سوال نہ کرو یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے انہوں نے اپنے نبی سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایک اونٹنی بھیجے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک اونٹنی بھیج دی وہ اس راستے سے آتی جس دن اس کی باری ہوتی ان کا سارا پانی پی جاتی اور جس دن باری نہ ہوتی وہ اس اونٹنی سے اتنا ہی دودھ دوہتے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ کا یہی معنی ہے"۔

كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ شِرْب جب کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی پانی کا حصہ ہے ضرب المثل میں ہے آخرها أقلها شربا اس کا اصل معنی اونٹوں کو پانی پلانا ہے کیونکہ ان کا آخری اونٹ پانی پر وارد ہوتا تو حوض کا پانی ختم ہو چکا ہوتا۔ مُّحْتَضَرٌ کا معنی ہے اس کے پاس وہی حاضر ہوتا جس کا حق ہوتا۔ اونٹنی اپنی باری کے دن پانی پر حاضر ہوتی اور جس دن آل ثمود کی باری ہوتی اس دن غائب ہو جاتی؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: ثمود پانی پر حاضر ہوتے جس روز اونٹنی کی باری نہ ہوتی تو وہ پانی پیتے اور جس دن اس کی باری ہوتی وہ دودھ پر حاضر ہوتے اور اس کا دودھ دوہتے (2)۔

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ انہوں نے اپنے ساتھی کو بلایا تاکہ اسے اس کی کونچیں کاٹنے پر برانگیختہ کریں۔ فَتَعَاطَىٰ اس نے اس کی کونچیں کاٹنے کی ذمہ داری قبول کر لی اور اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ تعاطی کا معنی ہے اس فعل کو اپنے ذمہ لے لیا۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے عطوت الحق میں نے اسے لے لیا۔

محمد بن اسحاق نے کہا: وہ اس اونٹنی کے لیے اس کے راستے میں ایک درخت کی جڑ میں چھپ گیا اور اسے تیر مارا اور اس تیر کے ساتھ اس کی پنڈلی کے پٹھے کو چھید دیا پھر تلوار سے اس پر حملہ کیا اور اس کی کونچ کو کاٹ دیا، وہ اونٹنی گری اور ایک ہی دفعہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 415
2۔ معالم التنزیل، جلد 6، صفحہ 286

بلبلائی اس کا نوزائیدہ بچہ اس کے بطن سے گر گیا پھر اس نے اس کی گردن کو کاٹ دیا۔ اس کا نوزائیدہ بچہ چلا یہاں تک کہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک چٹان پر آیا بلبلایا پھر چٹان کی پناہ لے لی۔ حضرت صالح علیہ السلام قوم کے پاس آئے جب آپ نے اونٹنی دیکھا کہ اس کی کونچیں کاٹ دی گئی ہیں تو آپ رونے لگے فرمایا: تم نے اللہ تعالیٰ کی حرمت کو پامال کیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی بشارت ہو۔ سورۂ اعراف میں اس معنی کا بیان گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس آدمی نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں اس کا رنگ سرخ، آنکھیں نیلی، زردی مائل، چھوٹے قد والا، ٹیڑھی پنڈلی والا تھا (1)۔ اس کے نام کے بارے میں کہا جاتا ہے: قدار بن سالف۔ افوہ اودی نے کہا:

أو قبله كقدار حين تابعه على الغواية أقوام فقد بادوا

یا اس سے پہلے جس طرح قدار جب سرکشی پر اس کی پیروی کی مختلف قوموں نے تو وہ ہلاک ہو گئے۔

عرب قصاب کو قدار کا نام دیتے ہیں وہ اسے قدار بن سالف سے تشبیہ دیتے ہیں جو آل ثمود کا منحوس آدمی تھا۔ مہلہل نے کہا:

إنا لنضرب بالسيوف رءوسهم ضرب القدار نقيعة القدام (2)

ہم تلواروں کے ساتھ ان کے سروں پر ضرب لگاتے ہیں جس طرح قدار نے ضرب لگائی مقصد آنے والوں کی ضیافت کا اہتمام ہوتا ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آواز ہے۔ سورۂ ہود میں یہ بحث گزر چکی ہے: **فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ** حضرت حسن بصری، قتادہ اور ابو العالیہ نے المحتظر پڑھا (3) یعنی ظاء پر فتحہ ہے اس سے انہوں نے باڑہ کا ارادہ کیا ہے باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے باڑ لگانے والے کا ارادہ کیا ہے۔ صحاح میں ہے المحتظر اسے کہتے ہیں جو باڑ بناتا ہے اسے کہشیم المحتظر پڑھا گیا ہے جس نے اسے کسرہ دیا ہے اس نے اسے فاعل بنایا ہے جس نے اسے فتحہ دیا ہے اس نے اسے مفعول بہ بنایا ہے۔ وہ آدمی جو کم بھلائی والا ہو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: انه لنكد الحظيرة۔ ابو عبید نے کہا: میرا خیال ہے اس کے اموال کو حظیرہ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس نے ان اموال کو اپنے پاس محفوظ کیا ہے یہ فعیلة کا وزن ہے جو مفعولہ کے معنی میں ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے محتظر کی ظاء کو فتحہ دیا تو اس کے نزدیک یہ مصدر کے معنی میں ہو گا کہشیم الاحتظار۔ یہ بھی جائز ہے کہ المحتظر سے مراد وہ درخت ہو جس سے باڑہ بنایا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: المحتظر اس آدمی کو کہتے ہیں جو اپنے ریوڑ کے لیے درخت اور کانٹوں سے باڑہ بناتا ہے اس سے جو گرتا ہے اور ریوڑ جسے روندتا جاتا ہے اسے ہشیم کہتے ہیں۔

ان سے یہ بھی مروی ہے: اس گھاس کی مانند جسے ریوڑ کھا جاتا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: بوسیدہ اور جلی ہوئی ہڈیوں کی مانند، یہ قتادہ کا قول ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد ایسی مٹی ہے جو ہوا سے دیوار سے گرتی ہے۔ سفیان

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 416	2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 218	3۔ ایضاً

ثوری نے کہا: جب تو باڑے کو ڈنڈا مارے تو باڑے سے جو چیز گرتی ہے اسے ہشیم کہتے ہیں، یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔ ابن زید نے کہا: عرب ہر اس چیز کو ہشیم کہتے ہیں جو پہلے تر ہو پھر خشک ہو جائے۔ حظر کا معنی روکنا اور محفوظ کرنا ہے محتظر یہ مفتعل کا وزن ہے اسی معنی میں کہا جاتا ہے: احتظر علی ابلہ وحظر یعنی اس نے درخت جمع کیے اور بعض کو بعض پر رکھا تاکہ وہ اپنے اونٹوں کو ہوا کی ٹھنڈک اور درندوں سے محفوظ رکھے۔ شاعر نے کہا:

ترى جيف المطي بجانبيه　　كأن عظامها خشب الهشيم(1)

تو سواریوں کے مردہ جسموں کو اس کی دونوں جانب دیکھے گا گویا اس کی ہڈیاں بوسیدہ لکڑیاں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: گویا وہ اس گندم کی طرح ہیں جسے کاٹا گیا ہو۔ اس تعبیر کی صورت میں محتظر سے مراد کھیتی کی باڑ ہے ہشیم سے مراد بالی اور بھوسے کے ریزے ہیں۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ۝ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ۝ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَاۤ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝

"قوم لوط نے بھی جھٹلایا تھا پیغمبروں کو۔ ہم نے بھیجی ان پر پتھر برسانے والی ہوا سوائے لوط کے گھرانے کے، ہم نے ان کو بچا لیا سحری کے وقت، یہ (نجات) مہربانی تھی ہماری طرف سے۔ اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں جو شکر کرتے ہیں۔ اور بے شک ڈرایا تھا انہیں لوط (علیہ السلام) نے ہماری پکڑ سے پس جھگڑنے لگے ان کے ڈرانے کے بارے میں۔ اور انہوں نے پھسلانا چاہا لوط کو اپنے مہمانوں سے تو ہم نے ملیامیٹ کر دیا ان کی آنکھوں کو (اب چکھو اے بے حیاؤ!) میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ۔ اور صبح سویرے ان پر ٹھہرنے والا عذاب نازل ہوا۔ تو اب چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ۔ اور بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا"۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ۝ قوم لوط کے بارے میں خبر دی جب انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جھٹلایا۔ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا یعنی ایسی ہوا بھیجی جو ان پر پتھر پھینکتی تھی۔ حصب سے مراد رمی ہے۔ نضر نے کہا: حاصب سے مراد ہوا میں کنکر ہوتے ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: حاصب سے مراد پتھر ہیں۔ صحاح میں ہے: حاصب سے مراد ایسی شدید ہوا ہے جو

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 417

سنگریزوں کو اڑاتی ہے اسی طرح حصبہ ہے۔ حصفت الریح یعنی ہوا تیز ہوئی۔ ریح عاصف و معصف۔

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ اس سے مراد وہ افراد ہیں جنہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے دین کی اتباع کی وہ صرف آپ کی دو بیٹیاں تھیں۔ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝ اخفش نے کہا: اسے منصرف ذکر کیا ہے کیونکہ یہ نکرہ ہے، اگر معین دن کی سحری کا ارادہ ہوتا تو پھر اسے غیر منصرف ذکر کیا جاتا اس کی مثل اِهْبِطُوْا مِصْرًا (بقرہ: 61) جب اسے نکرہ ذکر کیا جب اللہ تعالیٰ نے اسی لفظ کو معرفہ ذکر کیا اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ (یوسف: 99) اسے غیر منصرف ذکر کیا۔ زجاج نے بھی یہی کہا ہے: سحر جب نکرہ ہو تو اس سے سحریوں میں سے ایک سحری مراد ہوگی اور اسے منصرف شمار کیا جائے گا تو کہے گا: اتیتہ سحرا جب تو اپنے دن کی سحری مراد لے گا تو تو اسے غیر منصرف بنائے گا تو کہے گا: اتیتہ سحر اور اتیتہ بسحر۔

سحر سے مراد رات کے آخری حصہ میں اور طلوع فجر کے درمیان کا وقت ہے۔ لغت عرب میں اس سے مراد رات کی سیاہی کا دن کے پہلے حصہ کی سفیدی کے ساتھ مل جانا کیونکہ اس وقت رات اور دن کے آثار ہوتے ہیں۔

نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ہماری جانب سے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی دو بیٹیوں پر انعامات ہیں۔ نعمۃ مفعول لہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ۝ مَنْ شَكَرَ سے مراد ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور اس کی اطاعت کی۔ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ یعنی حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں ڈرایا۔ بَطْشَتَنَا اس سے مراد ہماری سزا ہے اور ہم انہیں عذاب سے جو پکڑ سکتے ہیں۔ فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝ رسول نے انہیں جس چیز سے ڈرایا تھا اس میں انہوں نے شک کیا اور اس کی تصدیق نہ کی (1)۔ یہ صیغہ تفاعل کا وزن ہے۔ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ قوم کے افراد نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ انہیں فرشتوں پر قدرت دے دیں جو ان کے پاس مہمان کی حیثیت سے آئے ہیں وہ بے حیائی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ یہ باب ذکر کیا جاتا ہے راودتہ عن کذا مراودۃ وروادا میں نے اس کا ارادہ کیا۔ راد الکلأ یرودہ رودا و ریادا، ارتاد ارتیادا اس کا ایک ہی معنی ہے یعنی گھاس کو تلاش کیا۔ حدیث طیبہ میں ہے: اذا بال احدکم فلیرتد لبولہ (2) یعنی جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کا ارادہ کرے تو نرم جگہ یا پست جگہ کو تلاش کرے۔

فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت جبرئیل امین نے ان کو پر مارا تو وہ اندھے ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان کی آنکھیں چہرے کی طرح ہو گئیں ان کا شگاف بھی دکھائی نہیں دیتا تھا جس طرح ہوا آثار کو مٹا دیتی کہ ان پر مٹی ڈال دیتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا کر دیا جب کہ ان کی آنکھیں درست تھیں تو وہ ان کو دیکھ نہیں رہے تھے۔ ضحاک نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا وہ فرشتوں کو دیکھ نہیں رہے تھے۔ انہوں نے کہا: جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو ہم نے انہیں دیکھا تھا وہ کہاں چلے گئے ہیں؟ وہ واپس پلٹ آئے اور انہیں نہ دیکھا (3)۔ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ ہم نے انہیں کہا: میرا عذاب چکھو۔ اس امر سے مراد خبر ہے، یعنی میں نے انہیں اپنا وہ عذاب

1۔ تفسیر عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 261
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، الرجل یتبوا لبولہ، جلد 1، صفحہ 2
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 418

چکھایا جس کے بارے میں انہیں لوط علیہ السلام نے خبردار کیا تھا۔ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ یعنی دائمی اور عام عذاب دنوں میں۔ یا یہاں تک کہ یہ عذاب انہیں عذاب آخرت کی طرف لے گیا۔ وہ عذاب یہ تھا کہ ان کی بستی ان پر الٹ دی گئی، اور ان کے اوپر والے حصہ کو نیچے والا حصہ بنا دیا۔ بُكْرَةً یہاں نکرہ ہے اسی لیے منصرف ہے۔ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ یہاں عذاب سے مراد وہ عذاب ہے جو ان پر آنکھوں کے بے نور ہونے کی صورت میں واقع ہوا یا اس عذاب سے مختلف تھا جس کے ساتھ انہیں ہلاک کیا گیا، اسی وجہ سے تکرار اچھا ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾ اس کے بارے میں تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾

"اور آئے آل فرعون کے پاس ڈرانے والے، انہوں نے جھٹلایا ہماری ساری آیتوں کو پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا جیسے کوئی زبردست قوت والا پکڑتا ہے"۔

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾ آل فرعون سے مراد قبطی ہیں۔ نذر سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ہیں۔ بعض اوقات جمع کا صیغہ دو افراد پر بھی آتا ہے۔ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا آیات سے مراد معجزات ہیں جو ہماری توحید اور ہمارے انبیاء کی نبوت پر دال ہیں وہ عصا، ید بیضا، قحط، آنکھوں کا بے نور ہونا، طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک اور خون ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: النُّذُرُ سے مراد الرسل ہیں ان کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام، ان کے بیٹے یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نذر سے مراد انذار ہے۔

فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ، عزیز کا معنی ہے جو انتقام لینے میں غالب ہو۔ مُّقْتَدِرٍ جو اس پر قادر ہو جس کا ارادہ کرے۔

أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُم بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿٤٦﴾

"کیا تمہاری قوم کے کفار بہتر ہیں ان سے یا تمہارے لیے معافی لکھ دی گئی ہے آسمانی نوشتوں میں۔ یا وہ کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہے گی۔ عنقریب پسپا ہوگی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ بلکہ ان کے وعدہ کا وقت (روز) قیامت ہے اور قیامت بڑی خوفناک اور تلخ ہے"۔

أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ عربوں سے خطاب کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد حضرت محمد ﷺ کی امت کے کفار ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمزہ استفہام ہے اور استفہام انکار کے معنی میں ہے اس کا معنی نفی ہے، مراد ہے تمہارے کفار ان کفار سے بہتر نہیں جو سابقہ امتوں میں تھے جنہیں ان کے کفر کے باعث ہلاک کیا گیا۔

أَمْ لَكُم بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ یعنی کیا وہ کتب میں جو انبیاء پر نازل ہوئیں ان میں یہ مذکور ہے کہ تمہیں عذاب سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا لوح محفوظ میں تمہارے لیے عذاب سے براءت لکھی ہوئی ہے؟

أَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ یعنی ہم ایسی جماعت ہیں جن کی تعداد کی کثرت اور قوت کی وجہ سے اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔ آیات کے سروں کی اتباع کرتے ہوئے منتصر کہا منتصرین نہیں کہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا اور فرمایا: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ یعنی کفار مکہ کو شکست دی جائے گی۔ یہ غزوہ بدر اور دوسرے مواقع پر ہوا۔ عام قراءت سیھزم ہے یاء کے ساتھ مجہول کا صیغہ ہے اور الجمع نائب فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ رویس نے یعقوب سے سنھزم نون کے فتحہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ نقل کیا ہے اور الجمع کو منصوب پڑھا ہے۔

وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ عام قراءت یاء کے ساتھ ہے ان کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے۔ عیسیٰ، ابن اسحاق اور رویس نے یعقوب سے وتولون تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔ الدبر اسم جنس ہے جس طرح الدرہم اور الدینار ہے اسے واحد ذکر کیا مراد جمع ہے تاکہ آیات کے سرے موافق رہیں۔ مقاتل نے کہا: ابوجہل نے بدر کے روز اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہ صف سے آگے نکلا اور کہا: آج ہم (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں سے بدلہ لیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ کو نازل کیا۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا: جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ نازل ہوا تو میں نہیں جانتا تھا کہ کون سی جماعت شکست کھائے گی جب بدر کا دن تھا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زرہ میں تیزی سے چلتے ہوئے دیکھا آپ کہہ رہے تھے: اے میرے اللہ! بے شک قریش تیرے پاس فخر کرتے ہوئے اور تکبر کرتے ہوئے آئے ہیں وہ تجھ سے دشمنی رکھتے ہیں اور تیرے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں کل انہیں ہلاک کر دے پھر ان کلمات کو اپنی زبان سے ادا کیا سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ تو میں اس کا معنی سمجھ گیا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کے بارے میں خبر دی تو اسی طرح واقع ہوا جس طرح خبر دی۔ أخنی علیہ الدھر اس پر آیا اور اسے ہلاک کر دیا۔ اسی معنی میں نابغہ کا قول ہے:

أخنی علیه الذی أخنی علی لبد

اسے اسی نے ہلاک کیا جس نے لبد کو ہلاک کیا۔

اخنت علیہ میں نے اس پر فساد کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس آیت کے نزول اور بدر کے درمیان سات سال کا عرصہ حائل تھا اس تعبیر کی بنا پر آیت مکی ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ۝ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جب کہ میں بچی تھی اور کھیلا کرتی تھی(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے روز قبہ میں موجود تھے: أنشدك عهدك ووعدك اللهم إن شئت لم تعبد بعد اليوم أبدا(2) میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں اگر تو

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، بل الساعۃ موعدہم، جلد 2، صفحہ 722
2۔ ایضاً، کتاب الجہاد، ما قیل فی درع النبی، جلد 1، صفحہ 408

(مومنوں کی ہلاکت) چاہتا ہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا عرض کی: کافی ہے یا رسول اللہ! آپ نے اپنے رب سے اصرار کر لیا۔ آپ زرہ میں تھے آپ نکلے جب کہ آپ کہہ رہے تھے: سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ مراد قیامت ہے۔

وَ السَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ۝ جو انہیں بدر کے روز لاحق ہوا قیامت اس سے زیادہ سخت ہوگی۔ ادھی، داھیۃ سے مشتق ہے اس سے مراد عظیم امر ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: دھاہ أمر کذا یعنی اسے مصیبت پہنچی۔ ابن سکیت نے کہا: دھتہ داھیۃ دھواء ودھیاء یہ اس کے لیے تاکید ہے۔

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ۝ یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝

"بے شک مجرم گمراہی اور پاگل پن کا شکار ہیں۔ اس روز انہیں گھسیٹا جائے گا آگ میں منہ کے بل (انہیں کہا جائے گا) چکھو اب آگ میں جلنے کا مزہ۔ ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے ایک اندازے سے"۔

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ۝

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فِیْ ضَلٰلٍ یعنی حق سے دور اور سُعُرٍ یعنی جلنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سعر سے مراد جنون ہے جس طرح اس سورت میں پہلے گزرا ہے۔ یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ بنائشہ سے مروی ہے قریش کے مشرک آئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدیر کے بارے میں جھگڑ رہے تھے تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ اسے امام ترمذی نے بھی نقل کیا ہے اور کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام مسلم نے طاؤس سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے چند لوگوں کو یہ کہتے ہوئے پایا وہ کہہ رہے تھے: کل شیء بقدر (1) ہر شی تقدیر کے مطابق ہے میں نے حضرت عبداللہ بن عمر بنائشہ کو کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کل شیء بقدر حتی العجز والکیس او الکیس والعجز (2) ہر شی تقدیر کے مطابق ہے یہاں تک کہ ضعف اور دانش۔ اس میں قدریہ کے مذہب کا بطلان ہے۔

ذُوْقُوْا یعنی تو اسے کہا جائے گا: چکھو اس کے مس سے مراد ہے جو اس کے واقع ہونے کے وقت وہ دکھ محسوس کریں گے۔ سقر جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو منصرف نہیں کیونکہ یہ اسم ہے جو مؤنث اور معرفہ ہے اسی طرح لظی اور جہنم ہے۔ عطا نے کہا: سقر جہنم کا چھٹا درجہ ہے۔ قطرب نے کہا: سقر یہ سقرتہ الشمس سے ماخوذ ہے سقرتہ اسے پگھلا دیا۔ یوم مسمقر و مصمقر سخت گرم۔

مسئلہ نمبر 2۔ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ عام قرأت میں کل نصب کے ساتھ ہے ابو سمال نے کل رفع کے ساتھ پڑھا ہے یہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، کل شیء بقدر، جلد 2، صفحہ 336 2۔ ایضاً

مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے جس نے اسے نصب دی ہے تو نصب فعل کے مضمر ہونے کی بنا پر ہے۔ یہ کوفیوں کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ ان فعل کو طلب کرتا ہے تو اس وجہ سے یہ صورت اولیٰ ہے نصب اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں عموم پر دال ہے کیونکہ اگر خَلَقْنٰهُ جو محذوف فعل کا مفسر بن رہا ہے اس کو تو حذف کرتا اور پہلے فعل خلقنٰہ کو ظاہر کرتا تو کلام یوں ہوتی انا خلقنا کل شیء بقدر تو خلقناہ کو شیء کی صفت بنانا صحیح نہ ہوتا کیونکہ صفت ایسی چیز میں عمل نہیں کرتی جو موصوف سے پہلے ہو اور جو ماقبل میں عامل ہو اس کی تفسیر نہ ہوتی۔

مسئلہ نمبر 3۔ جس نقطہ نظر پر اہل سنت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو مقدر کیا مراد ہے اس کی مقداریں، احوال اور ازمان کو ان کے ایجاد کرنے سے پہلے جانتا ہے پھر ان میں سے ان چیزوں کو ایجاد کیا کہ وہ اسے اسی طریقہ پر ایجاد کرے گا جو اس کے علم میں پہلے سے موجود تھا عالم بالا اور عالم سفلی پر کوئی امر وقوع پذیر نہیں ہوتا مگر وہ اللہ تعالیٰ کے علم، اس کی قدرت اور اس کے ارادہ سے واقع ہوتا ہے مخلوق اس میں موثر حقیقی نہیں مخلوقات اس میں صرف کسب، کاوش، نسبت اور اضافت ہوا کرتی ہے۔ یہ سب چیزیں انسان کو اس لیے حاصل ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آسانی پیدا کرنے، اس کی قدرت، اس کی توفیق اور الہام کی وجہ سے حاصل ہوا۔ وہ پاک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی خالق ہے جس طرح قرآن وسنت کی نصوص اس بارے میں وارد ہیں بات اس طرح نہیں جس طرح قدریہ اور دوسرے علماء نے کہی کہ اعمال ہمارے قبضہ میں ہیں اور آجال کسی اور کے قبضہ میں ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: نجران کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے عرض کی: اعمال ہماری قدرت میں ہیں اور موتیں کسی اور کے قبضہ میں ہیں تو یہ آیات خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ تک نازل ہوئیں۔ انہوں نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہمارے خلاف ہمارے گناہ لکھتا ہے اور ہمیں عذاب دے گا؟ فرمایا: "تم قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ساتھ جھگڑا کرنے والے ہو گے"۔

مسئلہ نمبر 4۔ ابوزبیر نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس امت کے مجوسی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو جھٹلانے والے ہیں اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی تیمارداری نہ کرو، اگر وہ مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ میں حاضر نہ ہو اور وہ تمہیں ملیں تو انہیں سلام نہ کرو"۔ ابن ماجہ نے اسے سنن میں نقل کیا ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے دونوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میری امت میں سے دو قسم کے افراد ایسے ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں وہ مرجئہ اور قدریہ ہیں"۔ ثعلبی نے سند بیان کی ہے ابراہیم بن شریک کوفی، عقبہ بن مکرم ضبی سے وہ یونس بن بکیر سے وہ سعید بن میسرہ سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وہ قدریہ جو یہ کہتے ہیں کہ خیر وشر ہمارے ہاتھوں میں ہے میری شفاعت میں ان کا کوئی حصہ نہیں نہ میں ان میں سے ہوں اور نہ وہ مجھ سے ہیں"۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے براءت کا اظہار کیا اور براءت کا اظہار کافر سے ہی کیا جا سکتا ہے پھر اس قول کے ساتھ اسے موکد کیا حضرت عبداللہ بن عمر اس کے ساتھ قسم اٹھاتے اگر ان میں سے کسی کا احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ

اسے خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے صدقہ قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ تقدیر پر ایمان لائے یا ایسے ہی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا منافقین کے بارے میں ارشاد ہے: وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ (التوبہ: 54) یہ واضح ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تقدیر پر ایمان غم اور حزن کو دور کر دیتا ہے''۔

وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ۝ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَاۤ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝

''اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے۔ اور بے شک ہم نے ہلاک کر دیا جو (کفر میں) تمہارے ہم مشرب تھے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے ان کے نامہ اعمال میں درج ہے اور ہر چھوٹی بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔ بے شک پرہیزگار باغوں اور نہروں میں ہوں گے بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے''۔

وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ یعنی ہمارا امر ایک ہی دفعہ ہوتا ہے كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ۝ یعنی میرا فیصلہ میری مخلوق میں آنکھ جھپکنے سے بھی تیز ہوتا ہے۔ لمح کا معنی تیزی سے دیکھنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے لمح البرق ببصرہ بجلی آنکھ جھپکنے برابر چمکی۔ صحاح میں ہے: لمحہ، البصرہ جب اسے ہلکی نظر سے دیکھا، اسم لمحہ ہے لمح البرق والنجم لمحا یعنی بجلی چمکی۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَاۤ اَشْيَاعَكُمْ یعنی ہم نے سابقہ امتوں میں سے ایسے لوگوں کو قتل کیا جو کفر میں تمہارے مشابہ تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تمہارے پیروکاروں اور تمہارے مددگاروں۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ ہے کوئی ایسا جو نصیحت حاصل کرے۔ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝ یعنی ان سے قبل امتوں نے بھلائی یا برائی میں سے جو بھی اعمال کیے وہ لکھے ہوتے ہیں یہ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ کا بیان ہے۔

فِي الزُّبُرِ ۝ سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کراماً کاتبین کی کتابیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ام الکتاب میں لکھا ہوا ہے وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝ یعنی ہر گناہ جو چھوٹا ہو یا بڑا ہو وہ عامل کے حق میں لکھا ہوتا ہے قبل اس کے کہ وہ اس کو کرے تاکہ اسے جزا دی جائے اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے اس وقت اسے لکھا جاتا ہے۔ سطر یسطر سطرا کا معنی لکھنا ہے، استطر بھی اسی کی مثل ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ جب کفار کی صفت بیان کی تو مومنین کی بھی صفت بیان کی وَّنَهَرٍ یعنی پانی، شراب، شہد اور دودھ کی نہریں (1)؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ اسے واحد ذکر کیا کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے، پھر واحد کا صیغہ بھی تمام کی خبر دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَهَرٍ یعنی وہ روشنی اور وسعت میں ہے۔ اس سے نہار کا لفظ ہے کیونکہ وہ روشن ہوتا ہے اسی معنی میں انہرت الدم میں نے زخم کو کھلا کیا؛ شاعر نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 420

مَلَكْتُ بِهَا كَفِّي فَأَنْهَرْتُ فَتْقَهَا (1)

اس کے ساتھ میں نے اپنی ہتھیلی کو قوی کیا اور اس کے سوراخ کو کھلا کیا۔

ابو مجلز، ابو نہیک، اعرج، طلحہ بن مصرف اور قتادہ نے دونوں کو پڑھا گویا یہ نہار کی جمع ہے ان پر رات نہیں آئے گی جس طرح سحاب اور سحب ہے۔ فراء نے کہا: ایک عرب نے مجھے یہ شعر سنایا:

إِنْ تَكُ لَيْلِيًّا فَإِنِّي نَهِرٌ مَتَى أَرَى الصُّبْحَ فَلَا أَنْتَظِرُ

اگر تو رات والا ہے تو میں دن والا ہوں، میں جب صبح دیکھوں تو اس میں انتظار نہیں کرتا۔ ایک اور نے کہا:

لَوْلَا الثَّرِيدَانِ هَلَكْنَا بِالضُّمُرْ ثَرِيدُ لَيْلٍ وَ ثَرِيدٌ بِالنُّهُرْ (2)

اگر یہ دو ثرید نہ ہوتیں تو ہم تنگی کر کے ساتھ ہلاک ہو جاتے رات کی ثرید اور دن کی ثرید۔

فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ حق کی مجلس میں جس میں کوئی چیز لغو نہ ہو اور اس میں کوئی گناہ کی نہ ہو وہ جنت ہے۔ **عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝** جو چاہے اس پر قادر ہے۔ یہاں عِنْدَ سے مراد قربت، مکان، رتبہ، کرامت اور منزلت کی عندیت ہے۔ صادق نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مکان صدق کی مدح بیان کی اس میں اہل صدق ہی بیٹھتے ہیں۔ عثمان بتی نے پڑھا: مقاعد صدق یعنی جمع کا صیغہ پڑھا مقاعد لوگوں کے بیٹھنے کی جگہیں ہیں وہ بازاروں میں ہوں یا کسی اور جگہ۔ عبداللہ بن بریدہ نے کہا: جنتی ہر روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے وہ اس کی بارگاہ میں قرآن کی تلاوت کریں گے۔ ہر انسان اپنے بیٹھنے کی جگہ بیٹھے گا جب کہ وہ یاقوت، زبرجد، سونے اور چاندی کے منبروں پر ہوں گے سب اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوں گے ان کی آنکھیں کسی چیز سے اتنی ٹھنڈی نہ ہوں گی جیسی اس طریقہ سے ٹھنڈی ہوں گی۔ انہوں نے اس سے عظیم اور اس سے بڑھ کر کسی حسین چیز کے بارے میں نہیں سنا ہوگا پھر وہ اپنی منازل کی طرف چلے جائیں گے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی کل تک معاملہ اسی طرح رہے گا۔

ثور بن یزید نے خالد بن معدان سے روایت نقل کی ہے ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ فرشتے قیامت کے روز مومنوں کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: اے اللہ کے دوستو! چلو۔ وہ پوچھیں گے: کہاں؟ فرشتے کہیں گے: جنت کی طرف۔ مومن کہیں گے: تم ہمیں ایسی جگہ لے جا رہے ہو جو ہمارا مقصود نہیں۔ فرشتے پوچھیں گے: تمہارا مقصود کیا ہے؟ مومن کہیں گے: **فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝** یہ خبر خصوصی طور پر اس حق میں مروی ہے خبر میں ہے: "ایسا طائفہ جو اللہ تعالیٰ کا عرفان رکھتا ہوگا اسے فرشتے جنت کی طرف لے جائیں گے جب کہ لوگوں کا ابھی حساب ہو رہا ہوگا۔ وہ لوگ فرشتوں سے کہیں گے کہ ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟ فرشتے کہیں گے: جنت کی طرف۔ وہ لوگ کہیں گے: تم ہمیں اسی چیز کی طرف لے جا رہے ہو جو ہمارا مقصود نہیں۔ فرشتے پوچھیں گے: تمہارا مقصود کیا ہے؟ فرشتے کہیں گے: حبیب کے ساتھ مقعد صدق جس طرح فرمایا: **فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝** اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 222 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 420

سورۃ الرحمٰن

آیاتہا ۷۸ | سورۃ الرحمٰن مکیۃ ۹۷ | رکوعاتہا ۳

حضرت حسن بصری، عروہ بن زبیر، عکرمہ، عطا اور حضرت جابر کے نزدیک ساری سورت مکی ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مگر ایک آیت، وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اس کی چھتر آیات ہیں۔ حضرت ابن مسعود اور مقاتل نے کہا: یہ تمام کی تمام مدنی ہے۔ پہلا قول اصح ہے(2) کیونکہ حضرت عروہ بن زبیر کی روایت ہے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس نے مکہ مکرمہ میں بلند آواز سے قرآن پڑھا وہ حضرت ابن مسعود تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرام نے کہا: قریش نے اس قرآن کو بلند آواز سے کسی کو پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ کوئی ایسا آدمی ہے جو ان کو قرآن سنائے گا؟ حضرت ابن مسعود نے کہا: میں۔ صحابہ نے کہا: ہمیں تمہارے بارے میں ڈر لگتا ہے۔ ہم تو کسی ایسے آدمی کا ارادہ کرتے ہیں جس کا قبیلہ ہو جو اس کا دفاع کرے۔ حضرت ابن مسعود نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا پھر آپ مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو گئے کہا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ پھر اپنی آواز کو بلند کیا جب کہ قریش اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے غور کیا اور کہا: ابن ام عبد کیا کہتا ہے؟ انہوں نے کہا: وہ وہی کہتا ہے جس کے بارے میں (حضرت) محمد گمان کرتے ہیں کہ یہ اس پر نازل کیا گیا ہے۔ پھر انہوں نے حضرت ابن مسعود کو مارا یہاں تک کہ ان کے چہرے پر نشانات چھوڑ دیے۔

یہ بات صحیح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نخلہ کے مقام پر صبح کی نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو سورۃ الرحمٰن پڑھی تو جنوں کی ایک جماعت گزری اور آپ پر ایمان لے آئی۔

ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے(3) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے تو ابتدا سے لے کر آخر تک سورۂ رحمٰن پڑھی تو صحابہ خاموش ہو گئے فرمایا: ”میں نے اسے جنوں والی رات میں جنوں پر پڑھا تھا وہ تم سے اچھا جواب دینے والے تھے۔ میں جب بھی اس آیت پر پہنچا فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ تو وہ کہتے: ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے اے ہمارے رب! تیرے لیے حمد ہے“۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے۔ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ یہ مکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ قاسم بن عاصم منقری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: جو آپ پر نازل ہوتا ہے اسے مجھ پر پڑھو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سورۂ رحمٰن پڑھی۔ اس نے عرض کی: اسے دوبارہ پڑھیے تو آپ نے تین دفعہ اسے پڑھا اس نے کہا: اللہ کی قسم! اس پر ظاہری حسن ہے، اس میں مٹھاس ہے، اس کا نیچے والا حصہ بہت گہرا ہے اور اس کا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 422
2۔ المعجم الکبیر، جلد 24، صفحہ 86، حدیث 231
3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 61، کتاب التفسیر

جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ الرحمٰن، حدیث نمبر 3213، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اوپر والا حصہ پھل دار ہے پس کوئی انسان نہیں کہہ سکتا میں اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں اور توفیق اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہر شے کی دلہن ہوتی ہے اور قرآن کی دلہن سورۂ رحمٰن ہے"(1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۝ اَلشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۪ وَّ النَّجْمُ وَ الشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ ۝ وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِیْزَانَ ۙ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ۝ وَ اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۝ وَ الْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۙ فِیْهَا فَاكِهَةٌ ۪ۙ وَّ النَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۖ ۝ وَ الْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَ الرَّیْحَانُ ۚ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

"رحمٰن نے (اپنے حبیب کو) سکھایا ہے قرآن۔ پیدا فرمایا انسان (کامل) کو (نیز) سکھایا اسے قرآن کا بیان۔ سورج اور چاند حساب کے پابند ہیں اور (آسمان کے) تارے اور زمین سے اگنے والی بیلیں سجدہ کرتے ہیں اور آسمان اسی نے بلند کیا اور میزان (عدل) قائم کی تاکہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو اور وزن کو ٹھیک رکھو انصاف کے ساتھ اور تول کو کم نہ کرو۔ اور اسی نے زمین کو پیدا کیا ہے مخلوق کے لیے اس میں گوناگوں پھل ہیں اور کھجوریں غلافوں والی اور اناج بھی جو بھوسے والا اور خوشبودار پھول۔ پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ سعید بن جبیر اور عامر شعبی نے کہا: الرحمٰن، حم اور نون کا آغاز ہے جب سب کو جمع کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام بن جاتا ہے اور بعض علماء نے ان تینوں کا مجموعہ اَلرَّحْمٰنُ بتایا ہے۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قرآن کی تعلیم دی یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اسے تمام انسانوں تک پہنچایا۔ یہ اس وقت آیات نازل ہوئیں جب انہوں نے یہ کہا: اَلرَّحْمٰنُ یا رحمٰن کیا چیز ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اہل مکہ کے جواب میں نازل ہوئیں جب انہوں نے یہ کہا تھا: اسے ایک انسان سکھاتا ہے وہ یمامہ کا رحمان ہے۔ وہ اس سے مسیلمہ کذاب مراد لیتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔ زجاج نے کہا: عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کا معنی ہے قرآن کو یاد کرنا اور اس کو پڑھنا آسان بنا دیا جس طرح فرمایا: وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے علامت بنا دیا ہے جس کی لوگ عبادت کرتے ہیں۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ حضرت ابن عباس

1۔ کنز العمال، جلد 1، صفحہ 582، حدیث 2638

قتادہ اور حضرت حسن بصری نے کہا: الْاِنْسَانَ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں (1)۔ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ یعنی تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہیں تمام لغات سکھائیں۔ حضرت ابن عباس اور ابن کیسان سے یہ مروی ہے: یہاں انسان سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں (2)۔ بیان سے مراد حرام سے حلال کی اور گمراہی سے ہدایت کی وضاحت ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا: جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا وہ مراد ہے کیونکہ آپ نے اولین، آخرین اور یوم دین کے بارے میں واضح کیا۔ ضحاک نے کہا: بیان سے مراد خیر و شر ہے۔ ربیع بن انس نے کہا: جو اسے نفع دیتی ہے اور جو اسے نقصان دیتی ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے تمام لوگ مراد ہیں، یہ اسم جنس ہے۔ اس تاویل کی صورت میں بیان سے مراد کلام اور فہم ہے یہ ایسا وصف ہے جس کے ساتھ انسان باقی تمام حیوانوں پر فضیلت رکھتا ہے (4)۔ سدی نے کہا: تمام قوموں کو ان کی زبان کی تعلیم دی جس کے ساتھ وہ کلام کرتے ہیں۔ یمان نے کہا: مراد قلم کے ساتھ خط و کتابت ہے؛ اس کی مثل یہ ارشاد ہے: عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (العلق) اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وہ معلوم حساب سے چلتے ہیں۔ تقدیر کلام یہ ہے الشمس والقمر یجریان بحسبان۔ خبر کو مضمر کیا ہے۔ وہ حد سے تجاوز کرتے ہیں اور نہ ایک طرف جھکتے ہیں۔ ابن زید اور ابن کیسان نے کہا: ان دونوں کی مدد سے اوقات، آجال اور عمروں کا حساب لگایا جاتا ہے۔ اگر دن، رات، سورج اور چاند نہ ہوتے کوئی یہ نہ جانتا کہ وہ کیسے حساب کرے اگر سارے کا سارا زمانہ رات یا دن ہی ہوتا۔

سدی نے کہا: بِحُسْبَانٍ سے مراد ہے ان کی اجل کی تقدیر ہے جس طرح لوگوں کی زندگی کے اوقات مقرر ہیں اسی طرح ان کے اوقات مقرر ہیں جب ان کی اجل آجاتی ہے تو یہ دونوں ہلاک ہو جاتے ہیں؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى (الرعد: 2) ضحاک نے حسبان کا معنی تقدیر کیا ہے۔ مجاہد نے کہا: حسبان سے مراد ہے چکی کی میخ وہ یوں گردش کرتے ہیں جس طرح چکی میخ کے گرد گھومتی ہے (5)۔ حسبان بعض اوقات حسبتہ، احسبہ کا مصدر ہوتا ہے جس طرح غفران، کفران اور رجحان ہے اور حسبۃ بھی اس کا مصدر آتا ہے یعنی میں نے اسے شمار کیا۔ اخفش نے کہا: یہ حساب کی جمع ہے جس طرح شہاب کی جمع شہبان آتی ہے۔ حسبان جب ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی عذاب اور چھوٹے تیر ہوتے ہیں سورۂ کہف میں گزرا ہے اس کی واحد حسبانہ ہے۔ حسبانہ کا معنی چھوٹا تکیہ بھی ہوتا ہے اسی معنی میں تو کہتا ہے: حسبتہ جب تو اسے تکیہ بنائے کہا:

لَثَوَيْتَ غَيْرَ مُحَسَّبِ

یعنی تکیہ کے بغیر نہ اس میں تکریم تھی نہ ہی اس میں کفن دیا گیا تھا۔

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہا: نجم اسے کہتے ہیں جس کا تنا نہ ہو اور درخت اسے کہتے ہیں جس کا تنا ہو (6)۔ نجم یہ نجم الشیء ینجم نجوما سے مشتق ہے جب وہ ظاہر و طلوع ہو۔ ان کے سجود سے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 423 | 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 223 | 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 423
4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 223 | 5۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 424 | 6۔ ایضاً

حسن: (6) طغیان کا معنی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ جس نے کہا: میزان کا معنی عدل کرنا ہے(1) تو اس نے کہا طغیان کا معنی ظلم ہے۔ جس نے کہا: میزان سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے۔ اس نے کہا: طغیان کا معنی کمی کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس بنی‌اللہ عنہما نے کہا: جس کے لیے تم وزن کرو اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔ ان سے یہ بھی مروی ہے جس نے کہا: اس کا معنی ہے اس نے کہا: اس کے طغیان سے مراد تحریف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں اضمار ہے یعنی اس نے میزان اتارا تاکہ تم بیدار ہو کر تم اس میں سرکشی نہ کرو۔

وَ اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ یعنی عدل کے ساتھ اسے سیدھا رکھو۔ حضرت ابو درداء بنی‌اللہ عنہ نے کہا: ترازو کی ڈنڈی انصاف کے ساتھ سیدھا رکھو۔ ابن عیینہ نے کہا: اقامت کا تعلق ہاتھ سے اور قسط کا تعلق دل سے ہے۔ مجاہد نے کہا: قسط رومی زبان میں عدل کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے اقام الصلوۃ یعنی اسے اپنے وقت میں ادا کیا۔ اقام الناس سوقهم وہ بازار میں اس کے وقت میں آئے۔ یعنی تم وزن میں عدل کے ساتھ جو باہم معاملہ کرتے ہو اسے ترک نہ کرو۔

وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ۝ میزان میں کمی نہ کرو، کیل اور وزن میں کمی نہ کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ (ہود: 84) قتادہ نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: ابن آدم تو عدل کر جس طرح تو پسند کرتا ہے کہ تیرے ساتھ عدل کیا جائے اور پورا پورا حق دو جس طرح تو پسند کرتا ہے کہ تجھے پورا پورا حق دیا جائے، کیونکہ عدل میں ہی لوگوں کا بھلا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قیامت کے روز اپنی نیکیوں کے میزان میں کمی نہ کرو کہ یہ چیز تمہارے لیے حسرت بن جائے۔ آیات کے سروں کی رعایت کرتے ہوئے میزان کا لفظ مکرر ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تکرار وزن کو پورا کرنے اور عدل کی رعایت کے امر کے لیے ہے۔ عام قرأت تخسروا ہے۔ بلال بن ابی بردہ اور ابان بن عثمان نے تَخْسِرُوا قرأت کی ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اخسرت المیزان وخسرته یہ اجبرته وجبرته کی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تخسروا تا اور سین کے فتحہ کے ساتھ ہے حرف جر کے حذف پر محمول ہے۔ معنی ہے ولا تخسروا فی المیزان میزان میں کمی نہ کرو۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ۝ انام سے مراد لوگ ہیں(2) یہ حضرت ابن عباس بنی‌اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جن اور انسان مراد ہیں(3)۔ ضحاک نے کہا: روئے زمین پر جو چیز چلتی ہے۔ یہ عام ہے فِیْهَا فَاكِهَةٌ مختلف قسم کے پھلوں سے انسان جو لطف اندوز ہوتا ہے۔

وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ۝ اکمام: کم کی جمع ہے۔ جوہری نے کہا: کم اور کمامہ کا معنی گابھے کا غلاف اور کلی کا پردہ ہے۔ اس کی جمع کمام، اکمہ، اکمام اور اکامیم آتی ہے کم الفصیل جب اس پر شفقت کی گئی اسے ڈھانپا گیا یہاں تک کہ وہ [illegible] کیا۔ عجاج نے کہا:

بَلْ لَوْ شَهِدْتَ النَّاسَ اِذْ تُكُمُّوا بِغُمَّةٍ لَوْ لَمْ تُفَرَّجْ غُمُّوا

زید کا قول ہے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد کھیتی کی سبزی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: مراد وہ کھیتی ہے جو سیدھے پر کھڑی ہو۔ فراء نے کہا: عصف سے مراد کھیتی میں سے جسے کھایا گیا ہو (2) اور ریحان اسے کہتے ہیں جسے نہ کھایا جائے۔ بعض نے کہا: عصف اس پتے کو کہتے ہیں جس کو کھایا نہیں جاتا (3)۔ ریحان اس دانے کو کہتے ہیں جس کو کھایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایسی سبزی جس کی خوشبو اچھی ہو اسے ریحان کہتے ہیں کیونکہ انسان اس کی اچھی خوشبو سونگھتا ہے۔ یہ فعلان کا وزن ہے۔ روحان رائحہ سے ماخوذ ہے کلمہ میں یاء کا اصل واؤ تھا اس کے اور روحانی کے درمیان فرق کرنے کے لیے واؤ کو یاء سے بدل دیا۔ روحانی ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کی روح ہو۔ ابن اعرابی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے شئی روحانی و ریحانی یعنی اس کی روح ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ فعیلان کے وزن پر ہو اس کی اصل ریوحان ہے واؤ کو یاء سے بدل دیا اور پھر ادغام کیا جس طرح ھین اور لین پھر حوالت اور الف نون زائدہ کے لاحق ہونے کی وجہ سے تخفیف کو لازم کر دیا گیا۔ نون، واؤ اور حاء سے مرکب ہو اس میں اصل مجموعہ اور حرکت کرتا ہے۔ صحاح میں ہے: ریحان سے مراد معروف جڑی بوٹی ہے۔ ریحان سے مراد رزق ہے تو کہتا ہے: خرجت ابتغی ریحان اللہ میں اللہ تعالیٰ کا رزق تلاش کرنے کے لیے نکلا۔ نمر بن تولب نے کہا:

سلام الالہ و ریحانہ اللہ تعالیٰ کا سلام اور اس کا رزق (4)۔

حدیث میں ہے: الولد من ریحان اللہ (5) اولاد اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ اور لوگوں کا یہ قول سبحان اللہ و ریحانہ دونوں کو مفعول مطلق کے طریقہ پر نصب دی ہے۔ وہ یہ قول کر کے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا چاہتے ہیں اور اس سے رزق کے طالب ہوتے ہیں۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ⊙ کا تعلق ہے تو عصف سے مراد کھیتی کا تنا اور ریحان سے مراد اس کا پتہ ہے، یہ فراء سے مروی ہے۔ عام قراءت وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ⊙ دونوں پر رفع ہے کیونکہ ان کا عطف الفٰکھۃ پر ہے۔ ابن عامر، ابو حیوہ اور مغیرہ نے الارض پر عطف کرتے ہوئے انہیں منصوب پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل مضمر ہے تقدیر کلام یہ ہے خلق الحب ذا العصف والریحان اس صورت میں ذات الاکمام پر وقف کرنا اچھا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے الریحان کو جر دی ہے اس کا عطف العصف پر ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی الحب ذو العصف والریحان جس نے ریحان کو رزق بنایا ہے یہ اس پر ممتنع نہیں، گویا یوں کہا: الحب ذو الرزق۔ رزق اس حیثیت میں کہ عصف رزق ہے کیونکہ عصف بہائم کا رزق ہے اور ریحان لوگوں کا رزق ہے (6)۔ جس نے یہ کہا کہ یہ ریحان مشموم ہے اس کے قول میں کوئی شبہ نہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⊙ یہ جن و انس کو خطاب ہے کیونکہ انام کا لفظ دونوں پر صادق آتا ہے (7)۔ یہ جمہور کا قول

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 426 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 225 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 428 4۔ ایضاً
5۔ نوادر الاصول، الاصل الحادی عشر والمائتان، صفحہ 146۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی حب الولد، حدیث 1833، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
6۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 225 7۔ ایضاً

ٹھہرایا جو اس کے ساتھ مالک ہے اور اس کے ساتھ قوت ہے یہی ان کی تکذیب ہے۔ پھر یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صلصال سے پیدا کیا۔ پھر یہ ذکر کیا کہ جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ پھر ان سے پوچھا تو فرمایا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ تم اپنے رب کی کس قدرت کا انکار کرتے ہو کیونکہ ہر مخلوق میں اس کی قدرت کے بعد قدرت شامل ہے۔ ان آیات میں تکرار تاکید کے لیے اور وضاحت میں مبالغہ کے لیے ہے اور ان کے خلاف دلیل قائم کرنے کے لیے ہے کہ ایک مخلوق کے بعد دوسری مخلوق کو پیدا کیا۔ قتبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی نعمتوں کا شمار کیا اپنی مخلوق کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں۔ پھر اس کے پیچھے ہر ایک کا ذکر کیا جس سے وہ متصف تھا اور ہر ایک نعمت کا ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد جو اس پر کی اور یہ دو نعمتوں کے درمیان اسے فاصلے کے طور پر رکھا تاکہ انہیں نعمتوں پر متنبہ کرے اور انہیں وہ نعمتیں یاد دلائے جس طرح تو اس آدمی کو کہتا ہے جس پر تو لگاتار احسان کرتا ہے جب کہ وہ اللہ کی ناشکری کرتا ہے اور اس کا انکار کرتا ہے۔ کیا تو فقیر نہیں تھا تو میں نے تجھے غنی کر دیا۔ کیا تو اس کا انکار کرتا ہے؟ کیا تو گمنام تھا تو میں نے تجھے عزت دار بنایا کیا تو اس کا انکار کرتا ہے؟ اس قسم کی صورت حال میں تکرار اچھا ہے جس طرح کہا:

كَمْ نِعْمَةٍ كَانَتْ لَكُمْ كَمْ كَمْ وَكَمْ

تمہارے لیے کتنی ہی نعمتیں ہیں۔

اسی طرح کہا:

لَا تَقْتُلِي مُسْلِمًا إِنْ كُنْتِ مُسْلِمَةً إِيَّاكِ مِنْ دَمِهِ إِيَّاكِ إِيَّاكِ

اگر تو مسلمان عورت ہے تو کسی مسلمان کو قتل نہ کر، اس کے خون سے بچ۔

ایک اور شاعر نے کہا:

وَلَا تَمَلَّنَّ مِنْ زِيَارَتِهِ زُرْهُ وَزُرْهُ وَزُرْ وَزُرْ وَزُرْ

اپنے دوست کی ملاقات سے نہ اکتا تو اس کی ملاقات کر۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

"پیدا فرمایا انسان کو بجنے والی مٹی سے ٹھیکری کی مانند اور پیدا کیا جن کو آگ کے خالص شعلے سے۔ پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہی دونوں مشرقوں کا رب ہے اور دونوں مغربوں کا رب ہے۔ پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ جب اللہ تعالیٰ نے عالم کبیر کی تخلیق یعنی آسمان، زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کی وحدانیت اور اس کی قدرت پر موجود دلائل کا ذکر کیا تو عالم صغیر کی تخلیق کا ذکر کیا، فرمایا: خَلَقَ الْاِنْسَانَ علماء کے قول کا اتفاق ہے کہ الْاِنْسَانَ سے مراد

حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ صلصال سے مراد خشک مٹی ہے جس کی کھنک سنائی دیتی ہے۔ اس کو فخار کے ساتھ تشبیہ دی جسے پکایا گیا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایسی مٹی ہے جس میں ریت کی آمیزش ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بدبودار مٹی ہے(1) یہ صل اللحم واصل سے مشتق ہے جب وہ بدبودار ہو۔ سورۃ حجر میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ یہاں کہا: مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ایک اور جگہ فرمایا: مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُونٍ (الحجر) ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ (الصافات) فرمایا: كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران: 59) سب کا معنی ایک ہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تراب سے مٹی لی اسے گوندھا تو وہ طین بن گئی پھر وہ منتقل ہوئی تو وہ حما مسنون کی طرح ہو گئی پھر خشک ہوئی تو وہ فخار کی طرح صلصال ہو گئی۔

وَخَلَقَ الْجَاۗنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ حضرت حسن بصری نے کہا: جان سے مراد ابلیس ہے یہ جنوں کا باپ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الجان جن کا واحد ہے مارج سے مراد خالص شعلہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنوں کو خالص جان سے پیدا کیا۔ لیث نے کہا: مارج سے مراد ایسا شعلہ ہے جو پھیلنے والا ہو جو شدید لپک والا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے(2) اس سے مراد وہ شعلہ ہے جو آگ پر بلند ہوتا ہے اور اس کا بعض بعض سے مل جاتا ہے یعنی کوئی سرخ کوئی زرد اور کوئی سبز ہوتا ہے۔ اس کی مثل مبرد کا قول ہے مبرد نے کہا: مارج سے مراد ایسی آگ ہے جو روکی نہ جا سکے۔ ابو عبیدہ اور حسن بصری نے کہا: مارج سے مراد خلط ملط آگ ہے۔ اس کی اصل مرج ہے جب وہ مضطرب ہو اور خلط ملط ہو۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو آگوں کو پیدا کیا ان میں سے ایک کو دوسری کے ساتھ ملا دیا تو ان میں سے ایک دوسری کو کھا گئی وہ نار سموم تھی اس سے ابلیس کو پیدا کیا۔ قشیری نے کہا: لغت میں مارج سے مراد ہے جسے چھوڑ دیا گیا ہو یا جو خلط ملط ہو گیا ہو۔ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے جو اسم مفعول کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَّاۗءٍ دَافِقٍ (الطارق) عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ (الحاقہ) معنی ہے مرج والی۔ جوہری نے صحاح میں کہا: مارج من نار سے مراد ایسی آگ ہے جس میں دھواں نہ ہو اس سے جنوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ تقدیر کلام یوں ہے ھو رب المشرقين۔ سورۃ صافات میں رَبُّ الْمَشَارِقِ ہے، اس کے بارے میں وہاں گفتگو گزر چکی ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

"اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے ہیں، ان کے درمیان آڑ ہے آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے۔ پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 226　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 428

ہیں یہ ضحاک اور قتادہ کا نقطۂ نظر ہے۔ حضرت ابن مسعود اور ابو مالک نے کہا: مرجان سرخ موتی ہے۔

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَاٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿﴾

"اور اسی کے زیر فرمان ہیں وہ جہاز جو سمندروں میں پہاڑوں کی مانند بلند نظر آتے ہیں۔ پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

وَلَهُ الْجَوَارِ جوار سے مراد کشتیاں ہیں (1)۔ الْمُنْشَاٰتُ عام قرأت المنشات ہے یعنی شین پر زبر ہے۔ قتادہ نے کہا: ایسی مخلوق جو چلنے کے لیے ہو (2)۔ یہ انشاء سے ماخوذ ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ایسی کشتیاں ہیں جن کے بادبان اٹھا دیئے گئے ہوں۔ جب ان کے بادبان نہ اٹھائے جائیں تو وہ منشات نہیں۔ اخفش نے کہا: اس سے مراد چلنے والی ہیں (3)۔ حدیث میں ہے: حضرت علی شیر خدا بنیء نے ایسی کشتیوں کو دیکھا جن کے بادبان اٹھا دیئے گئے تھے (4) فرمایا: ان کشتیوں کے رب کی قسم! نہ میں نے حضرت عثمان کو قتل کیا اور نہ میں نے ان کے قتل میں مدد کی۔

حمزہ اور ابو بکر نے عاصم سے اس سے مختلف روایت نقل کی ہے (5) المنشآت یعنی شین کے کسرہ کے ساتھ ہے مراد المنشآت السیر ہے فعل کی نسبت جو اس طرف کی گئی ہے وہ بطور مجاز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کے بادبان اٹھا دیئے گئے ہوں جس نے شیئن کو فتحہ دیا اس نے کہا: مراد ہے المرفوعات الشرع۔ كَالْاَعْلَامِ ﴿﴾ پہاڑوں کی مانند۔ علم سے مراد طویل پہاڑ ہے۔ کہا: اذا قطعن علما بدا علم انہوں نے جب ایک طویل پہاڑ طے کیا تو دوسرا پہاڑ ظاہر ہو گیا۔ سمندر میں کشتیاں اس طرح ہیں جس طرح خشکی میں پہاڑ ہوتے ہیں۔ سورۂ شوریٰ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ یعقوب نے الجواری وقف میں یاء کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ باقی قراء نے یاء کو حذف کیا ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿﴾

"جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گی آپ کے رب کی ذات جو بڑی عظمت و احسان والی ہے۔ پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿﴾ علیہا میں ضمیر الارض کے لیے ہے۔ سورت کے آغاز میں اس کا ذکر ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿﴾ (الرحمٰن) ایک جملہ یہ بولا جاتا ہے: ما اکرم من علیہا یہاں علیہا میں ضمیر سے مراد زمین لیتے ہیں اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہ ہو۔ حضرت ابن عباس بنیء نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی فرشتوں نے کہا: اہل زمین ہلاک ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص: 88) ملائکہ کو ہلاکت کا یقین ہو گیا؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ مخلوق کے فنا ہونے میں نعمت یہ ہے کہ موت میں سب کو برابر کر دیا اور موت کے ساتھ تمام قدم برابر ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نعمت کی صورت یہ ہے کہ موت دار جزا اور دار ثواب کی طرف منتقل ہونے کا سبب ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 228 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 431 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ یعنی اللہ تعالیٰ باقی رہے گا۔ وجہ سے مراد اس کا وجود اور اس کی ذات ہے، شاعر نے کہا:

قضى على خلقه المنايا فكل شيء سواه فان

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر موتوں کا فیصلہ کر دیا تو اس کے سوا ہر شے فانی ہے۔

یہ وہ تعبیر ہے جسے ہمارے محقق علماء یعنی ابن فورک، ابو معالی اور دوسروں نے اختیار کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وجہ سے مراد اس کی ذات ہے جس طرح فرمایا: وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۝ (الرحمٰن)

ابو معالی نے کہا: وجہ سے مراد ہمارے ائمہ کے نزدیک وجود باری تعالیٰ ہے۔ ہمارے مشائخ نے اسے ہی پسند کیا ہے اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ جب مخلوق کو فنا پر پیش کیا جائے تو باقی سے موصوف اللہ تعالیٰ کا وجود ہو گا۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ: 115) میں گزر چکی ہے۔ ہم نے اسے کتاب الاسنیٰ میں مفصل ذکر کر دیا ہے۔ قشیری نے کہا: ایک قوم کا نقطہ نظر ہے یہ ذات پر زائد صفت ہے جس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ جسے اکرام سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے اس پر توجہ اسی صفت سے حاصل ہوتی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وَجْهُ سے مراد اس کا وجود اور اس کی ذات ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: هذا وجه الامر وجه الصواب وعين الصواب ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا ظہور اس کے دلائل کے ساتھ باقی رہے گا جس طرح انسان کا ظہور اس کے چہرے کے ذریعے ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جہت باقی رہے گی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے گا۔ ذُو الْجَلٰلِ جلال سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی کبریائی ہے اور صفات مدح کا مستحق ہونا ہے یہ کہا جاتا ہے: جل الشئ یعنی چیز عظیم ہو گئی اجللتہ میں نے اس کی عظمت کو بیان کیا۔ الجلال یہ جل کا اسم ہے۔ وَ الْاِكْرَامِ وہ اس کا اہل ہے کہ اس کی ان چیزوں سے عظمت بیان کی جائے جو اس کے مناسب نہ ہو جیسے شرک جس طرح تو کہتا ہے: انا اكرمك عن هذا اس معنی میں اکرام الانبیاء والاولیاء کا لفظ ہے۔ ہم نے ان دونوں اسماء کے بارے میں کتاب الاسنیٰ میں مفصل بحث کی ہے۔

حضرت انس نے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الظوا بياذا الجلال والاكرام یا ذالجلال والاکرام کے ساتھ دعا کو لازم پکڑو (1)۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے جس کا معنی ہے دعا میں اسے لازم پکڑو۔ ابو عبید نے کہا: الظاظ کا معنی شے کو لازم پکڑنا ہے اور اس پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: الظاظ کا معنی اصرار کرنا ہے۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے: ایک آدمی نے اصرار کیا وہ کہنے لگا: اللهم يا ذا الجلال والاكرام اللهم يا ذا الجلال والاكرام تو اسے ندا کی گئی: میں نے سن لیا ہے تیری کیا حاجت ہے؟

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۝ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

1۔ المستدرک علی الصحیحین، کتاب الدعاء والتکبیر والتہلیل، جلد 1، صفحہ 676، حدیث 1836

جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب ما جاء فی جامع الدعوات عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر 3447، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

"مانگتے رہتے ہیں اس سے (اپنی حاجتیں) سب آسمان والے اور زمین والے ہر روز وہ ایک نئی شان سے تجلی فرماتا ہے۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

یَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آسمانوں میں جو ہے وہ رحمت کا سوال کرتا ہے اور زمین میں جو کوئی ہے وہ رزق کا سوال کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابو صالح نے کہا: اہل آسمان مغفرت کا سوال کرتے ہیں وہ رزق کا سوال نہیں کرتے اور اہل زمین دونوں چیزوں کا سوال کرتے ہیں۔ ابن جریج نے کہا: ملائکہ اہل زمین کے لیے رزق کا سوال کرتے ہیں۔ دونوں سوال اہل زمین کے لیے ہیں وہ سوال آسمان والوں کی جانب سے ہو یا اہل زمین کی جانب سے ہو۔ حدیث میں ہے: "فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جس کے چار چہرے ہیں ایک چہرہ انسان کے چہرہ کی طرح ہے وہ اللہ تعالیٰ سے انسانوں کے لیے رزق کا سوال کرتا ہے، ایک چہرہ شیر کے چہرے جیسا ہے وہ درندوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے رزق کا سوال کرتا ہے، ایک چہرہ بیل کے چہرے جیسا ہے جو چوپاؤں کے لیے رزق کا سوال کرتا ہے ایک چہرہ گدھ کے چہرے جیسا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے پرندوں کے لیے رزق کا سوال کرتا ہے"۔ ابن عطا نے کہا: انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عبادت پر قوت کا سوال کیا۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۞ یہ نیا کلام ہے كُلَّ يَوْمٍ کو فِيْ شَاْنٍ یا سوال کی ظرف کے طور پر منصوب ہے پھر نیا کلام کیا هُوَ فِيْ شَاْنٍ۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ سے مراد ہے اس کی یہ شان ہے کہ وہ گناہ بخش دیتا ہے، تکلیفوں کا دور کرتا ہے، ایک قوم کو عزت سے نوازتا ہے اور دوسروں کو پست کرتا ہے" (1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ کا یہ معنی نقل کیا ہے "وہ گناہ بخش دیتا ہے، وہ مصیبت کو دور کرتا ہے اور دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہے" (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی شان یہ ہے کہ وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، وہ عزت دیتا ہے اور ذلت دیتا ہے، وہ رزق دیتا ہے اور رزق روک لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: دنیا و آخرت میں اس کی شان کا ارادہ کیا۔ ابن بحر نے کہا: تمام زمانہ دو دن ہیں ان دونوں میں سے ایک دنیا کے ایام کی مدت ہے اور دوسرا یوم قیامت ہے (3)۔ دنیا کے دنوں میں اس کی شان (اس کا عمل) یہ ہے آزمانا، امر و نہی کے ساتھ امتحان لینا، زندہ کرنا، موت دینا، عطا کرنا اور روک لینا، قیامت کے دن اس کا یہ کام ہو گا جزا دینا، حساب کرنا، ثواب دینا اور عذاب دینا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے دنیا کے دنوں میں سے ہر دن میں اپنے عمل کے بارے میں خبر دینا۔ یہ تو ظاہر ہے۔ لغت میں شان سے مراد عظیم کام ہے۔ اس کی جمع شئون ہے یہاں شَاْنٍ سے مراد جمع ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا (غافر: 67) کلبی نے کہا: اس کا عمل یہ ہے مقادیر کو ان کے اوقات کی طرف لے جاتا ہے۔ عمرو بن

1۔ شعب الایمان، جلد 2، صفحہ 36، سورۃ رحمٰن، کل یوم ھو فی شان، حدیث 1102۔
نیز سنن ابن ماجہ، باب ما جاء فی انکرت الجہمیۃ، حدیث 197، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 157

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 432

میمون نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ کے بارے میں فرمایا: اس کا عمل یہ ہے وہ زندہ کو موت دیتا ہے، رحموں میں جو چاہتا ہے اسے قرار دیتا ہے، وہ ذلیل کو عزت دیتا ہے اور عزیز کو ذلت دیتا ہے۔ ایک امیر نے وزیر سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ کے بارے میں سوال کیا تو وہ اس کا معنی نہیں پہچانتا تھا وزیر نے کل تک مہلت مانگی پریشان ہو کر گھر کی طرف چلا گیا۔ اس کے حبشی غلام نے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ وزیر نے اسے بتایا۔ غلام نے اسے کہا: امیر کے پاس واپس جائیے میں اس کے سامنے اس کی وضاحت کروں گا۔ بادشاہ نے اسے بلا لیا عرض کی: اے امیر! اس کا عمل یہ ہے: وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، بیمار کو شفا دیتا ہے اور صحت مند کو مریض کر دیتا ہے، آسودہ کو آزماتا ہے اور مصیبت زدہ کو عافیت عطا کرتا ہے، ذلیل کو عزت دیتا ہے اور عزیز کو ذلت دیتا ہے، غنی کو فقیر کرتا ہے اور فقیر کو غنی کرتا ہے۔ امیر نے اس سے کہا: تو نے میری تکلیف کو رفع کیا اللہ تعالیٰ تیری تکلیف کو رفع فرمائے۔ پھر امیر نے وزیر کی خلعت اتارنے کا حکم دیا اور غلام کو پہنا دی۔ اس نے عرض کی: اے میرے آقا! یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

حضرت عبداللہ بن طاہر سے مروی ہے اس نے حسین بن فضل کو بلایا اسے کہا: تین آیات ایسی ہیں جنہوں نے مجھے پریشان کر دیا ہے میں نے تجھے بلایا ہے تاکہ تو میرے لیے ان کی وضاحت کر دے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ (المائدہ) یہ بات ثابت ہے کہ ندم توبہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ (الرحمٰن: 29) یہ صحیح ہے کہ قلم اس بارے میں خشک ہو چکا ہے جو قیامت تک ہونا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (النجم) یہ کئی گنا کا کیا مفہوم ہے؟ حسین بن فضل نے جواب دیا: یہ جائز ہے کہ اس امت میں شرمندگی توبہ نہ ہو اور اس امت میں شرمندگی توبہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ایسے خصائص کے ساتھ خاص کیا ہے جن میں دوسری امتیں شریک نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قابیل کا شرمندہ ہونا ہابیل کے قتل پر نہ تھا بلکہ اس کے اٹھانے پر شرمندہ ہوا تھا۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ کا تعلق ہے وہ ایسے امور ہیں جن کو وہ ظاہر فرماتا ہے وہ ایسے امور نہیں جن کا وہ آغاز کرتا ہے، جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا تعلق ہے وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی اس کا معنی ہے عدل کے اعتبار سے تو اس کے لیے وہی کچھ ہے جس کی وہ کوشش کرے اور میری یہ شان ہے کہ میں ایک کے بدلے میں بطور فضل ہزار دوں۔ عبداللہ اٹھا اس کے سر کو چوما اور اس کے لیے خراج میں سے وظیفہ جاری قرار دیا۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

"ہم عنقریب توجہ فرمائیں گے تمہاری طرف اے جن و انس! پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

وَنُحَاسٌ عام قراءت وَنُحَاسٌ ہے اس کا عطف شُوَاظٌ پر ہے۔ ابن کثیر، ابن محیصن، مجاہد اور ابو عمرو نے وَنُحَاسٍ جر کے ساتھ پڑھا ہے اس کا عطف النار پر ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے شُوَاظٌ کا معنی ایسا شعلہ لیا ہے جس میں دھواں نہیں ہوتا تو وہ بہت ہی بعید ہے یہ اس وقت تک جائز نہیں ہوتا جب تک موصوف کو حذف نہ کیا جائے، گویا کہا: یرسل علیکما شواظ من نار وشیء من نحاس یہاں شیء کا لفظ شواظ پر معطوف ہے یا ایسا جملہ ہے جو شیء کی صفت ہے اور شیء کو حذف کر دیا گیا اور من کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس کا ذکر من نار میں گزر چکا ہے جس طرح علی ان کے قول میں محذوف ہے من تنزل اول منه اس تعبیر کی بنا پر نحاس من محذوف کی وجہ سے مجرور ہوگا۔ مجاہد، حمید، عکرمہ اور ابو العالیہ نے وَنِحاس پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح شِواظ اور شُواظ۔ نحاس کا معنی طبیعت اور اصل بھی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان کریم النحاس اسی طرح نُحاس بھی ہے یعنی وہ اچھے حسب والا ہے۔

مسلم بن جندب نے وَنَحْسٌ پڑھا ہے (1)۔ حنظلہ بن مرہ بن نعمان انصاری نے وَنَحْسٍ، نار پر عطف کرتے ہوئے پڑھا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نِحاس کسرہ کے ساتھ ہو۔ نَحِس کی جمع ہے جس طرح صعب و صعاب ہے۔ وَنَحْسٌ رفع کے ساتھ شواظ پر معطوف ہے۔ حضرت حسن بصری سے وَنُحُسٍ ہے یہ نحس کی جمع ہے۔ یہ بھی جائز ہے اس کی اصل ونحوس ہو اس کی واؤ کو حذف کر کے قصر کا قاعدہ جاری کیا گیا جس طرح پہلے گزر چکا ہے وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۞ (النحل)

عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ نے وَنَحُسُّ پڑھا ہے نون مفتوح ہے حا مضموم ہے اور سین مشدد ہے یہ حس یحس حسا سے مشتق ہے جب اسے جڑ سے اکھیڑ دے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ (آل عمران: 152) ہم عذاب کے ساتھ قتل کریں گے۔ پہلی قراءت کی بنا پر نحاس وہ پگھلا ہوا تانبا ہے جو ان کے سروں پر بہایا جائے گا؛ یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر سے یہ مروی ہے کہ نحاس سے مراد ایسا دھواں ہے جس میں شعلہ نہیں ہوتا۔ خلیل کے قول کا یہی معنی ہے کلام عرب میں یہ اسی معنی کے ساتھ معروف ہے۔ نابغہ بنی جعدہ نے کہا:

يُضِيءُ كَضَوْءِ سِرَاجِ السَّلِيطِ يَجْعَلِ اللهُ فِيهِ نُحَاسَا (2)

وہ کڑوے تیل کے چراغ کی روشنی کی طرح روشنی دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں دھواں نہیں بنایا۔

اصمعی نے کہا: میں نے ایک بدو کو کہتے ہوئے سنا سلیط شام میں زیتون کے تیل کو کہتے ہیں اس میں دھواں نہیں ہوتا۔
مقاتل نے کہا: یہ پگھلے ہوئے تانبے کے پانچ دریا ہوں گے جو عرش کے نیچے سے جہنمیوں کے سروں پر بہہ رہے ہوں گے تین دریا رات کے برابر اور دو دریا دن کے برابر ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: نحاس سے مراد سفید تانبا ہے۔ ضحاک نے کہا: یہ پگھلے تیل کی تلچھٹ ہے۔
کسائی نے کہا: مراد ایسی آگ ہے جس پر بہت بو چل رہی ہوگی۔ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۞ یعنی وہ ایک دوسرے کی مدد نہیں

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 231
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 435

کریں گے مراد جن وانس ہیں۔

فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۳۸﴾
فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۰﴾

"پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو سرخ ہو جائے گا جیسے رنگا ہوا سرخ چمڑا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ تو اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ قیامت کے روز جب آسمان پھٹ جائے گا۔ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ الدھان سے مراد تیل ہے۔ یہ مجاہد، ضحاک اور دوسرے علماء سے مروی ہے معنی ہوگا وہ صاف تیل کی طرح ہو جائے گا۔ اس تعبیر کی بنا پر دھان، دھن کی جمع ہوگا۔ سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا: معنی ہے وہ سرخ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ گلاب کی طرح سرخ اور تیل کی طرح جاری ہوگا، یعنی پھٹنے کے ساتھ پگھل جائے گا یہاں تک کہ جہنم کی آگ کی گرمی سے سرخ ہو جائے گا اور اپنی نرمی اور پگھلنے کی وجہ سے تیل کی طرح ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الدھان سے مراد سرخ جلد ہے(1)؛ ابو عبیدہ اور فراء نے یہ ذکر کیا ہے یعنی آسمان آگ کی گرمی کی شدت کی وجہ سے چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے کہا: وہ سرخ گھوڑے کی طرح ہو جائے گا۔ کمیت گھوڑے کو ورد کہتے ہیں جب وہ مختلف رنگ اختیار کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرس ورد موسم بہار میں کمیت اصفر (زرد) ہوتا ہے(2) موسم سرما کے آغاز میں کمیت احمر (سرخ) ہوتا ہے جب موسم سرما سخت ہو جائے تو وہ کمیت اغبر (خیالا) ہوتا ہے۔ فراء نے کہا: فرس ورد سے یہ کا ارادہ کیا۔ یہ گھوڑا موسم بہار میں زردی مائل سرخ ہوتا ہے جب سردی سخت ہوتی ہے تو گلابی سرخ ہوتا ہے اور جب اس کے بعد کا موسم ہوتا ہے تو وہ خیالا گلابی ہوتا ہے۔ آسمان کے مختلف رنگوں کے اپنانے کو گلابی گھوڑے کے رنگ بدلنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: كَالدِّهَانِ کا معنی ہے وہ تیل انڈیلنے کی طرح ہوگا کیونکہ جب تو اسے انڈیلتا ہے تو تو اس میں مختلف رنگ دیکھتا ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: معنی ہے وہ تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ گرتے ہوئے آئے گا۔ زجاج نے کہا: وردہ سے مراد واردہ یعنی "ورد" کا اصل معنی آنا ہے یہ اس کے قریب ہے جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ وردہ گھوڑے کے رنگ بدلتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: آج وہ سبز ہے عنقریب اس کا رنگ سرخ ہوگا؛ یہ ثعلبی نے حکایت بیان کی ہے۔ ماوردی نے کہا: متقدمین نے گمان کیا ہے آسمان کا اصل رنگ سرخ ہے زیادہ رکاوٹوں اور مسافت کی دوری کی وجہ سے اس کا رنگ نیلا دکھائی دیتا ہے(3)۔ لوگوں نے اسے بدن کی رگوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے یہ خون کی سرخی کی طرح سرخ ہوتی ہیں رکاوٹ کی وجہ سے نیلی دکھائی دیتی ہیں۔ اگر یہ صحیح ہو تو آسمان قیامت کے روز دیکھنے والوں کے قریب ہونے اور رکاوٹوں کے اٹھ جانے کی وجہ سے سرخ دکھائی دے گا کیونکہ یہی اس کا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 231
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 438

اصل رنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّ لَا جَآنٌّ ۟ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۟ (القصص) قیامت کے کئی مقامات ہیں کیونکہ وہ دن لمبا ہوگا بعض مقامات پر اس سے سوال کیا جائے گا اور بعض مواقع پر سوال نہیں کیا جائے گا؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جب وہ جہنم میں تڑپ رہے ہوں گے تو ان سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: ان سے ان کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گناہوں کو ان پر محفوظ کر رکھا ہے اور فرشتوں نے انہیں لکھ رکھا ہے؛ عوفی نے اسے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اور حضرت حسن بصری اور مجاہد سے بھی یہ نقل کیا ہے (1)۔ معنی ہے فرشتے ان کے بارے میں نہیں پوچھیں گے کیونکہ وہ انہیں ان کے چہروں سے پہچانتے ہیں اس کی دلیل مابعد کلام ہے؛ یہ قول مجاہد کا ہے۔ ذریعہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے اس سے اس آیت فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۟ (الحجر) اور آیت فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّ لَا جَآنٌّ ۟ کی تفسیر میں بھی مروی ہے وہ اس سے نہیں پوچھے گا کہ تم نے کیا عمل کیے؟ کیونکہ وہ ان کے بارے میں ان کی نسبت زیادہ جانتا ہے بلکہ وہ ان سے سوال کرے گا: تم نے یہ عمل کیوں کیا؟ یہ سوال شرمندہ کرنے کے لیے ہوگا۔

ابو العالیہ نے کہا: غیر مجرم سے مجرم کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ قتادہ نے کہا: پہلے سوال ہوگا پھر لوگوں کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور اعضاء ان کے خلاف گواہ کے طور پر کلام کریں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس میں ہے رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ بندے سے ملاقات کرے گا اور فرمائے گا: اے فلاں! کیا میں نے تجھے معزز نہیں بنایا، تجھے سردار نہیں بنایا، میں نے تیری شادی نہیں کی، میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے اور میں نے تجھے نہیں چھوڑا کہ تو سردار بنے اور اپنی قوم سے چوتھا حصہ وصول کرے۔ بندہ عرض کرے گا: کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو گمان رکھتا تھا کہ تو مجھ سے ملاقات کرنے والا ہے؟ وہ عرض کرے گا: نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تو میں تجھ کو بھلاتا ہوں جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا ہے۔ پھر دوسرے سے ملاقات کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اسی کی مثل ارشاد فرمائے گا، پھر تیسرے سے ملاقات کرے گا تو اسے اسی طرح ارشاد فرمائے گا۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں تجھ پر، تیری کتاب پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا تھا، میں نے نماز پڑھی، روزے رکھے، میں نے صدقہ کیا اور جس قدر وہ طاقت رکھے گا اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے گا۔ وہ کہے گا: یہاں تو ٹھہر جا۔ پھر کہا جائے گا: اب ہم اپنا گواہ تجھ پر بھیجتے ہیں۔ وہ دل میں سوچے گا وہ کون ہے جو مجھ پر گواہی دے گا؟ اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اس کی ران، اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں کو کہا جائے گا: تو بول۔ تو اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے عمل کے بارے میں بولیں گی۔ یہ اس لیے ہوگا کہ وہ یہاں سے کہ وہ خود گناہوں کی وجہ سے اس کا حق ثابت ہو جائے وہی منافق ہے یہی وہ شخص ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے" (2)۔ یہ حدیث "سورۂ حم السجدہ" وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 232　　2۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، فصل فی بیان ان الاعضاء منطقۃ شاہدۃ، بیروت، جلد 2، صفحہ 4396

اور طاعات میں ترغیب ہے۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ رات کے وقت آپ ایک نوجوان کے پاس آئے جو پڑھ رہا تھا: فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝ نوجوان اس پر رک گیا اور آنسوؤں نے اس کا گلا گھونٹ دیا وہ کہنے لگا: میرا اس دن پر افسوس ہے جس میں آسمان پھٹ جائے گا میرا افسوس! نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ویحك يا فتى مثلها (1) اے نوجوان! تجھ پر اس کی مثل افسوس۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! آسمان کے فرشتے بھی تیرے رونے سے رو پڑے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

"اور جو ڈرتا ہے اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے تو اس کو دو باغ ملیں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ جب جہنمیوں کے احوال کا ذکر کیا تو نیکوکاروں کے لیے جو تیار کیا اس کا بھی ذکر کیا معنی ہے جو اپنے رب کے حضور حساب کے لیے کھڑا ہونے سے ڈرا تو اس نے معصیت کو ترک کیا۔ مقام مصدر ہے قیام کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو اپنے رب کے اپنے اوپر کھڑا ہونے سے ڈرا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کو جھانک رہا ہے اور اس پر مطلع ہے اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اَفَمَنْ هُوَ قَآىِٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ (الرعد: 33) مجاہد اور ابراہیم نخعی نے کہا: اس سے مراد وہ آدمی ہے جو معصیت کا ارادہ کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اس کی پکڑ کے خوف سے معصیت کو ترک کر دیتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ جس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر میں جنتی نہیں تو تجھے طلاق۔ کہ وہ حانث نہیں ہوگا اگر اس نے معصیت کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے خوف کرتے ہوئے اور اس کا حیاء کرتے ہوئے اس کو ترک کر دے: یہی قول سفیان ثوری کا ہے اور اس پر فتویٰ دیا۔

محمد بن علی ترمذی نے کہا: ایک جنت اپنے رب سے خوف کی وجہ سے ہے اور ایک جنت اپنی شہوت کو ترک کرنے کی وجہ سے ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: جو فرائض کی ادائیگی کے بعد اپنے رب سے ڈرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مقام سے مراد موضع ہے یعنی جو اپنے رب کے سامنے حساب کے لیے کھڑا ہونے کی جگہ سے ڈرے جس طرح بات پہلے گزر چکی ہے (2)۔ یہ بھی جائز ہے کہ مقام بندے کے لیے ہو پھر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کر دیا جائے یہ اسی طرح ہے جس طرح اس ارشاد میں اجل کا لفظ ہے: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ (الاعراف: 34) ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا: اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ (نوح: 4)

جَنَّتٰنِ یعنی جو ڈرا اس کے لیے مختلف دو جنتیں ہیں ہر ڈرنے والے کے لیے دو جنتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو جنتیں تمام ڈرنے والوں کے لیے ہیں۔ پہلا قول زیادہ نمایاں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے

1۔ تفسیر درمنثور، جلد 6، صفحہ 200
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 437

روایت نقل کی ہے فرمایا: "جنتان سے مراد جنت کے عرض میں دو باغ ہیں ہر باغ سو سال کی مسافت جتنا ہے ہر باغ کے وسط میں نور کا ایک گھر ہے اس میں سے ہر ایک چیز تر و تازگی کے عالم میں جھوم رہی ہے اس کا قرار ثابت ہے اور اس کے درخت ثابت ہیں" اسے مہدوی نے ذکر کیا ہے اور ثعلبی نے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو جنتوں سے مراد ہے ایک جنت تو وہ ہے جو اس کے لیے پیدا کی گئی اور ایک جنت وہ ہے جس کا وہ وارث بنا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک جنت اس کی منزل ہوگی اور دوسری اس کی بیویوں کی منزل ہوگی جس طرح دنیا کے روساء کا معمول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو جنتوں میں سے ایک اس کا مسکن اور دوسرا اس کا باغ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو جنتوں میں سے ایک اس کے نچلے محل اور دوسری اس کے بالائی محلات ہیں۔ مقاتل نے کہا: وہ دونوں جنت عدن اور جنت نعیم ہوں گی۔ فراء نے کہا: یہ ایک جنت ہے آیات کے سروں کی وجہ سے اسے تثنیہ ذکر کیا۔

قتبی نے اس کا انکار کیا اور کہا: یہ کہنا جائز نہیں کہ آیات کے سروں کی رعایت سے جہنم کے داروغے انیس ہیں فرمایا: وہ بیس ہیں۔ یہ فرمایا: ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ابوجعفر نحاس نے کہا: فراء نے کہا بعض اوقات جنت ایک ہوتی ہے اور شعر میں اسے تثنیہ ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ قول اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں بڑا غلط ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جَنَّتٰنِ اور اس ارشاد کے ساتھ اس کی صفت بیان کرتا ہے فِيْهِمَا یہ قول کرنے والا ظاہر کو چھوڑتا ہے اور کہتا ہے: یہ جائز ہے ایک جنت ہو اور شعر سے استدلال کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنتیں دو ہیں تاکہ ایک جنت سے دوسری جنت کی طرف منتقل ہونے کے ساتھ اس کے سرور میں اضافہ ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت خصوصی طور پر حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی جب ایک روز جنت کا ذکر کیا حین اُزلفت اور آگ کا ذکر کیا حین برزت، یہ عطا اور ابن شوذب کا قول ہے۔

ضحاک نے کہا: ایک روز آپ نے پیاس کی حالت میں دودھ پیا تو وہ اچھا لگا آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ حلال نہ تھا تو آپ نے قے کر دی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو دیکھ رہے تھے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تیرے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے" اور اس آیت کو آپ پر تلاوت کیا۔

ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾

"دونوں باغ (گھنی) ٹہنیوں والے ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں باغوں میں دو چشمے جاری ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہا: وہ پھل کی مختلف اقسام والے ہوں گے۔ افنان کا واحد فن ہے۔ مجاہد نے کہا: افنان سے مراد ٹہنیاں ہیں اس کا واحد فنن ہے۔ نابغہ نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 438

"ان دونوں باغوں میں ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں ہوں گی۔ پس (اے جن و انس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے بستروں پر جن کے استر نادر ریشم کے ہوں گے اور دونوں باغوں کا پھل نیچے جھکا ہوگا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۝ زوجٰن کا معنی ہے دو قسم کے۔ دونوں میٹھے ہوں گے جن سے لذت حاصل کی جائے گی۔ حضرت ابن عباس نے کہا: دنیا میں کوئی میٹھا یا کڑوا درخت نہیں ہوگا مگر وہ جنت میں میٹھا ہوگا یہاں تک کہ حنظل بھی میٹھا ہو گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو دو قسم کے پھل تر اور خشک ہوں گے فضیلت اور خوشبو میں یہ دوسرے سے کم درجہ کا نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارادہ کیا گیا ہے کہ یہ دو جنتیں ان دو جنتوں سے فضیلت والی ہیں جو ان سے مرتبہ میں کم ہیں کیونکہ یہاں عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ کا ذکر کیا جو جاری ہیں وہاں عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ کا ذکر کیا جو پانی بہا رہے ہوں گے۔ نضخ کی صورت میں جری کی نسبت پانی کم ہوتا ہے گویا فرمایا: ان دونوں جنتوں میں ہر پھل کی ایک قسم ہے اور اس جنت میں ہر پھل کی دو قسمیں ہیں۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ، متکئین حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ فرش یہ فراش کی جمع ہے۔ ابو حیوہ نے فرش را کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ بَطَآىِٕنُهَا یہ بطانۃ کی جمع ہے اس کا معنی نچلے والا حصہ ہے۔ استبرق سے مراد موٹا اور کھردرا ریشم ہے۔ جب اس کا نیچے والا حصہ جو زمین کے ساتھ لگا ہوتا ہے وہ اس طرح ہے تو اس کے اوپر والے حصہ کا کیا عالم ہوگا! یہ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر ہے۔ سعید بن جبیر سے پوچھا گیا: جب اس کے نیچے والا حصہ موٹے ریشم کا ہے تو اس کے اوپر والا حصہ کیسا ہوگا؟ فرمایا: یہی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (السجدۃ: 17)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تمہارے لیے اس کے نچلے حصہ کو بیان کیا تاکہ تمہارے دل اس کی طرف مائل ہوں جہاں تک اس کے ظاہر کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ حدیث طیبہ میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے "ان کا ظاہر ایسا نور ہوگا جو چمک رہا ہوگا" (1)۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: اس کا نیچے والا حصہ استبرق کا ہوگا اور اس کا ظاہر جامد نور کا ہوگا۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: بطائن سے مراد اس کا ظاہر ہے، یہ فراء کا قول ہے۔ قتادہ سے مروی ہے: عرب ظہر کو بطن کہتے ہیں وہ کہتے ہیں هذا ظهر السماء، هذا بطن السماء جسے ہم دیکھتے ہیں کیونکہ وہ ظاہر ہے۔ ابن قتیبہ وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے کہا: یہ نہیں ہو سکتا مگر دو متساوی چیزوں میں جائز ہے جب ان میں سے ہر ایک قوم کی طرف پشت کرے جس طرح ایک دیوار تیرے اور ایک قوم کے درمیان حائل ہو اسی طرح آسمان کا معاملہ ہے۔ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۝ جنی سے کہتے ہیں جو درخت سے کاٹا جاتا ہے یہ لفظ بولا جاتا ہے: ثمر جنی، یہ فعیل کا وزن ہے جب اسے کاٹا جائے۔

شاعر نے کہا:

هذا جناي وخياره فيه (2)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 233

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 436

اس چیز میں بولا جاتا ہے جس کو چھوا جاتا ہے۔ چراگاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے: ما طمث ذلك المرتع قبلنا احد ہم سے قبل اس چراگاہ کو کسی نے نہیں چھوا۔ وما طمث هذه الناقة حبل اس اونٹنی کو کسی رسے نے مس نہیں کیا۔ مبرد نے کہا: ان سے قبل کسی انسان اور جن نے انہیں مسخر نہیں کیا (1)۔ طمث کا معنی مسخر کرنا اور کام لینا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جان ہمزہ کے ساتھ ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ جن انسان کی طرح جماع کرتا ہے اور جنت میں داخل ہوگا جنت میں ان کے لیے جن عورتیں ہوں گی (2)۔ ضمرہ نے کہا: ان میں سے دو مومنوں کے لیے حورعین میں سے بیویاں ہوں گی انسان عورتیں انسانوں کے لیے اور جن عورتیں جنوں کے لیے ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے جنت میں مومن جنوں کو جنیات میں سے جو حور عین عطا فرمائے گا انہیں کسی جن نے نہیں چھوا ہوگا اور جنت میں انسانوں میں سے مومنوں کو انسیات میں سے جو حور عین عطا فرمائے گا اسے کسی انسان نے نہیں چھوا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے عورتوں سے جماع نہیں کرتا؛ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: سورۂ نمل میں یہ قول گزر چکا ہے اور سُبْحٰنَ (الاسراء) میں یہ قول گزر چکا ہے کہ یہ جائز ہے کہ وہ انسانوں میں سے عورتوں سے شادی کریں۔ مجاہد نے کہا: جب کوئی جماع کرے اور بسم اللہ نہ پڑھے تو جن اس کے ذکر کے ساتھ لپٹ جاتا ہے اور اس کے ساتھ جماع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۞ کا یہی معنی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حور عین کی صفت بیان کی ہے کہ ان سے پہلے ان سے کسی انسان اور کسی جن نے جماع نہیں کیا۔ یہ آگاہ کرتا ہے کہ انسانوں میں سے عورتوں سے جن جماع کرتے ہیں اور حورعین اس عیب سے بری ہوتی ہیں اور پاک ہوتی ہیں۔ طمث کا معنی جماع ہے۔ ترمذی حکیم نے اسے مکمل ذکر کیا ہے؛ اسے مہدوی، ثعلبی اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۞ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۞

"یہ تو گویا یاقوت و مرجان ہیں۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔ پس (اے جن و انس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ۞ امام ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں: "اہل جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت کی پنڈلی کی سفیدی ستر حلوں سے دکھائی دے گی یہاں تک کہ اس کا گودا بھی دکھائی دے گا" (3)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ جہاں تک

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 439
2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 440
3۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی صفة نساء اهل الجنة، جلد 2، صفحہ 76

یاقوت کا تعلق ہے وہ پتھر ہے اگر تو اس میں دھاگہ داخل کرے پھر اسے صاف کرے تو وہ تو تجھے اس لڑی کو دکھا دے گا۔ اسے موقوف روایت کیا گیا ہے۔ عمرو بن میمون نے کہا: حور عین میں سے ایک عورت ستر حلے پہنے گی اس کی پنڈلی کا مغز ان کے باہر سے دکھائی دے گا جس طرح سفید جام میں سرخ شراب دکھائی دیتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ یاقوت جیسی شفاف اور مرجان جیسی سفید ہوں گی (1)۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۞ هَلْ کلام میں چار صورتوں میں آتا ہے کبھی قد کے معنی میں ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ (الدہر: 1) استفہام کے معنی میں آتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا (الاعراف: 44) امر کے معنی میں آتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۞ (المائدہ) نفی و انکار کے معنی میں آتا ہے فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ (النحل: 35) هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۞ عکرمہ نے کہا: جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا جنت کے علاوہ اس کی کوئی جزا نہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو پیغام حق لائے اس پر عمل کیا تو اس کی جزا جنت ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے دنیا میں احسان کیا آخرت میں اس کی جزا یہ ہے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے؛ یہ ابن زید کا قول ہے (2)۔ حضرت انس نے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پڑھا هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۞ پھر فرمایا: "کیا تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟" صحابہ نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: "اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جس پر توحید کے ساتھ انعام کیا گیا اس کا بدلہ صرف جنت ہے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کو پڑھا فرمایا: "اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جس پر میں نے اپنی معرفت اور اپنی توحید کا انعام کیا اس کی جزا نہیں مگر یہ کہ میں اسے اپنی جنت اور اپنی رحمت کے ساتھ اپنی خاص بارگاہ میں ٹھہراؤں"۔ صادق نے کہا: جس پر میں نے ازل میں احسان کیا اس کی جزا نہیں مگر یہ کہ میں ابد میں اس پر احسان کو باقی رکھوں۔ حضرت محمد بن حنفیہ اور حضرت حسن بصری نے کہا: یہ فاجر پر دنیا میں جاری کی گئی ہے اور نیک کے لیے آخرت میں جاری کی گئی ہے۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۞ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ مُدْهَآمَّتٰنِ ۞ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞

"ان دو کے علاوہ دو اور باغ بھی ہیں۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں نہایت سرسبز و شاداب۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۞ یعنی ان کے لیے ان پہلی دو جنتوں کے علاوہ دو اور جنتیں بھی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان دونوں سے درجہ میں کم ہوں گی۔ ابن زید نے کہا: فضیلت میں کم ہوں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ تمام جنتیں اس کے لیے ہیں جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا پہلی دو جنتوں میں کھجور کے اور دوسرے درخت ہوں گے

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 106
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 440

اور دوسری دو میں کھیتیاں اور نباتات ہوں گی اور جو اسے خوش کریں گی۔ ماوردی نے کہا: یہ بھی احتمال موجود ہے (1) کہ وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۝ سے مراد ایسی جنتیں ہیں جو ان کے پیروکاروں کے لیے ہوں کیونکہ پیروکاروں کا مرتبہ ان سے کم ہوتا ہے ان میں سے ایک جنت (باغ) حورعین کے لیے اور دوسرا باغ ایسے بچوں کے لیے ہوگا جو ہمیشہ بچے ہی رہیں گے تاکہ مذکر مونثوں سے الگ رہیں۔ ابن جریج نے کہا: وہ باغ کل چار ہوں گے، دو باغ مقربین کے لیے ہوں گے جن کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۝، عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ۝ اور دو باغ اصحاب یمین کے لیے ہیں جن کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ۝، فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۝ ابن زید نے کہا: پہلے دونوں باغ سونے کے ہوں گے جو مقربین کے لیے ہوں گے اور دوسرے دو چاندی کے ہوں گے جو اصحاب یمین کے لیے ہوں گے (2)۔

میں کہتا ہوں: حلیمی ابو عبداللہ حسن بن حسین اپنی کتاب منہاج الدین میں اسی طرف گئے ہیں انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان آیات کی تفسیر میں کہا ہے۔ وہ دونوں باغ مقربین کے لیے ہیں اور یہ دونوں اصحاب یمین کے لیے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل مروی ہے "جب اللہ تعالیٰ نے دونوں باغوں کی صفت بیان کی تو دونوں میں فرق کی طرف اشارہ کیا پہلے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ۝ اور دوسرے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۝ یعنی دونوں فوارہ کی صورت میں جاری ہیں لیکن وہ جاری کی طرح نہیں کیونکہ نضخ، جری سے کم ہے۔ پہلے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۝ اس کو عام ذکر کیا خاص ذکر نہیں کیا دوسرے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ۝ اس میں مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ نہیں کہا ہے۔ دو باغوں کے بارے میں کہا: مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ، استبرق سے مراد ریشم ہے۔ دوسرے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ۝ عبقری سے مراد جس میں نقش و نگار ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ دیباج وشی سے اعلیٰ ہے، رفرف خیمہ کا ایک حصہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ فرش جو ٹیک لگانے کے لیے تیار کیے جاتے ہیں وہ خیمہ کے زائد حصہ سے افضل ہوتے ہیں۔ پہلے دو باغوں میں حوروں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ ۝ اور دوسرے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ۝ ہر حسن یاقوت و مرجان کے حسن جیسا نہیں ہوتا۔ پہلے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ۝ اور دوسرے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: مُدْهَآمَّتٰنِ ۝ یعنی دونوں سبز ہیں گویا وہ دونوں زیادہ سبز ہونے میں سیاہ ہیں۔ پہلے دونوں باغوں کے بارے میں فرمایا: ان میں ٹہنیاں زیادہ ہوں گی اور دوسرے دو کے بارے میں صرف یہ فرمایا: وہ سبز ہیں۔ اس تمام بحث میں وہ معنی متحقق ہو جاتا ہے جس کا ہم نے قصد کیا ہے کہ یہ دو باغ ان دو باغوں سے درجہ میں کم ہوں گے۔ ممکن ہے جس تفاوت کا ذکر نہیں کیا گیا وہ اس سے بڑھ کر ہو جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: ان دو باغ والوں کا اس طرح ذکر نہیں کیا گیا جس طرح پہلے دو باغوں والوں کا ذکر کیا گیا؟ تو اسے کہا جائے گا: چاروں باغ اس آدمی کے لیے ہیں جو اپنے رب سے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 440 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 441

ڈرتا ہے مگر جو ڈرنے والے ہیں ان کے کئی مراتب ہیں پہلے دو باغ ان لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں اور دوسرے دو باغ ان لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے خوف کھانے میں ان سے کم مرتبہ تھا۔

حکیم ترمذی کا مذہب یہ ہے کہ پہلے دو باغ سونے اور چاندی سے بنے ہیں اور دوسرے دو یاقوت اور زمرد کے ہیں وہ دونوں پہلوں سے افضل ہیں۔ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿﴾ یعنی ان دونوں کے سامنے؛ اس قول کی طرف ابو عبداللہ ترمذی حکیم نوادر الاصول میں گئے ہیں۔ کہا: وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿﴾ کا معنی ہے عرش سے قریب۔ اور ان دونوں باغوں کو پہلے دو باغوں پر فضیلت دی ہے جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ مقاتل نے کہا: پہلے دو باغ جنت عدن اور جنت نعیم ہے اور دوسرے دو باغوں سے مراد جنت فردوس اور جنت ماویٰ ہے۔

مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿﴾ دونوں سیراب ہونے کی وجہ سے سرسبز ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علما کا نقطۂ نظر ہے۔ مجاہد نے کہا: دونوں سیاہ ہیں (1)۔ لغت میں دہمہ سے مراد سیاہ ہے (2)۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: فرس أدهم، بعير أدهم، ناقة دهماء یعنی اس میں آسمانی رنگ گہرا ہو گیا یہاں تک کہ اس میں سے وہ سفیدی بالکل ختم ہو گئی جو اس میں موجود تھی جب وہ اس سے بھی زیادہ ہو گیا یہاں تک کہ سیاہی حقیقت ہو گئی تو وہ جون ہو گئی۔ ادھام الفرس، ادھاماً گھوڑا سیاہ ہو گیا۔ ادھام الشیء ادھماما وہ سیاہ ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿﴾ وہ سبز رنگ میں شدت کی وجہ سے سیاہ ہو گئے۔ عرب ہر سبز چیز کو اسود کہتے ہیں۔

عراق کے دیہاتی علاقوں کو سواد کہتے ہیں کیونکہ وہ بڑے سرسبز و شاداب ہوتے ہیں اور ہر سیاہ رات کو اخضر کہتے ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: أباد الله خضراءهم اللہ تعالیٰ ان کی جمعیت کو ہلاک کر دے۔

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ﴿﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿﴾

"ان میں دو چشمے جوش سے ابل رہے ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں میوے ہوں گے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿﴾ پانی سے جوش مار رہے ہوں گے (3)۔ حضرت ابن عباس نے کہا: خاء کے ساتھ نضخ ہے اس میں حاء کے ساتھ جو نضح ہے سے جوش زیادہ ہوتا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ معنی ہے وہ خیر و برکت سے جوش مار رہے ہوں گے یہی قول حضرت حسن بصری اور مجاہد نے کیا؛ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس اور حضرت انس سے یہ مروی ہے: دو چشمے اولیاء پر ان کے جنت کے گھروں میں کستوری، عنبر اور کافور کا چھڑکاؤ کر رہے ہوں گے جس طرح بارش کا چھڑکاؤ ہوتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: وہ مختلف قسم کے پھل اور پانی کا چھڑکاؤ کریں گے۔ ترمذی نے کہا: ...

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 441 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

مختلف قسم کے پھل، مختلف قسم کی نعمتوں، مزین عورتوں، زین ڈالے گئے گھوڑوں اور رنگ دار کپڑوں کا چھڑکاؤ کر رہے ہوں گے۔ ترمذی نے کہا: یہ کلام اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نضخ میں جری کی نسبت پانی کا بہاؤ زیادہ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلے چشمے پھوٹیں گے پھر رواں دواں ہو جائیں گے۔

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ ایک عالم نے کہا: نخل (کھجور) اور رمان (انار) فاکھہ میں سے نہیں کیونکہ کسی چیز کا عطف اس کی اپنی ذات پر نہیں ہوتا۔ چیز کا عطف اس کے غیر پر ہوتا ہے۔ یہ کلام کا ظاہر معنی ہے جمہور نے کہا: یہ دونوں فاکھہ کی قسم میں سے ہیں نخل اور رمان کا دوبارہ ذکر ان دونوں کی فضیلت کے لیے کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (البقرہ: 238) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰىلَ (البقرہ: 98) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان دونوں کو مکرر اس لیے ذکر کیا کیونکہ کھجور اور انار اس وقت میں ان کے نزدیک اس حیثیت میں تھے جس طرح اس دور میں ہمارے نزدیک گندم ہے کیونکہ کھجور ان کی عام خوراک تھی اور انار پھل کی حیثیت رکھتا تھا ان دونوں کی ضرورت کی بنا پر ان کو کثرت سے لگایا جاتا تھا ان کے نزدیک فواکہ مختلف پھلوں کو کہتے جن کو دیکھ کر وہ خوش ہوتے۔ پہلے فَاكِهَةٌ کا ذکر کیا پھر نخل اور رمان کا ذکر کیا کیونکہ مدینہ طیبہ سے لے کر مکہ مکرمہ کے قریبی ممالک یعنی یمن کے علاقوں میں یہ کثرت سے ہوتے ان دونوں کو فواکہ سے منتقل دیا اور فواکہ کا علیحدہ ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کو الگ ذکر کیا کیونکہ کھجور کا پھل فَاكِهَةٌ اور کھانا ہے اور رمان فاکھہ اور دوا ہے تفکہ کے لیے انہیں خالص نہیں کیا گیا: یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ فاکھہ نہیں کھائے گا اس نے انار یا تر کھجور کھائی تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ صاحبین اور لوگوں نے ان کی مخالفت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جنت میں انار پالان ڈالے گئے اونٹ کی طرح ہو گا۔ ابن مبارک نے کہا: سفیان، حماد سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جنت کی کھجوروں کے تنے سبز زمرد کے، شاخوں کے کاٹ دیئے کے بعد ان کے تنے سرخ سونے کے، اس کی شاخیں جنتیوں کی چادریں ہوں گی انہیں سے ان کے چھوٹے کپڑے اور حلے ہوں گے ان کے پھل مٹکوں اور ڈولوں جیسے ہوں گے۔ وہ دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھے، مکھن سے زیادہ نرم ان میں کوئی گٹھلی نہ ہوگی۔ مسعودی نے عمرو بن مرہ سے وہ ابو عبیدہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جنت کی کھجور جڑ سے لے کر شاخ تک پھل سے بھری ہوگی، اس کے پھل مٹکوں کی مثل ہوں گے جب بھی اس کا پھل توڑا جائے گا اس کی جگہ دوسرا آ جائے گا: اس کا پانی کھائی کے بغیر جاری ہوگا گچھا بارہ ہاتھ ہوگا۔

فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾

"ان میں اچھی سیرت والیاں اچھی صورت والیاں ہوں گی۔ پس (اے جن و انس!) تم اپنے رب کی کن کن

نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

فِیۡهِنَّ خَیۡرٰتٌ حِسَانٌ ۝ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ خَیۡرٰتٌ سے مراد عورتیں ہیں۔ اس کی واحد خیرۃ ہے معنی ہے ذوات خیر۔ خیر والیاں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لفظ خیرات ہے خیرات کے معنی میں ہے پھر اس میں تخفیف کی گئی جس طرح ھینۃ اور لینۃ ہے۔ ابن مبارک نے کہا: اوزاعی نے حسان بن عطیہ سے وہ سعید بن عامر سے روایت نقل کرتے ہیں اگر خَیۡرٰتٌ حِسَانٌ میں سے ایک عورت آسمان سے سامنے آئے تو ہر چیز کو روشن کر دے اور اس کے چہرے کی روشنی سورج اور چاند پر غالب آجائے وہ اوڑھنی جو اسے پہنائی جاتی ہے وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ حِسَانٌ وہ شکل و صورت میں بہتر ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حِسَانٌ تو وہ کون ہوگا جو ان کے حسن کا اندازہ لگائے؟ زہری اور قتادہ نے کہا: وہ اچھے اخلاق والی اور خوبصورت چہروں والی ہوں گی؛ یہی چیز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے (1)۔ ابو صالح نے کہا: کیونکہ وہ کنواری اور باکرہ ہوں گی۔

قتادہ، ابن سمیفع، ابو رجاء، عطاردی اور بکر بن حبیب سہمی نے خیّرات شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خیرات یہ خیر کی جمع ہے معنی ہے خیر والیاں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے مختارات۔ ترمذی نے کہا: خیرات وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار کے ساتھ ان کی صورتوں کو حسین و جمیل بنایا۔ جب حسن کا خالق کسی شی کی حسن کے ساتھ تعریف کرے تو غور کر وہاں حسن کا کیا عالم ہوگا۔ پہلی دو جنتوں میں موجود حوروں کے بارے میں فرمایا: **قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ، كَاَنَّهُنَّ الۡيَاقُوۡتُ وَالۡمَرۡجَانُ ۝** تو غور کر خیرۃ جو اللہ تعالیٰ کی چنی ہوئی ہے اور قاصرات الطرف میں کیا فرق ہوگا؟ حدیث طیبہ میں ہے: حورعین میں سے بعض بعض کے ہاتھ پکڑیں گی وہ ایسی آوازوں سے گائیں گی مخلوق نے ان سے اچھی آواز نہ سنی ہوگی اور نہ اس کی مثل آواز سنی ہوگی۔ ہم راضی ہیں ہم کبھی ناراض نہیں ہوتیں۔ ہم ہمیشہ مقیم رہیں گے ہم کبھی بھی کوچ نہ کریں گے ہم ہمیشہ زندہ رہیں گی ہم کبھی بھی نہیں مریں گی۔ ہم ہمیشہ نرم اندام رہیں گی کبھی سخت رویہ اختیار نہ کریں گی۔ ہم خیرات و حسان ہیں اپنے خاوندوں کے ہاں محبوب ہیں"۔ امام ترمذی نے حضرت علی سے اسی کی ہم معنی روایت نقل کی ہے (3)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: حورعین جب یہ بات کریں گی تو دنیا میں ان کی مومن بیویاں انہیں جواب دیں گی: ہم نمازیں پڑھتی تھیں جب کہ تم نے نمازیں نہیں پڑھیں، ہم نے روزے رکھے اور تم نے روزے نہیں رکھے، ہم نے وضو کیے اور تم نے وضو نہ کیے، ہم نے صدقے کیے اور تم نے صدقے نہ کیے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم وہ جاتیں ان کی مومن بیویاں ان پر غالب آجائیں گی۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس میں اختلاف ہے کہ حسن و جمال میں کون بڑھ کر ہوگا حوریں یا انسانوں کی نسل سے ان کی بیویاں؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حوریں، کیونکہ قرآن و سنت میں ان کی صفت بیان کی گئی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پہ جنازہ پڑھتے ہوئے ایک دعا میں کہا: وابدله زوجا خيرا من زوجه۔ اس کی بیوی سے بہتر اسے بیوی عطا فرما۔ ایک قول یہ کیا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 442 2۔ ایضاً 3۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ رحمٰن، ضیاء القرآن، جلد 3، صفحہ 272

گیا ہے: انسان کی نسل سے عورتیں حوروں سے ستر گنا زیادہ حسین ہوں گی۔ ایک مرفوع روایت اس بارے میں مروی ہے ابن مبارک نے یہ ذکر کیا ہے۔ رشدین، ابن انعم سے وہ حبان بن ابی جبلہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ "دنیا کی عورتوں میں سے جو جنت میں داخل ہوں گی وہ دنیا میں اعمال کرنے کی وجہ سے حور عین پر فضیلت والی ہوں گی"۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حور عین جن کا ذکر قرآن میں ہے وہ انبیاء اور مومنین کی مومن بیویاں ہیں جنہیں آخرت میں دوبارہ اس سے بھی زیادہ حسین صورت میں پیدا کیا جائے گا؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ مشہور یہ ہے کہ حور عین دنیا کی عورتیں نہیں ہیں انہیں جنت میں ہی پیدا کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ۞ جب کہ دنیا کی اکثر عورتیں ایسی ہیں جن کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے گئے ہوں گے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جنت کے رہائشیوں میں سے بہت کم عورتیں ہوں گی"۔ ان میں سے ہر ایک عورت کو نہیں پائے گا جب کہ حور عین کا وعدہ تمام کے لیے ہے اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ وہ دنیا کی عورتوں کے علاوہ ہیں۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ۞ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۞ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ
قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ۞ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۞

"یہ حوریں پردہ دار خیموں میں۔ پس (اے جن وانس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان کو ابھی تک نہ کسی انسان نے چھوا ہو گا اور نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ۞ حور یہ حوراء کی جمع ہے اس سے مراد ہے جس کی آنکھ کی سفیدی انتہائی ہو ساتھ ہی ساتھ سیاہی بھی شدید ہو۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ مَقْصُوْرٰتٌ وہ محبوس ہوں گی اور خیموں میں پوشیدہ ہوں گی وہ گلیوں میں گھومتی پھرتی نہیں ہوں گی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: خیمہ ایسا موتی ہو گا جو اندر سے خالی ہو گا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہا: یہ ایک فرسخ چوڑا ایک فرسخ لمبا ہو گا اس کے دروازے کے پٹ سونے کے ہوں گے۔

ترمذی حکیم ابو عبداللہ نے حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ۞ کے بارے میں کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک بادل نے عرش سے بارش برسائی تو حوریں رحمت کے قطرات سے پیدا کی گئیں پھر ان میں سے ہر ایک پر نہروں کے کنارے خیمہ لگا دیا گیا جس کی وسعت چالیس میل ہو گی اس کا کوئی دروازہ نہ ہو گا یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کا ولی جنت میں داخل ہو گا تو دروازہ سے خیمہ پھٹ جائے گا تا کہ اللہ تعالیٰ کے ولی کو علم ہو جائے کہ فرشتوں اور خدام کی نظریں اس تک نہیں پہنچیں، یہ خیموں میں بند ہیں انہیں مخلوقات کی نظروں سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

پہلی دو جنتوں میں موجود حوروں کے بارے میں فرمایا: فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ یعنی انہوں نے اپنی نظروں کو اپنے خاوندوں تک محدود کر رکھا ہے ان کے بارے میں یہ ذکر نہیں کہ وہ مقصور ہیں یہاں امر پر دال ہے کہ خیموں میں بند اعلیٰ و افضل ہیں۔ مجاہد نے کہا: مَقْصُوْرٰتٌ سے مراد یہ ہے انہیں اپنے خاوند تک محدود کر دیا گیا ہے وہ ان کے علاوہ کا ارادہ نہیں کرتیں۔ صحاح میں ہے: قصرت الشئ اقصرہ قصرا میں نے اسے محبوس کر دیا؛ اسی سے لفظ مقصورۃ الجامع ہے۔ قصرت الشئ

دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ (اے حبیب!) بڑا بابرکت ہے آپ کے رب کا نام، بڑی عظمت والا، احسان فرمانے والا"۔

مُتَّكِـِٔيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ، رفرف سے مراد وہ چادر ہے جو اس بستر پر بچھائی جاتی ہے جس کو سونے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رفرف سے مراد بستروں اور تکیوں سے زائد چیز ہے (1)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: رفرف سے مراد وہ چادریں ہیں (2) جن کے زائد حصہ پر وہ ٹیک لگاتے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری اور قرظی نے کہا: اس سے مراد وہ بچھونے ہیں۔ ابن عیینہ نے کہا: اس سے مراد تکیے ہیں۔ ابن کیسان نے کہا: اس سے مراد چھوٹے تکیے ہیں؛ یہ حضرت حسن بصری کا بھی قول ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہ کپڑے کی ایک طرف ہے۔ لیث نے کہا: اس سے مراد سب کپڑوں کی ایک قسم ہے جسے بچھایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بلند بستر ہیں (3)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: عربوں کے ہاں کپڑے کے جوڑے کو رفرف کہتے ہیں۔ یہ تمام اقوال قریب ہیں۔ صحاح میں ہے: رفرف سے مراد سبز کپڑے ہیں جن سے چادریں بنائی جاتی ہیں، اس کا واحد رفرفہ ہے۔ سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباس نے کہا: رفرف سے مراد جنت کے باغات ہیں (4)۔ رفرف یہ ان کے قول سے مشتق ہے: وہ بلند ہوا تو اس نے رفرفہ کیا کیونکہ وہ ہوا میں اپنے دونوں پروں کو حرکت دیتا ہے۔ بعض اوقات شتر مرغ کو اسی وجہ سے رفرف کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے پروں کو حرکت دیتا ہے پھر بھاگ جاتا ہے۔ رفرف الطائر جب وہ کسی چیز کے ارد گرد اپنے پروں کو حرکت دیتا ہے تاکہ وہ اس پر گرے۔ رفرف سے مراد خیمہ کا نچلا حصہ، قمیص کی جانب اور اس میں سے جو چیز لٹک رہی ہو اس کا واحد رفرفہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بارے حدیث میں ہے: فرفع الرفرف فرأينا وجهه كأنه ورقة یعنی خیمہ کی ایک جانب اٹھائی گئی تو ہم نے آپ کا چہرہ دیکھا گویا وہ چاندی تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: رفرف کا اصل رف النبت یرف سے ہے جب وہ تر و تازہ ہو؛ یہ ثعلبی نے حکایت بیان کی ہے۔ ثعلبی نے کہا: یہ لفظ کسی شی کے لیے اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب اس کا پانی زیادہ ہو یہاں تک کہ وہ بہنے لگے۔ رف یرف رفیفا، یہ جوہری نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رفرف ایسی چیز کو کہتے ہیں جب اس کا مالک اس پر بیٹھے تو وہ دائیں بائیں اوپر نیچے حرکت کرے وہ اس کے ساتھ لذت حاصل کرے جس طرح جھولا جھولتا ہے؛ یہ قول ترمذی حکیم نے نوادر الاصول میں بیان کیا ہے ہم نے اس کا ذکر تذکرہ میں کیا ہے۔ ترمذی حکیم نے کہا: رفرف فرش سے مرتبہ میں بلند ہے پہلے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: مُتَّكِـِٔيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ جب کہ یہاں فرمایا: مُتَّكِـِٔيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ، رفرف ایسی شی ہے جب ولی اس پر متمکن ہوتا ہے تو وہ اس کے ساتھ حرکت کرتی ہے یعنی اسے یہاں اور وہاں لے جاتی ہے اور وہاں اڑائے جاتا ہے جہاں اس کا ارادہ ہوتا ہے جس طرح جھولا ہوتا ہے اس کی اصل رفرف بین یدی اللہ عزوجل ہے۔

حدیث معراج میں ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو رفرف آپ کے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 443 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

پاس آیا تو آپ نے اسے جبرئیل امین سے لیا اور اس کے ساتھ مسند عرش کی طرف اڑ گئے۔ اس میں آپ نے ذکر کیا کہ وہ مجھے لے کر اڑتا کبھی مجھے نیچے لے جاتا اور کبھی اوپر لے جاتا یہاں تک کہ مجھے میرے رب کے سامنے کھڑا کر دیا۔ پھر جب واپسی کا وقت ہوا آپ نے اسے پکڑا تو وہ آپ کو لے کر اڑا کبھی نیچے ہوتا اور کبھی اوپر جاتا یہاں تک کہ اس نے آپ کو جبرئیل امین تک پہنچا دیا جب کہ جبرئیل امین رو رہے تھے اور حمد کے ساتھ اپنی آواز بلند کر رہے تھے۔ رفرف ایک خادم ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہتا ہے خواص اور قرب کے محل میں اس کے خاص امور ہیں جس طرح براق ایک جانور ہے جس پر انبیاء سواری کرتے ہیں وہ اس کی زمین میں خاص ہے یہ رفرف ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دو جنت والوں کے لیے مسخر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا قرب رکھتی ہیں یہ رفرف ان کا تکیہ اور بستر ہے وہ ولی کو ان نہروں کے کناروں پر لے کر اڑتا رہتا ہے جہاں وہ جنتی چاہتے ہیں جہاں ان کی بیویاں خیرات حسان کے خیمے میں ہوتی ہیں پھر فرمایا: وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۝ عبقری ان کپڑوں کو کہتے ہیں جن پر نقش و نگار ہوتے ہیں جن کو پھیلایا جاتا ہے جب ان نقوش کا خالق کہے کہ یہ حسان ہیں تو ان عباقر کے بارے میں تیرا کیا گمان ہوگا۔

حضرت عثمان بن عفان، جحدری، حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے متکئین علی رفارف پڑھا ہے یہ جمع ہے غیر منصرف ہے، اسی طرح وعباقری حسان بھی ہے۔ یہ رفرف اور عبقری کی جمع ہے رفرف اسم جمع ہے عبقری واحد ہے جو جمع پر دلالت کرتی ہے جو عبقر کی طرف منسوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رفرف اور عبقری کا واحد رفرفہ اور عبقریہ ہے رفارف اور عباقری اس کی جمع ہے۔

عبقری سے مراد موٹی چٹائی ہے، یہ فراء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد تکیے ہیں، یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد قالین ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ریشم ہے۔ قتبی نے کہا: ہر ایسا کپڑا جس پر نقش و نگار ہوں عرب اسے عبقری کہتے ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہ ایسی زمین کی طرف منسوب ہے جس میں کپڑے پر نقش و نگار بنائے جاتے ہیں اس کی طرف ہر اس نقش کو منسوب کیا جاتا ہے جس کو عمدہ طرح نقش کیا جاتا۔

یہ کہا جاتا ہے: عبقر یمن کی ایک جانب ایسی بستی ہے جس میں منقش قالین بنے جاتے۔ ابن انباری نے کہا: اس میں اصل یہ ہے کہ عبقر ایک بستی ہے جس میں جن رہتے اس کی طرف ہر عمدہ چیز منسوب کی جاتی ہے۔ خلیل نے کہا: مردوں، عورتوں اور اس کے علاوہ جو بھی عمدہ چیز ہو عربوں کے ہاں اسے عبقری کہتے ہیں؛ اسی معنی میں نبی کریم ﷺ کا حضرت عمر بن خطاب کے بارے میں فرمان ہے: فلم ار عبقريا من الناس يفري فريه (1) ابو عمرو نے کہا جب کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا گیا تھا تو فرمایا: عبقری سے مراد قوم کا رئیس اور بزرگ ہے۔

جوہری نے کہا: عبقر ایک جگہ ہے عرب یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ جنوں کا علاقہ ہے۔ لبید نے کہا:

كُهُولٌ وَشُبَّانٌ كَجِنَّةِ عَبْقَرِ

عبقر کے جنوں کی طرح، وہ عمر رسیدہ اور جوان ہیں۔ پھر عربوں نے اس کی طرف ہر ایسی چیز کو منسوب کیا جس کی قوت اور عمدگی

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، علامات النبوۃ فی الاسلام، جلد 1، صفحہ 513

سورۃ الواقعہ

آیاتہا ۹٦ ﴿ سورۃ الواقعۃ مکیۃ ٤٦ ﴾ رکوعاتہا ٣

یہ سورت مکی ہے اس کی چھیانوے آیات ہیں۔

حضرت حسن بصری، عکرمہ، جابر اور عطا کے قول میں یہی ہے (1)۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: ایک آیت مدنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ۝ کلبی نے کہا: یہ سورت مکی ہے مگر چار آیات مدنی ہیں ان میں سے دو آیات یہ ہیں: اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ۝ وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ۝ یہ مکہ مکرمہ کی طرف سفر میں نازل ہوئیں اور ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ۝ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۝ یہ مدینہ کی طرف سفر کے موقع پر نازل ہوئیں۔

مسروق نے کہا: جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ وہ اولین و آخرین کی خبر، اہل جنت کی خبر، اہل جہنم کی خبر، اہل دنیا کی خبر اور اہل آخرت کی خبر کو جانے تو وہ سورۂ واقعہ کو پڑھے۔ ابو عمر بن عبد البر نے التمہید، التعلیق اور ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی، حضرت ابن مسعود کے پاس عیادت کے لیے گئے جس مرض میں وہ فوت ہو گئے تھے پوچھا: کیا تکلیف ہے؟ کہا: اپنے گناہوں کی شکایت کرتا ہوں پوچھا: کیا خواہش رکھتے ہو؟ کہا: اپنے رب کی رحمت کی خواہش کرتا ہوں۔ پوچھا: کیا تیرے لیے طبیب کو نہ بلاؤں؟ جواب دیا: طبیب نے ہی تو مجھے مریض کیا ہے۔ کہا: کیا ہم تیرے لیے عطیہ کا حکم نہ دیں؟ جواب دیا: مجھے اس کی ضرورت نہیں میری زندگی میں آپ نے اسے روکے رکھا اور میری موت کے وقت مجھے دیتے ہو؟ فرمایا: یہ تیری بچیوں کو تیرے بعد فائدہ دے گا۔ جواب دیا: کیا آپ کو میرے بعد میری بچیوں کے بارے میں فاقہ کا ڈر ہے؟ میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کیا کریں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے: "جس نے ہر روز سورۂ واقعہ کو پڑھا اسے کبھی بھی فاقہ نہیں آئے گا" (2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ۝ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ۝ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ۝ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا۝ وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا۝ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا۝

"جب قیامت برپا ہو جائے گی نہیں ہوگا جب یہ برپا ہوگی (اسے) کوئی جھٹلانے والا، کسی کو پست کرنے والی کسی کو بلند کرنے والی، جب زمین تھرتھرا کانپے گی اور ٹوٹ پھوٹ کر پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر غبار بن کر بکھر جائیں گے"۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 445

2۔ کنز العمال، جلد 1، صفحہ 582، حدیث 2840

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ جب قیامت برپا ہو گی۔ مراد وہ زلزلہ ہے اسے واقعہ کا نام دیا کیونکہ یہ قریب ہی وقت میں واقع ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا: اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں بہت ہی مشکلات واقع ہوں گی۔ اس میں اضمار ہے یعنی یاد کرو اس وقت کو جب واقعہ ہونے والی واقع ہو گی۔ جرجانی نے کہا: اذا زائدہ ہے مراد ہے قیامت برپا ہو گی جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (القمر: 1) اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ (النحل: 1) جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: قد جاء الصوم یعنی روزے قریب آ گئے ظرفی تعبیر کی صورت میں اذا وقت کے لیے ہے اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ (الواقعہ)

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ كاذبة مصدر ہے یہ کذب کے معنی میں ہے عرب بعض اوقات اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغے کو مصدر کی جگہ رکھتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝ (الغاشیہ) لاغیۃ، لغو کے معنی میں ہے۔ یعنی اس میں کوئی جھوٹ سنائی نہیں دے گا: یہ کسائی کا قول ہے اس معنی میں عام لوگوں کا قول ہے عافاہ اللہ عافیۃ۔ یہ مصدر اللہ کے معنی میں ہے۔

قم قائما، قم قیاما کے معنی میں ہے ایک عربی راجز نے اسی طرح کی گفتگو کی ہے۔

قم قائما قم قائما

اٹھو کھڑے ہو اٹھو کھڑے ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کاذبۃ صفت ہے اس کا موصوف محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہو گی لیس لوقعتها حال کاذبة اور نفس کاذبة یعنی جو بھی اس کے واقع ہونے کے بارے میں خبر دے رہا ہے وہ سچا ہے۔ زجاج نے کہا: لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ کا معنی ہے اسے کوئی چیز رد نہیں کر سکتی، اس کی مثل حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ ثوری نے کہا: اس کے واقع ہونے کے وقت کوئی بھی اس کو نہیں جھٹلائے گا۔ کسائی نے کہا: مراد ہے مناسب یہ ہے کوئی بھی اس کو نہ جھٹلائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا قیام حقیقی ہے یہ کوئی ہنسی مذاق نہیں۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ عکرمہ، مقاتل اور سدی نے کہا: مفہوم یہ ہے: خفضت الصوت فاسمعت من دنا ورفعت فاسمعت من نای یعنی اس نے قریب اور بعید کو آواز سنائی (1)۔ سدی نے کہا: اس نے متکبرین کو پست کیا اور کمزوروں کو بلند کیا۔ قتادہ نے کہا: اس نے کچھ قوموں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب میں پست کیا اور کچھ قوموں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف بلند کیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اس نے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو جہنم میں پست کیا اور اولیاء اللہ کو جنت میں بلند کیا (2)۔ محمد بن کعب نے کہا: اس نے ان لوگوں کو پست کیا جو دنیا میں بلند تھے اور اس نے ایسی قوموں کو بلند کیا جو دنیا میں پست تھے۔ ابن عطاء نے کہا: اس نے کچھ لوگوں کو عدل کے ذریعے پست کیا اور دوسروں کو فضل کے ذریعے بلند کیا۔ خفض و رفع کا لفظ عربوں کے ہاں مکان، مرتبہ، عزت اور ذلت کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خفض اور رفع کی نسبت قیامت کی طرف کی ہے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 448 2۔ ایضاً

یہ بطور مجاز ہے جس طرح عربوں کی عادت ہے کہ وہ فعل کی نسبت محل، زمان اور دوسری چیزوں کی طرف کر دیتے ہیں جن سے فعل حقیقت میں واقع نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں لیل نائم، نہار صائم۔ قرآن کریم میں ہے بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ (سبا: 33) حقیقت میں بلند کرنے والا اور پست کرنے والا اللہ وحدہ لاشریک ہے اس نے اپنے اولیاء کو اعلیٰ درجات میں بلند کیا اور اس نے اپنے دشمنوں کو سب سے نچلے درجے میں پست کیا۔ حضرت حسن بصری اور عیسیٰ ثقفی نے پڑھا خافضۃً رافعۃً یعنی منصوب پڑھا ہے(1) باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے اس صورت میں مبتدا محذوف ہوگا۔ جس نے اسے نصب دی ہے تو حال ہونے کی حیثیت میں نصب دی۔ فراء کے نزدیک یہاں فعل مضمر ہوگا معنی ہوگا وقعت خافضۃ رافعۃ قیامت کے وقوع میں کوئی شک نہیں یہ بعض لوگوں کو بلند کرے گی اور بعض کو پست کرے گی جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝ جب زمین میں زلزلہ برپا ہوگا اور اس میں حرکت ہوگی؛ مجاہد اور دوسرے علماء سے یہی مروی ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: رجہ یرجہ رجا اسے حرکت دی اور اس میں زلزلہ برپا کیا۔ ناقۃ رجاء ایسی اونٹنی جس کی کوہان بڑی ہو۔ حدیث طیبہ میں ہے "جو آدمی سمندر پر اس وقت سوار ہوا جب وہ موجزن تھا تو اس کی کوئی ضمانت نہ ہوگی"(2)۔ کلبی نے کہا: اس کی وجہ یہ ہوگی جب اللہ تعالیٰ زمین کی طرف وحی کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے خوف کی وجہ سے وہ مضطرب ہوگی۔ مفسرین نے کہا: وہ اس طرح مضطرب ہوگی جس طرح بچہ پنگھوڑے میں مضطرب ہوتا ہے یہاں تک کہ جو کچھ اس کے اوپر ہوگا وہ گر جائے گا اور پہاڑ وغیرہ جو اس کے اوپر ہوگا وہ ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رجہ سے مراد شدید حرکت ہے جس کی آواز سنی جائے گی۔ اذا، اذا وقعت کا بدل ہونے کی حیثیت سے منصوب ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ کی وجہ سے منصوب ہو یعنی جب زمین میں زلزلہ برپا ہوگا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو اس وقت یہ کچھ کو پست کرے گی اور کچھ کو بلند کرے گی کیونکہ اس موقع پر جو بلند ہوگا وہ پست ہو جائے گا اور جو پست ہوگا وہ بلند ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب زمین میں زلزلہ برپا ہوگا تو قیامت برپا ہو جائے گی؛ یہ زجاج اور جرجانی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے اذکر اذا رجت الارض رجا، رجا مصدر ہے یہ اس امر پر دلیل ہے کہ زلزلہ دوبارہ واقع ہوگا۔

وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ یعنی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ مجاہد نے کہا: جس طرح آٹے کو گھی سے لت پت کیا جاتا ہے۔ بسیسہ سے مراد ستو یا آٹا ہے جسے گھی یا تیل سے لت پت کیا جاتا ہے پھر اسے کھایا جاتا ہے اسے پکایا نہیں جاتا۔ بعض اوقات اسے زادِ راہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ راجز نے کہا:

لا تخبزا خبزا وبسا بسا

تم دونوں روٹی نہ پکاؤ اسے گھی سے لت پت کرو۔ ابو عبیدہ نے یہ ذکر کیا ہے یہ غطفان کا ایک چور تھا اس نے روٹی پکانے کا ارادہ کیا اسے خوف ہوا کہ وقت کم ہے تو اس نے آٹا ہی کھا لیا۔ مطلب یہ ہے انہیں خلط ملط کیا گیا تو وہ اس آٹے کی طرح ہو گئے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 239
2۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 582، حدیث 41371

جسے پانی کے ساتھ ملایا گیا تو وہ بھی پیوستہ ہو جاتی ہیں۔ کے اور بعض کو بعض سے ملا دیا جائے گا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: بست کا معنی ہے انہیں جڑ سے اکھیڑ دیا جائے گا تو وہ ختم ہو جائیں گے؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ﴿ (طٰہٰ) اصمعی نے کہا: انہیں پھیلا دیا جائے گا جس طرح ریت اور مٹی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بست سے مراد چلانا ہے یعنی پہاڑوں کو چلایا جائے گا۔ ابوزید نے کہا: بست سے مراد ہانکنا ہے قد بست ... بسا ایسا میں نے اونٹوں کو ہانکا۔ ابو عبید نے کہا: بسست الابل، ابسہا بسا یہ دو لغتیں ہیں جب تو ان کو جھڑکے اور تو انہیں کہے بس بس۔ حدیث طیبہ میں ہے

یخرج قوم من المدینة الی الیمن والشام والعراق یبسون والمدینة خیر لهم لو کانوا یعلمون (1)۔

اس معنی میں ایک اور حدیث ہے جاء کم اهل الیمن یبسون عیالهم (2) اہل یمن تمہارے پاس آئے جب کہ وہ اپنے عیال کو ہانک رہے تھے۔ عرب کہتے ہیں: جئ به من حسك و بسك ابوزید نے دونوں کو کسرہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ من حسك کا معنی ہے جہاں سے تو نے اس کا احساس کیا۔ من بسك جہاں سے اسے تیرا چلنا پہنچا۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے وہ بہہ پڑے۔ عکرمہ نے کہا: انہیں گرا دیا گیا۔ محمد بن کعب نے کہا: انہیں چلایا گیا؛ اسی معنی میں اغلب عجلی کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہیں کاٹ دیا گیا؛ معنی قریب قریب ہے۔

فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: هباء منبث سے مراد وہ غبار ہے جو چوپاؤں کے کھروں سے پھیلتا ہے پھر ختم ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو اسی طرح بنایا ہے (3)۔ مجاہد نے کہا: هباء سے مراد وہ شعاع ہے جو روشن دان میں ہوتی ہے جس طرح غبار کی کیفیت ہوتی ہے (4)؛ اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: جب آگ میں حرکت ہوتی ہے تو اس سے جو شرارے اڑتے ہیں جب وہ کسی جگہ واقع ہوتے ہیں تو کچھ بھی نہیں ہوتے (5)؛ یہ عطیہ کا قول ہے۔ سورۂ فرقان میں وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿ میں گزر چکا ہے۔ عام قرأت منبثا ثاء کے ساتھ ہے۔ مراد ہے متفرق۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ (البقرہ: 164) یعنی اسے بکھیر دیا۔ مسروق، نخعی اور ابو حیوہ نے منبتا پڑھا ہے (6) جس کا معنی منقطع ہے یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: بتہ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو قطع کر دیا۔ اس معنی میں بتات ہے۔

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿ وَاَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿

"اور تم (اس وقت) تین گروہوں میں بانٹ دیے جاؤ گے۔ پس (ایک گروہ) دائیں ہاتھ والوں کا ہوگا کیا شان ہوگی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، [illegible] فضل المدینة [illegible]، صفحہ 686 | 2۔ ایضاً
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 447 | 4۔ ایضاً
5۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 239 | 6۔ ایضاً

کیونکہ صفائی کی وجہ سے اس کا رنگ چمکے گا۔

وَّ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ۙ سورۃ الصافات میں اس کے بارے میں قول گزر چکا ہے۔ معین سے مراد جو پانی یا شراب سے جاری ہو۔ یہاں اس سے مراد ایسی شراب ہے جو چشموں سے جاری ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا: آنکھوں کے لیے ظاہر ہوگی اس صورت میں معین، معاینہ سے مفعول کا صیغہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ معن سے فعیل کا وزن ہے جس کا معنی کثرت ہے یہ واضح کیا کہ یہ دنیا کی شراب جیسی نہیں جسے نچوڑنے تکلف کرنے اور مشقت کے ساتھ نکالا جاتا ہے۔

لَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا اس کے پینے سے ان کے سروں میں درد نہیں ہوگا۔ معنی ہے اس میں لذت تو ہوگی اس میں کوئی اذیت نہیں ہوگی جب کہ دنیا کی شراب کا معاملہ مختلف ہوگا۔ وَ لَا یُنْزِفُوْنَ ۙ سورۃ الصافات میں یہ گزر چکا ہے انہیں نشہ نہیں آئے گا کہ ان کی عقلیں ضائع ہو جائیں۔ مجاہد نے کہا: لَا یُصَدَّعُوْنَ کا معنی ہے وہ متفرق نہیں ہوں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یَوْمَىِٕذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ ۝ (روم) اہل کوفہ نے اسے ینزفون زاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ان کی شراب ختم نہ ہوگی۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

لَعَمْرِی لَئِنْ أَنْزَفْتُمُ أَوْ صَحَوْتُمُ لَبِئْسَ النَّدَامَی كُنْتُمُ آلَ أَبْجَرَا (1)

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ شراب میں چار خصلتیں ہیں نشہ، سردرد، قے اور پیشاب (2)۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کا ذکر کیا اور اسے ان خصلتوں سے پاک کر دیا۔

وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ ۝ جو چاہتے ہیں اسے لے لیتے ہیں کیونکہ ان پھلوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا پھل جو پسندیدہ ہے۔ تخیر کا معنی اختیار ہے۔

وَ لَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ ۝ امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوثر کے بارے میں پوچھا گیا؟ فرمایا: "وہ ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کی ہے یعنی جنت میں جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے، اس میں ایسے پرندے ہیں ان کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں جیسی ہیں" (3)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: وہ تو بڑی موٹی تازی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس کا کھانا اس کے کھانے سے زیادہ اچھا ہوگا۔" کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ امام ثعلبی نے حضرت ابو درداء کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جنت میں پرندے ہوں گے جس طرح بختی اونٹوں کی گردنیں ہوتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ولی کے ہاتھ پر صف در صف ہوں گے ان میں سے ایک کہے گا: اے اللہ کے ولی! میں عرش کے نیچے چراگاہوں میں چرا ہوں، میں نے تسنیم کا پانی پیا ہے، مجھ سے کھاؤ۔ وہ اس کے سامنے اٹکھیلیاں کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ولی اللہ کے دل میں ان میں سے کسی کو کھانے کا خیال آئے گا تو وہ اس کے سامنے گر پڑے گا۔ ولی اللہ اس سے کھانے کا جتنا ارادہ کرے گا جب وہ سیر ہو جائے گا تو پرندے کی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 247 — 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 451

3۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، ما جاء فی صفۃ طیر الجنۃ، جلد 2، صفحہ 77

قیلا کی صفت ہے دوسرا سلام پہلے کا بدل ہے معنی ہوگا ایسی بات جو لغو سے سلامت ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مرفوع ہو تقدیر کلام یہ ہوگی "سلام علیکم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتے انہیں سلام کریں گے یا ان کا رب انہیں سلام کرے گا۔

وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝ وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝ وَّ مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۝ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۝ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ۝ وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۝ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝

"اور دائیں ہاتھ والے، کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ والوں کی۔ بے خار بیریوں میں اور کیلے کے گچھوں میں اور لمبے لمبے سایوں میں اور پانی کی آبشاروں میں اور پھلوں کی بہتات میں نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا اور بستر بھی بچھے ہوں گے اونچے اونچے پلنگوں پر۔ ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو حیرت انگیز طریقہ سے پس ہم نے بنا لیا انہیں کنواریاں (دل و جان سے) پیار کرنے والیاں ہم عمر (یہ سب نعمتیں) اصحاب یمین کے لیے مخصوص ہوں گی۔ ایک بڑی جماعت اگلوں سے اور ایک بڑی جماعت پچھلوں میں سے ہوگی"۔

وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝ اصحاب میمنہ کی منازل کے ذکر کی طرف رجوع کیا وہ سابقون سے کم ہیں جس طرح پہلے گزرا ہے۔ یہ تکرار ان نعمتوں کی عظمت شان کو بیان کرنے کے لیے ہے جس میں وہ ہیں۔

فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝ ایسے بیری کے درختوں کے سایوں میں جس کے کانٹے کاٹ دیئے گئے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے؛ ابن مبارک نے یہ ذکر کیا ہے: صفوان نے سلیم بن عامر سے حدیث نقل کی ہے(1) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کہا کرتے تھے کہ بدو اور ان کے سوالات ہمیں نفع دیا کرتے تھے کہا: ایک روز ایک بدو آیا اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تکلیف دہ درخت کا ذکر کیا ہے میرا خیال نہیں کہ جنت میں کوئی ایسا درخت ہوگا جو جنتی کو اذیت دے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وہ کون سا درخت ہے"؟ عرض کی: بیری کا درخت اس کا کانٹا اذیت دینے والا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا اللہ تعالیٰ یہ ارشاد نہیں فرماتا فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝ اللہ تعالیٰ نے اس کے کانٹے کو ختم کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر کانٹے کی جگہ اس کا پھل بنا دیا ہے وہ ایسا پھل لائے گا کہ اس پھل سے بہتر قسم کے کھانے نکلیں گے ان میں سے ہر ایک کھانا دوسرے سے مختلف ہوگا"۔ ابو العالیہ اور ضحاک نے کہا: مسلمانوں نے وج وادی کو دیکھا تو اس کی بیری کے درختوں نے انہیں خوش کیا انہوں نے کہا: کاش! ہمارے لیے بھی ایسے درخت ہوتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ امیہ بن ابی صلت جنت کی صفت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

1۔ در منثور، جلد 6، صفحہ 222

إِنَّ الْحَدَائِقَ فِي الْجِنَانِ ظَلِيْلَةٌ   فِيْهَا الْكَوَاعِبُ سِدْرُهَا مَخْضُوْدٌ (1)

جنت میں باغ سایہ دار ہیں ان میں نوخیز عورتیں ہیں جس کے بیری کے درخت کانٹوں والے نہیں۔

ضحاک، مجاہد اور مقاتل بن حیان نے کہا: فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝ ایسی بیری جو پھل سے بوجھل ہو (2)۔ یہ اس معنی کے قریب قریب ہے جو ہم نے حدیث میں بیان کیا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا پھل مٹکے سے بڑا ہوگا۔ سورۂ نجم میں یہ بحث گزر چکی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ اس کے پھل ہجر کے مٹکوں جیسے ہوں گے۔ یہ حدیث حضرت انس سے مروی ہے جس کو وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں (3)۔

وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ طلح کیلے کا درخت ہے اس کا واحد طلحہ ہے، یہ قول اکثر مفسرین نے کیا ہے ان میں حضرت علی، حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ کیلے کا درخت نہیں بلکہ ایسا درخت ہے جس کا ٹھنڈا اور ترسبز ہوتا ہے۔ فراء اور ابوعبیدہ نے کہا: مراد بڑا درخت ہے جس کا کانٹا ہوتا ہے۔ جعدی نے کہا:

بَشَّرَهَا دَلِيْلُهَا وَقَالَا   غَدًا تَرَيْنَ الطَّلْحَ وَالْأَجْبَالَا

اس کی رہنمائی کرنے والے نے اسے بشارت دی اور دونوں نے کہا: کل تم طلح اور بیری کے درخت دیکھو گی۔

طلح سے مراد ہر بڑا درخت ہے جس کے بہت زیادہ کانٹے ہوتے ہیں۔ زجاج نے کہا: یہ جائز ہے کہ وہ جنت میں ہو اور اس کے کانٹے زائل کر دیئے گئے ہوں۔ زجاج نے کہا: جس طرح کیکر کا درخت ہوتا ہے اس کی بہت سی عمدہ کلیاں ہوں گی۔ انہیں کسی چیز کے ساتھ خطاب کیا گیا اور اس چیز کا وعدہ کیا گیا جس کی مثل کو وہ پسند کرتے تھے مگر اس کی دنیا کی چیزوں پر فضیلت ایسی ہوگی جس طرح جنت میں جتنی چیزیں ہیں ان کی فضیلت دنیاوی چیزوں پر ہوتی ہے۔ سدی نے کہا: جنت کا کیلا اس طرح ہوگا جس طرح دنیا کا کیلا ہوتا ہے مگر اس کا پھل شہد سے زیادہ میٹھا ہوتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا ؓ نے وطلع منضود پڑھا ہے یعنی حا کی جگہ عین پڑھی ہے اور اس آیت کی تلاوت کی وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝ (الشعراء) یہ مصحف کے برعکس ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے سامنے وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ پڑھا گیا ہے تو انہوں نے کہا: یہ طلح کیا ہے؟ وہ طلع منضود ہے پھر کہا: لها طلع نضيد۔ کہا گیا: کیا ہم اسے بدل نہ دیں؟ تو انہوں نے کہا: یہ مناسب نہیں کہ قرآن کے بارے میں جلد بازی کی جائے اور نہ اسے بدلنا مناسب ہے۔ انہوں نے اس قرأت کو پسند کیا مگر اسے مصحف میں لکھنے پر اتفاق نہ کیا کیونکہ یہ اس کے خلاف ہے جس پر سب کا اتفاق ہے؛ یہ قشیری کا قول ہے۔

ابوبکر انباری نے اس کی سند ذکر کی کہ: میرے والد نے حسن بن عرفہ سے وہ عیسیٰ بن یونس سے وہ مجالد سے وہ حسن بن سعد سے وہ قیس بن عبادہ سے روایت نقل کرتے ہیں قرأت عند علی او قرئت عند علی شک مجالد کی طرف سے ہے کہ میں نے حضرت علی کے ہاں اسے پڑھا یا حضرت علی شیر خدا کے ہاں اسے پڑھا گیا: وطلح منضود۔ حضرت علی شیر خدا ؓ نے کہا: یہ طلح کیا ہے؟ کیا تو نے وطلع نہیں پڑھا؟ پھر کہا: لها طلع نضيد۔ ایک آدمی نے عرض کی: اے امیر المومنین! کیا ہم مصحف میں اسے مٹا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 243 | 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 453 | 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 395

دیں؟ فرمایا: آج قرآن پر جلدی نہ کی جائے۔ ابو بکر نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اس امر کی طرف رجوع کر لیا جو مصحف میں ہے اور انہیں پتہ چل گیا کہ یہ درست ہے اور جس نے آپ کے قول سے تغیر پیدا کیا تھا یا بات کی تھی اس کو باطل کر دیا۔ منضود سے مراد ہے جس کے آغاز سے لے کر آخر تک حصہ پھل سے جڑا ہوا ہو، اس کا کوئی حصہ قائم نہ ہو بلکہ اس کا بعض ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ نضد کا معنی جوڑنا اور منتضد کا معنی جڑا ہوا ہے۔

مسروق نے کہا: جنت کے درخت ابتدا سے لے کر آخر تک پھلوں سے لدے ہوں گے جب بھی اس کا پھل لے لیا جائے گا اس کی جگہ اس سے بہتر پھل آ جائے گا۔

وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ وہ دائمی ہو گا وہ ختم نہ ہو گا اور سورج اسے ختم نہیں کرے گا (1)۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا** (الفرقان: 45) یہ صبح کے وقت ہوتا ہے یعنی صبح کے روشن ہونے سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک ہوتا ہے جس طرح اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ جنت میں سایہ ہی سایہ ہے اس کے ساتھ کوئی سورج نہیں ہو گا۔ ربیع بن انس نے کہا: مراد عرش کا سایہ ہے۔ عمرو بن میمون نے کہا: اس کی لمبائی ستر ہزار سال کے برابر ہو گی۔ ابو عبیدہ نے کہا: عرب طویل زمانہ طویل عمر اور جو چیز ختم نہ ہو اسے ممدود کہتے ہیں۔ لبید نے کہا:

دھر طویل دائم ممدود

صحیح ترمذی اور دوسری کتب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے: ان فی الجنۃ شجرۃ یسیر الراکب فی ظلھا مائۃ عام لا یقطعھا واقرءوا ان شئتم وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ جنت میں ایک ایسا درخت ہے ایک سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے گا وہ اسے طے نہ کر سکے گا۔ چاہو تو پڑھو۔ وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ (2)۔

وَّ مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ یعنی جاری پانی ہو گا جو ختم نہیں ہو گا۔ سکب کا اصل معنی بہانا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: سکبہ سکبا۔ مسکوب کا معنی اس کا بہنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: سکب سکوبا، انسکب انسکابا یعنی بہہ گیا پانی رات دن بغیر کھائی کے جاری رہے گا وہ ان سے ختم نہ ہو گا۔ عرب بادیہ نشین اور گرم علاقوں کے رہائشی تھے ان کے علاقوں میں نہریں نادر الوجود تھیں وہ ڈولوں کے ذریعے ہی پانی تک پہنچ پاتے تو اس کے برعکس ان سے نہروں کا وعدہ کیا گیا۔ ان کے لیے جو راحت کے اسباب کا ذکر کیا گیا جو دنیا میں معروف ہیں جیسے درخت، ان کے سائے، پانی، نہریں اور ان کا عام ہونا۔

وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ وہ تھوڑے اور نادر نایاب پھل نہیں ہوں گے جس طرح ان کے علاقے میں ہوتے ہیں۔ **لَّا مَقْطُوْعَةٍ** وہ کسی وقت ختم نہ ہوں گے جس طرح موسم گرما کے پھل موسم سرما میں ختم ہو جاتے ہیں۔ **وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ** یعنی دنیا کے پھلوں کی طرح انہیں ممنوع قرار نہیں دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ کا معنی ہے جو ان کا ارادہ کرے اسے کانٹے، دوری اور دیوار کے ساتھ نہیں روکا جائے گا بلکہ جب بندہ اس کی خواہش کرے گا پھل اس کے قریب آ جائے گا یہاں تک کہ وہ اسے لے لے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا** (الانسان) ایک قول یہ کیا گیا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 454   2۔ جامع ترمذی، کتاب تفسیر، جلد 2، صفحہ 161۔ ایضاً حدیث نمبر 3214، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حدیث حسن ہے۔ ثُلَّةٌ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور خبر محذوف ہے معنی یہ ہے کہ الاصحاب الیمین ثلتان ثلۃ من ہؤلاء وثلۃ من ہؤلاء یعنی ایک جماعت ان سے اور ایک جماعت ان سے۔ پہلے سابقہ امتوں میں سے ہوں گے اور دوسرے اس امت کے ہوں گے۔ یہ دوسرے قول کی بنا پر ہے۔

وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۬ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّ ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَ كَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَی الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿۴۶﴾ وَ كَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۬ۙ اَىِٕذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۬ۙ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۵۶﴾

"اور بائیں ہاتھ والے، کیسی خستہ حالت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی۔ یہ (بدنصیب) جھلستی لو اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے نہ یہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دہ۔ بے شک یہ لوگ پہلے بڑے خوشحال تھے اور اصرار کیا کرتے تھے بڑے بھاری گناہ پر اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا بھی (یہ ناممکن ہے) آپ فرما دیجئے: بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقرر وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں پھر تمہیں اے گمراہ ہونے والو! اے جھٹلانے والو! ضرور کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے پس تم بھرو گے اس سے (اپنے) پیٹوں کو پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا پانی اس طرح پیو گے جیسے پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے۔ یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن"۔

وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۬ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ اہل نار کی منازل کا ذکر کیا اور انہیں اصحاب شمال کا نام دیا کیونکہ وہ اپنی کتابیں اپنے بائیں ہاتھ میں لیں گے۔ پھر بلا اور عذاب میں ان کے ذکر کو بڑھا کر بیان کیا۔ فرمایا: فِیْ سَمُوْمٍ، سموم سے مراد گرم ہوا ہے جو بدن کے مساموں میں داخل ہوتی ہے۔ یہاں اس سے مراد آگ کی گرمی اور اس کی لپک ہے۔ وَّ حَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾ گرم پانی جس کی گرمی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔ جب آگ ان کے جگر اور ان کے جسم کو جلا دے گی تو وہ کھولتے ہوئے پانی کی طرف جلدی سے جائیں گے جس طرح ایک آدمی آگ سے بھاگ کر پانی کی طرف جاتا ہے تاکہ اس کے ساتھ آگ کو بجھائے تو وہ اسے سخت گرم پاتا ہے جو گرمائش اور جوش مارنے میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ یہ بحث وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾ (محمد) میں گزر چکی ہے۔

وَّ ظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۙ وہ بادِ سموم سے بچنے کے لیے سایہ کی طرف جائیں گے جس طرح دنیا والے کرتے ہیں تو وہ سیاہ دھویں کا سایہ ہوگا یعنی وہ جہنم کا دھواں ہوگا جو سخت سیاہ ہوگا؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے: اسی طرح لغت میں یحموم سے مراد سخت سیاہ ہے۔ یہ حم سے یفعول کا وزن ہے اس سے مراد سیاہ چربی ہے جو آگ سے جلی ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حمم سے ماخوذ ہے جس کا معنی کوئلہ ہے۔ ضحاک نے کہا: آگ سیاہ ہوگی اس کے اہل بھی سیاہ ہوں گے اس میں جو کوئی ہوگا وہ سیاہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: آگ سیاہ ہوگی (1)۔ ابن زید نے کہا: یحموم جہنم میں ایک پہاڑ ہے جہنمی جس کے سایہ میں پناہ چاہیں گے۔

لَّا بَارِدٍ وہ ٹھنڈا نہیں ہوگا بلکہ گرم ہوگا کیونکہ وہ جہنم کا دھواں ہوگا۔ وَّ لَا كَرِيْمٍ نہ آرام دہ ہوگا؛ یہ ضحاک سے مروی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا منظر حسین نہیں ہوگا۔ جس میں خیر نہ ہو وہ کریم نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَّ ظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ سے مراد ہے وہ اس آگ کا سایہ ہوگا جس کے ساتھ انہیں عذاب دیا جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ (الزمر:16)

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ۚ وہ اس عذاب کے مستحق اس لیے بنے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں حرام چیز سے لطف اندوز ہوتے رہے مترفین یعنی خوشحال؛ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ سدی نے کہا: مترفین یعنی شرک کرنے والے وَ كَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۚ وہ شرک پر قائم تھے (2)؛ یہ حضرت حسن بصری، ضحاک اور ابن زید کا نقطہ نظر ہے۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: مراد وہ بڑا گناہ ہے جس سے وہ توبہ نہیں کرتے تھے۔ شعبی نے کہا: اس سے مراد یمین غموس ہے یہ گناہ کبیرہ میں سے ہے (3)۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: حنث فی یمینہ اس نے قسم کو پورا نہ کیا بلکہ رجوع کر لیا۔ وہ قسمیں اٹھایا کرتے تھے کہ دوبارہ اٹھانے کا کوئی تصور نہیں اور وہ یہ گمان کرتے تھے کہ بت اللہ تعالیٰ کے مد مقابل ہیں۔ یہی ان کا قسم توڑنا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے کہا: وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ (النحل:38) حدیث میں ہے: آپ غار حرا میں تحنث کیا کرتے تھے، یعنی آپ ایسا عمل کیا کرتے تھے جس کے ساتھ آپ سے حنث ساقط ہو جائے۔ اس سے مراد گناہ ہے۔

وَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا ان کی جانب سے بعث کے امر کو حقیقت سے بعید خیال کرنا اور اس کو جھٹلانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اے محمد! انہیں کہو اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۙ اولین سے مراد تمہارے آباء اور آخرین سے مراد تمہاری ذاتیں ہیں۔ مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ مراد یوم قیامت ہے۔ کلام کا معنی قسم ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان لَمَجْمُوْعُوْنَ میں لام کا دخول قسم کے معنی پر دال ہے یعنی تم ضرور جمع ہو گے یہ حقیقی قسم ہے جو تمہاری باطل قسم کے خلاف ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ ہدایت سے بھٹکے ہوئے الْمُكَذِّبُوْنَ ۙ بعث کو جھٹلانے والے ہو۔ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 456 | 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 457 | 3۔ ایضاً

زَقُّوۡمٍ ۞ زقوم سے مراد ایسا درخت ہے جس کا منظر بڑا کریہہ ہوتا ہے اور اس کا ذائقہ بھی بڑا ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ یہ وہ ہے جس کا ذکر سورۂ صافات میں گزر چکا ہے۔

فَمَالِــُٔوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ۞ ھا ضمیر سے مراد شجرہ ہے کیونکہ شجر سے مقصود شجرہ ہی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ پہلا من زائدہ ہو یہ بھی جائز ہے کہ مفعول محذوف ہو گویا فرمایا: لا کلون من شجر من زقوم طعاما من زقوم شجر کی صفت ہے جب تو نے من کو زائدہ مقدر کیا تو صفت کو معنی کے اعتبار سے نصب دے گا یا لفظ کے اعتبار سے جر دے گا۔ اگر تو مفعول کو محذوف مقدر کرے تو صفت محل جر میں ہوگی۔

فَشٰرِبُوۡنَ عَلَيۡهِ، ہ ضمیر سے مراد زقوم، اکل یا شجر ہے کیونکہ یہ مذکر و مونث استعمال ہوتے ہیں مِنَ الۡحَمِيۡمِ ۞ اس سے مراد ابلتا ہوا پانی ہے جس کا جوش سخت ہو۔ یہ جہنمیوں کی پیپ ہے یعنی بھوک کے ساتھ جو وہ زقوم کھائیں گے وہ پیاس کا باعث ہوگی۔ وہ پانی پئیں گے وہ گمان یہ کریں گے کہ یہ ان کی پیاس کو زائل کرے گی تو وہ اسے جوش مارتا ہوا پانی پائیں گے۔

فَشٰرِبُوۡنَ شُرۡبَ الۡهِيۡمِ ۞ یہ نافع، عاصم اور حمزہ کی قرأت ہے باقی قراء نے اسے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ دونوں عمدہ لغتیں ہیں عرب کہتے ہیں: شربت شربا وشربا وشربا وشربا یعنی شین اور راء پر ضمہ ہے۔ ابو زید نے کہا: میں نے عربوں کو شین کے ضمہ، فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا ہے فتحہ بھی صحیح مصدر ہے کیونکہ ثلاثی سے ہر مصدر فعل کے وزن پر ہوتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ تو اسے ایک دفعہ کے عمل کی طرف پھیر دیتا ہے تو کہتا ہے: فعلۃ جس طرح شربة اور ضمہ کے ساتھ یہ اسم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مفتوح اور مضموم دونوں مصدر ہیں شرب جس طرح اکل، شرب جیسے ذکر اور شراب جو کسرہ کے ساتھ ہو اس سے مراد مشروب ہے جس طرح طحن مطحون کے معنی میں ہے ھیم سے مراد پیاسے اونٹ ہیں جو بیماری کی وجہ سے سیراب نہیں ہوتے؛ حضرت ابن عباس، عکرمہ، قتادہ، سدی اور دوسرے علماء نے یہی کہا؛ عکرمہ نے یہ بھی کہا ہے: اس سے مراد مریض اونٹ ہیں۔ ضحاک نے کہا: ھیم سے مراد ایسے اونٹ ہیں جنہیں کوئی بیماری لگ جاتی ہے جس کی وجہ سے انہیں شدید پیاس لاحق ہوتی ہے اس کا واحد اھیم ہے اس کی مونث ھیماء ہے اس بیماری کو ھیام کہتے ہیں۔ قیس بن ملوح نے کہا:

يقال به داء الهيام أصابه　　　وقد علمت نفسي مكان شفائها[1]

یہ کہا جاتا ہے: اسے ہیام کی بیماری ہے جب کہ میرا نفس اس کی شفاء کے مکان سے آگاہ ہے۔

قوم ھیم پیاسے لوگ۔ ھاموا ھیاما وہ پیاسے ہو گئے عربوں میں سے کچھ اونٹوں کے بارے میں کہتے ہیں: ھائم ھائمة اس کی جمع ھیم ہے۔

ضحاک، اخفش، ابن عیینہ اور ابن کیسان نے کہا: ھیم سے مراد نرم ہموار زمین ہے جس میں ریت ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: وہ ریت کی طرح پیتے ہیں وہ پانی سے سیراب نہیں ہوتے۔ یہ کہا جاتا ہے جو سیراب نہ ہو وہ اونٹ ہو یا ریت ہو اسے ھیم اور ھیام کہتے ہیں؛ صحاح میں ہے: ھیام سے مراد شدید پیاس ہے ھیام سے مراد ایسا عشق جو جنون کی

1. تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 457

طرح ہو۔ ھیام ایسی بیماری ہے جو اونٹ کو لگتی ہے تو وہ زمین میں سرگرداں رہتا ہے جب وہ نہیں پیتا بولا جاتا ہے: ناقة هيماء۔ ھیام سے مراد ایسا جنگل ہے جس میں پانی نہ ہو۔ ھیام سے مراد ایسی ریت ہے جو ہاتھ سے چھونے سے نہیں رکتی اس کی جمع ھیم ہے جس طرح قذال اور قذل ہے۔ ھیام سے مراد پیاسے اونٹ ہیں اس کا واحد ھیمان ہے ناقة هيمى جس طرح عطشان کی جمع عطاش آئی ہے۔

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ یہ وہ رزق ہے جو ان کے لیے تیار کیا جاتا ہے جس طرح وہ کھانا جو مہمانوں کے لیے بطور تکریم تیار کیا جاتا ہے۔ اس میں استہزاء ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فبشرهم بعذاب أليم۔

ابو سعد ضریر کا قول ہے: جعلنا القنا والمرهفات له نزلا ہم نے نیزے اور باریک تلواروں کو اس کے لیے ضیافت کے طور پر تیار کیا۔

یونس بن حبیب اور عباس نے ابو عمرو سے یہ قرأت نقل کی ہے هٰذَا نُزْلُهُمْ یعنی زاء ساکن ہے سورۂ آل عمران کے آخر میں گفتگو اس کے بارے میں گزر چکی ہے يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ سے مراد یوم جزا یعنی جہنم ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

"(آج غور کرو) ہم نے ہی تم کو پیدا کیا ہے پس تم قیامت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے بھلا دیکھو تو جو منی تم ٹپکاتے ہو (اور سچ بتاؤ) کیا تم اس کو (انسان بنا کر) پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم ہی نے مقرر کیا ہے تمہارے درمیان موت اور ہم (اس سے) عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے۔ اور تمہیں اچھی طرح علم ہے اپنی پہلی پیدائش کا پس تم (اس میں) کیوں غور و خوض نہیں کرتے"۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝ تم دوبارہ اٹھائے جانے کی تصدیق کیوں نہیں کرتے (1)؟ کیونکہ دوبارہ اٹھانا پہلی دفعہ پیدا کرنے کی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم نے تمہارے رزق کو پیدا کیا تو تم کیوں اس کی تصدیق نہیں کرتے کہ یہ تمہارا کھانا ہے اگر تم ایمان نہیں بھی لاتے؟

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ مراد ہے کہ منی سے جو تم عورتوں کی رحموں میں ٹپکاتے ہو۔ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ کیا تم اس سے انسان کی تصویر کشی کرتے ہو۔ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ یا ہم مقدر کرنے والے اور تصویر کشی کرنے والے ہیں یہ ان کے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 458

ظرف استدلال اور پہلی آیت کا بیان ہے یعنی جب تم نے اقرار کر لیا ہے کہ ہم اس کو پیدا کرنے والے ہیں کوئی اور پیدا کرنے والا نہیں تو تم دوبارہ اٹھائے جانے کا اعتراف کر لو۔ ابو سمال، محمد بن سمیقع اور اشہب عقیلی نے پڑھا ہے تمنون یعنی تا پر فتحہ ہے امنی اور منی دونوں لغتیں ہیں جس طرح أمذی، مذی، یمنی، یُمنی، یمذی، یُمذی۔ یہ ماوردی کا قول ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ میرے نزدیک دونوں کے معنی مختلف ہوں تو امنی کا معنی ہو جب جماع سے انزال ہو اور منی سے مراد ہے جب احتلام سے انزال ہو۔ منی کو منی کہنے کی دو وجہیں ہیں۔ (۱) ایک تو اس کے امناء کی وجہ سے ہے کہ اس کو بہایا جاتا ہے (۲) اس کا اندازہ لگانے کی وجہ سے۔ اس سے لفظ منا ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے کیونکہ یہ اس کی مقدار ہوتی ہے اسی طرح یہ مخلوق کی تصویر کشی کے لیے صحیح مقدار ہے۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ یہ بھی استدلال ہے یعنی وہ ذات جو موت دینے پر قادر ہے وہ پیدا کرنے پر قادر ہے جب وہ پیدا کرنے پر قادر ہے تو دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔ مجاہد، حمید، ابن محیصن اور ابن کثیر نے قدرنا دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ضحاک نے کہا: معنی ہے ہم نے اہل آسمان اور اہل زمین کے درمیان برابری کر دی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے فیصلہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے ہم نے لکھ دیا۔ معنی قریب قریب ہے۔ اس ذات کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہے گا۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ اگر ہم ارادہ کریں کہ تمہاری جگہ اور پیدا کریں تو کوئی ہم پر غالب نہیں آ سکتا۔ گویا نحن بمسبوقین کا معنی ہے ہم مغلوب نہیں۔ طبری نے کہا: معنی ہے ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کیا ہے تاکہ ہم تمہاری موت کے بعد تمہاری جنس میں سے دوسروں کو لے آئیں اور تمہاری آجال میں ہم مغلوب نہیں نہ کوئی متاخر آگے ہو سکتا ہے اور نہ متقدم پیچھے ہو سکتا ہے (2)۔

وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿﴾ یعنی جن صورتوں اور ہیئتوں کو تم نہیں جانتے ہم تمہیں ان میں پیدا کر دیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ہم تم کو بندر اور خنزیر بنا دیں جس طرح ہم نے تم سے قبل قوموں کے ساتھ کیا ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم تمہیں دوبارہ اٹھاتے وقت ایسی صورت میں پیدا کریں جو ان صورتوں سے مختلف ہوں جو تمہاری دنیا میں تھیں۔ مومن اپنے چہرے کی سفیدی کی وجہ سے خوبصورت ہوگا اور کافر اپنے چہرے کی سیاہی کی وجہ سے بدصورت ہوگا۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا معنی ہے یعنی سیاہ پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گے جو برہوت وادی میں ہوتے ہیں برہوت یمن میں ایک وادی ہے گویا وہ چیلیں ہیں۔ مجاہد نے کہا: فی ما لا تعلمون کا معنی ہے ہم نے جس صورت میں چاہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم تمہیں ایسے عالم میں پیدا کریں گے جسے تم نہیں جانتے ہو گے اور ایسے مکان میں پیدا کریں گے جس کو تم نہیں جانتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى کیونکہ تم کو نطفہ سے پھر علقہ سے پھر مضغہ سے پیدا کیا جب کہ تم کچھ بھی نہ تھے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: مراد حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 459 — 2۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 230 — 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 248

ارشاد ہے: لا یقولن احدکم عبدی و امتی و لیقل فتای و جاریتی و فتاتی و فتائی تم میں سے کوئی آدمی یہ نہ کہے عبدی و امتی بلکہ وہ کہے غلامی، جاریتی، فتای، فتاتی۔ سورۂ یوسف میں اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ بعض علماء نے اس میں مبالغے سے کام لیا اور کہا: وہ یہ نہ کہے حرثت فاصبت بلکہ کہے اعاننی اللہ فحرثت و اعاننی بفضلہ فما اصبت اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی تو میں نے کھیتی باڑی کی اس نے مجھے اپنے فضل سے نوازا تو میں نے اسے پالیا۔

ماوردی نے کہا: یہ آیت دو امور کو متضمن ہے (۱) ان پر احسان جتلایا کہ اس نے ان کی کھیتی کو اگایا یہاں تک کہ اس کے ذریعے وہ زندہ رہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعام کیا ہے اس پر وہ اس کا شکر بجالائیں (۲) ایسی دلیل جو عبرت حاصل کرنے کو لازم کرتی ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی کھیتی کو اگایا جب کہ بیج ناپید ہو چکا تھا اور انتہائی بری حالت میں منتقل ہو چکا تھا کہ وہ مٹی میں مل چکا تھا یہاں تک کہ وہ سرسبز و شاداب کھیتی بن گیا بھرا سے اس سے کئی گنا قوی بنا دیا جس پر وہ پہلے تھا تو جو انسان فوت ہو چکا ہے اس کو دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے بہت ہی آسان ہے اور وہ اس پر زیادہ قادر ہے یہ دلیل فطرت سلیمہ کے لیے کافی وشافی ہے پھر فرمایا: لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطٰمًا اگر ہم چاہتے تو اس کھیتی کو ریزہ ریزہ بنا دیتے (1)۔ حطام ایسی ریزہ ریزہ چیز کو کہتے ہیں جس سے کھانے اور غذا کے طور پر کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے ساتھ دو امور پر متنبہ کیا۔ (۱) اللہ تعالیٰ نے ان کی کھیتی میں جو نعمتیں عطا کیں کہ اسے ریزہ ریزہ نہیں کیا تاکہ وہ اس کا شکر بجالائیں (۲) اس کے ذریعے وہ اپنی ذات کے بارے میں عبرت حاصل کریں جس طرح جب وہ چاہتا ہے کھیتی کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے جس طرح جب وہ چاہے گا انہیں ہلاک کر دے گا تاکہ اس سے نصیحت حاصل کریں اور ایسا کرنے سے رک جائیں۔

فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ۝ اس کے ضائع ہو جانے پر تم تعجب کا اظہار کرتے ہو اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے اس پر شرمندہ ہوتے ہو (2)؛ یہ حضرت حسن بصری، قتادہ اور دوسرے علماء کا نقطۂ نظر ہے۔ صحاح میں ہے: تفکہ کا معنی ہے اس نے تعجب کا اظہار کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: وہ شرمندہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ۝ یعنی تم شرمندہ ہوتے ہو۔ تفکہت بالشئ یعنی میں اس سے لطف اندوز ہوا۔ یمان نے کہا: تم اپنے خرچوں پر شرمندگی کا اظہار کرتے ہو اس کی دلیل فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِيْهَا (کہف: 42)

عکرمہ نے کہا: وہ معصیت جو تم سے ہو چکی اور تمہاری سزا کا موجب ہوئی یہاں تک کہ تمہاری کھیتیوں میں جا پہنچی اس پر تم ملامت کا اظہار کرتے ہو اور شرمندہ ہوتے ہو (3)۔ ابن کیسان نے کہا: تم غمگین ہوتے ہو (4)۔ معنی قریب قریب ہے اس میں دو لغتیں ہیں: تفکھون، تفکنون۔ فراء نے کہا: نون عکل کی لغت ہے۔ صحاح میں ہے: تفکن سے مراد جو چیز فوت ہوئی اس پر شرمندگی کا اظہار کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تفکہ کا معنی ہے بے مقصد گفتگو کرنا؛ اسی معنی میں فکاہۃ کا لفظ ہے جو مزاح کے لیے بولا جاتا ہے جہاں تک فکاھۃ کا تعلق ہے تو یہ فکہ الرجل فھو فکہ کا مصدر ہے۔ جب وہ اچھی طبیعت کا اور مزاح کرنے والا ہو۔ عام قرأت فظلتم ہے (5)۔ عبداللہ نے اسے فظلتم پڑھا ہے۔ ہارون نے حسین سے وہ ابوبکر سے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 460　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً　5۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 248

روایت نقل کرتے ہیں جس نے اسے فتحہ دیا وہ اصل پر ہے۔ اصل میں ظللتم تھا پہلا لام تخفیف کے طور پر حذف کر دیا گیا جس نے ظا کو کسرہ دیا ہے اس نے پہلے لام کے کسرہ کو ظا کی طرف نقل کیا پھر پہلے لام کو حذف کر دیا۔

اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ ابوبکر اور مفضل نے ائنا دو ہمزہ کے ساتھ استفہام کی صورت میں پڑھا ہے عاصم نے اسے زر بن حبیش سے روایت کیا ہے باقی قراء نے ایک ہمزہ کے ساتھ خبر کی صورت میں پڑھا ہے یعنی وہ کہتے ہیں: ہم عذاب میں ہیں (1)۔

حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: غرام سے مراد عذاب ہے؛ اسی معنی میں ابن محلم کا قول ہے:

وثقت بأن الحفظ مني سجية ... وأن فؤادي متبل بك مغرم (2)

مجھے اعتماد ہے کہ میری طرف سے یاد رکھنا خصلت ہے اور میرا دل تیری وجہ سے پریشان اور عذاب میں ہے۔

مجاہد اور عکرمہ نے کہا: ہمیں شوق اور جوش دلایا گیا تھا؛ اس معنی میں نمر بن تولب کا قول ہے:

كان رهينا بها مغرما

وہ اس کے بدلہ میں رہن رکھا گیا ہے اور اسے جوش دلایا گیا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اغرم فلان بفلانۃ فلاں فلاں سے بہت محبت کرتا ہے؛ اسی سے غرام ہے یہ ایسا شر ہے جو لازم ہے۔ مجاہد نے یہ بھی کہا ہے: وہ شر کو پانے والے ہیں۔ مقاتل بن حیان نے کہا: وہ ہلاک ہونے والے ہیں۔ نحاس نے کہا: اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ یہ لفظ غرام سے مشتق ہے جس کا معنی ہلاکت ہے جس طرح شاعر نے کہا:

يوم النسار ويوم الجفا ... ر كانا عذابا وكانا غراما (3)

یوم نسار (چشمہ کا نام) اور یوم جفار (جگہ کا نام) دونوں عذاب اور ہلاکت تھے۔

ضحاک اور ابن کیسان نے کہا: یہ غرم سے مشتق ہے مغرم اسے کہتے ہیں جس کا مال بغیر عوض کے چلا جائے یعنی ہمارا وہ دانہ بھی ضائع ہو گیا جو ہم نے بویا تھا۔ مرہ ہمدانی نے کہا: ہمارا محاسبہ کیا جائے گا۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ یعنی ہم نے جس شادابی کا مطالبہ کیا تھا اس سے ہمیں محروم کر دیا گیا۔ محروم اسے کہتے ہیں جس کو رزق سے روک دیا گیا ہو محدود، مرزوق کی ضد ہے۔ قتادہ کے قول میں یہی معروف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی زمین کے پاس سے گزرے پوچھا: "کس چیز نے تمہیں کھیت کو کاشت کرنے سے روکا"۔ انہوں نے عرض کی: زمین کے بنجر ہونے نے۔ فرمایا: "ایسا نہ کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے انا الزارع میں کھیتوں کو اگانے والا ہوں، میں چاہوں تو میں پانی کے ساتھ کھیتی کو اگاؤں، چاہوں تو ہوا کے ساتھ اگاؤں اور چاہوں تو بیج کے ساتھ اگاؤں"۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی: اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ (الواقعہ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں اور اس سے قبل کی حدیث میں وہ دلیل موجود ہے جو اس کے قول کی صحت کو ثابت کرتی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 461
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً

ہے جس نے زارع کے لفظ کو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں داخل کیا ہے۔ اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے ہم نے اس کی وضاحت الکتاب الاسنیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ میں کر دی ہے۔

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ أَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٧١﴾ أَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾

"کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے پانی جو تم پیتے ہو (سچ سچ بتاؤ) کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اس کو کھاری بنا دیتے پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے۔ کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے آگ کو جو تم سلگاتے ہو (سچ سچ بتاؤ) کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے ہی بنایا ہے اس کو نصیحت اور فائدہ مند مسافروں کے لیے تو (اے حبیب!) تسبیح کیجئے اپنے رب عظیم کے نام کی"۔

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ تاکہ اس کے ساتھ تم اپنے آپ کو زندہ رکھو اور جس کے ساتھ اپنی پیاس کو سکون بھی پہنچاؤ کیونکہ مشروب کھانے کے تابع ہوتا ہے اسی وجہ سے آیت میں کھانے کا ذکر پہلے ہوتا ہے کیا تو دیکھتا نہیں کہ تو مہمان کو کھانا کھلانے کے بعد اسے پلاتا ہے۔

ایک عرب کو مشروب پلایا گیا تو اس نے کہا: انا لا اشرب الا علی ثمیلۃ میں نہیں پیتا مگر بھرے پیٹ والا ہو کر۔

أَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ مزن سے مراد بادل ہے اس کا واحد مزنۃ ہے شاعر نے کہا:

فنحن كماء المزن ما في نصابنا كهام ولا فينا يعد بخيل (1)

ہم بادل کے پانی کی طرح ہیں نہ ہماری اصل میں کوئی مال سے خالی ہے اور نہ ہی ہم میں کوئی بخیل شمار ہوتا ہے۔

یہ حضرت ابن عباس، مجاہد وغیرہما کا قول ہے کہ مزنۃ سے مراد بادل ہے۔ حضرت ابن عباس اور ثوری سے یہ مروی ہے کہ مزن سے مراد آسمان اور بادل ہے۔ صحاح میں ہے ابو زید نے کہا: مزنۃ سے مراد سفید بادل ہے اس کی جمع مزن ہے مزنۃ سے مراد بارش ہے شاعر نے کہا:

ألم تر أن الله أنزل مزنة

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کو نازل کیا۔

أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ﴿٦٩﴾ جب تم نے پہچان لیا کہ میں نے اسے نازل کیا ہے تو تم میرے لیے عبادت کو خاص کر کے شکر

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 249

ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بھوکوں کے لیے ان کے کھانے کے بنانے میں فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنا دیا ہے (1)۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: اقویت منذ کذا و کذا یعنی میں نے اتنے عرصہ سے کوئی چیز نہیں کھائی بات فلان القواء و بات القفر جب اس نے کوئی چیز کھائے بغیر بھوکے رات گزاری۔

شاعر نے کہا:

وإنی لأختار القوی طاوی الحشی

میں بھوکا رہنے کو پسند کرتا ہوں۔

ربیع اور سدی نے کہا: المقوین سے مراد ایسے فروکش ہونے والے ہیں جن کے پاس آگ نہیں ہوتی جس کو وہ جلائیں اور اس کے ساتھ کھانا پکائیں؛ اسے عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ قطرب نے کہا: مقوی اضداد میں سے ہے یہ فقیر اور غنی کے معنی میں ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اقوی الرجل جب اس کے پاس زاد راہ نہ ہو، اقوی جب اس کے پاس بہت زیادہ چوپائے ہوں اور مال بہت زیادہ ہو۔

مہدوی نے کہا: یہ آیت تمام لوگوں کے لیے مناسب ہے کیونکہ آگ ایسی چیز ہے جس کے مسافر، مقیم، غنی اور فقیر ضرورت مند ہوتے ہیں، ثعلبی نے بیان کیا ہے۔ اکثر مفسرین پہلے قول کی طرف گئے ہیں۔ قشیری نے کہا: اس سے انتفاع کے اعتبار سے مسافر کو نامی کیا گیا ہے کیونکہ مسافر مقیم کی نسبت اس سے زیادہ نفع حاصل کرتا ہے کیونکہ جنگل و صحرا میں رہنے والوں کو رات کے وقت آگ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ درندے اس سے دور رہیں اس کے علاوہ بھی انہیں ضرورت ہوتی ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف جو شریکوں کی اور دوبارہ اٹھانے سے عجز کی نسبت کی ہے اس سے اس کی پاکی بیان کر۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَٰلَمِينَ ﴿٨٠﴾

"پس میں قسم کھاتا ہوں ان جگہوں کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے بے شک یہ قرآن ہے بڑی عزت والا ایک کتاب میں جو محفوظ ہے اس کو نہیں چھوتے مگر وہی جو پاک ہیں۔ یہ اتارا گیا ہے رب العالمین کی طرف سے"۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فَلَآ أُقْسِمُ اکثر مفسرین کے نزدیک لا زائدہ ہے (2) معنی ہے میں قسم اٹھاتا ہوں اس کی دلیل وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ ہے۔ فراء نے کہا: یہ نفی ہے۔ معنی ہے معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہو پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا۔ اقسم میں قسم اٹھاتا ہوں۔ بعض اوقات ایک آدمی کہتا ہے: لا واللہ، کان کذا اس سے وہ قسم کی نفی کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ وہ کلی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 461

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 462

کلام کی نفی کا ارادہ کرتا ہے یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تو نے ذکر کیا بلکہ معاملہ اس طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لا، الا کے معنی میں ہے جو تنبیہ کے لیے ہے۔

اس کے ساتھ قرآن کی فضیلت پر متنبہ کیا تا کہ وہ اس میں غور و فکر کریں یہ شعر نہیں، جادو نہیں اور کہانت بھی نہیں جس طرح وہ لوگ گمان کیا ہے۔ حضرت حسن بصری، حمید اور عیسیٰ بن عمر نے فلاقسم لام کے بعد الف کے بغیر پڑھا ہے تحقیق کے معنی پر دال ہے۔ یہ فعل حال ہے اس کا مبتدا محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فلانا اقسم بذلک اگر اس سے مستقبل کا زمانہ مراد لیا جاتا تو نون لازم ہوتی۔ جب فعل سے استقبال مراد لیا جائے تو بعض اوقات نون کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ یہ شاذ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ قتادہ اور دوسرے علماء کے نزدیک مواقع النجوم سے مراد ان کے گرنے اور غروب ہونے کی جگہیں ہیں۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا: مراد ان کی منازل ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قیامت کے روز ان کا بے نور ہونا اور بکھر کر رہ جانا ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: مراد وہ ستارے ہیں جن کے بارے میں دور جاہلیت میں لوگ کہا کرتے تھے جب ان پر بارش ہوتی (2): ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی۔ ماوردی نے کہا: فَلَاۤ اُقْسِمُ یہ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوتا ہے نفی کا معنی دیتا ہے (3)۔ قشیری نے کہا: یہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ جس چیز کا ارادہ کرے اس کی قسم اٹھائے جب کہ ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات قدیمہ کے سوا کسی چیز کی قسم اٹھائیں۔

میں کہتا ہوں: اس امر پر حضرت حسن بصری کی قرأت فلاقسم دلالت کرتی ہے (4) اور اسی طرح وہ قسمیں بھی دلالت کرتی ہیں کہ مخلوقات میں سے جن چیزوں کی قرآن حکیم میں مختلف مواقع پر قسم اٹھائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مواقع النجوم سے مراد قرآن حکیم کا آیت در آیت نازل ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بالا آسمان سے لوح محفوظ سے سفرہ کاتبین پر نازل کیا سفرہ نے جبریل امین پر بیس راتوں میں نازل کیا اور جبریل امین بیس (5) سالوں تک تھوڑا تھوڑا کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے رہے۔ حضرت جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی مناسبت سے اسے نازل کرتے تھے؛ اسے ماوردی نے حضرت ابن عباس اور سدی سے روایت کیا ہے (6)۔

ابوبکر انباری نے کہا: اسماعیل بن ابی اسحاق، قاضی حجاج بن منہال سے وہ ہمام سے وہ کلبی سے وہ ابو صالح سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ قرآن حکیم آسمان دنیا میں یکبارگی ایک ہی دفعہ نازل ہوا۔ پھر زمین کی طرف تھوڑا تھوڑا نازل ہوا اس کے بعد اسے پانچ پانچ اور کم و بیش کی صورت میں الگ الگ نازل کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ۝ کا یہی مفہوم ہے۔ فراء نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ مواقع النجوم سے مراد محکم القرآن ہے (7)۔ حمزہ اور کسائی نے بموقع کا لفظ پڑھا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 463 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً
4۔ محرر وجیز، جلد 5، صفحہ 463 5۔ دوسری روایت میں بیس سال کے بجائے تئیس سال ہے۔
6۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 463 7۔ ایضاً

ہے؛ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود، نخعی، اعمش، ابن محیصن اور رویس نے یعقوب سے یہ روایت نقل کی ہے۔ باقی قراء نے جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ جس نے اسے مفرد پڑھا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اسم جنس ہے جس میں واحد کو جمع کے قائم مقام رکھا جاتا ہے جس نے اسے جمع کا صیغہ پڑھا ہے تو اس کی انواع کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ھاء ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے کہ قرآن عظیم قسم ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے جس کی قسم اٹھائی ہے وہ عظیم ہے (2)۔ وہ قرآن کریم ہے۔ مقسم علیہ کا ذکر کیا یعنی نجوم کے مواقع کی قسم اٹھائی کہ بے شک یہ قرآن قرآن کریم ہے (3)؛ یہ سحر اور کہانت نہیں، اس میں کوئی افترا نہیں بلکہ یہ قرآن کریم اور محمود ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی کے لیے معجزہ بنایا ہے۔ یہ مومنوں کے لیے بڑا معزز ہے کیونکہ یہ ان کے رب کا کلام ہے، ان کے سینوں کے لیے شفاء ہے۔ آسمان والوں کے لیے بڑا معزز ہے کیونکہ یہ ان کے رب کا کلام ہے، ان کے سینوں کے لیے شفا ہے آسمان والوں کے لیے بڑا معزز ہے کیونکہ یہ ان کے رب کا نازل کردہ وحی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کریم سے مراد ہے وہ غیر مخلوق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کریم اس لیے ہے کیونکہ اس میں اخلاق اور امور کے عظیم معانی کا ذکر ہے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے حافظ کی عزت کی جاتی ہے اور اس کے قاری کی تعظیم بجا لائی جاتی ہے (5)۔

مسئلہ نمبر 4۔ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿﴾ مکنون کا معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے (6)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ باطل سے محفوظ ہے (7)۔ یہاں کتاب سے مراد آسمان میں کتاب ہے (8)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ جابر بن زید اور حضرت ابن عباس نے کہا: مراد لوح محفوظ ہے (9)۔ عکرمہ نے کہا: مراد تورات و انجیل ہے (10) ان دونوں میں قرآن کا ذکر ہے اور اس کا بھی ذکر ہے جس پر قرآن نازل ہوگا۔ سدی نے کہا: مراد زبور ہے۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا: مراد وہ مصحف ہیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿﴾ لا يمسه کے معنی میں اختلاف ہے کیا یہ اعضاء سے مس کرنے کے معنی میں ہے (11) یا اس کے معنی کو چھونا مراد ہے؟ اس طرح المطھرون میں اختلاف ہے کہ وہ کون لوگ ہیں؟ حضرت انس اور حضرت سعید بن جبیر نے کہا کہ اس کتاب کو مس نہیں کرتے مگر وہ جو گناہوں سے پاک ہوتے ہیں وہ فرشتے ہیں۔ ابو العالیہ اور ابن زید نے بھی یہی کہا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو گناہوں سے پاک ہیں جس طرح ملائکہ میں سے رسل اور انسانوں میں سے رسل۔ جبرئیل امین جو اسے لے کر آتے رہے وہ مطہر ہیں اور وہ رسول جن کے پاس وہ لاتے رہے وہ بھی مطہر ہیں۔ کلبی نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 463 | 2۔ ایضاً | 3۔ ایضاً | 4۔ ایضاً
5۔ ایضاً | 6۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 454 | 7۔ ایضاً | 8۔ ایضاً
9۔ ایضاً | 10۔ ایضاً | 11۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1737

مراد حضرات کرام براہ تیں۔ یہ سب ایک ہی قول ہے۔ یہ اس کی مثل ہے جو امام مالک نے اختیار کیا ہے آپ نے فرمایا: میں نے لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کی تفسیر میں جو سب سے بہترین قول سنا وہ یہ ہے کہ یہ اس آیت کے قائم مقام ہے جو سورۂ عبس میں ہے فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهُ ۞ فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۞ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۞ بِاَيْدِیْ سَفَرَةٍ ۞ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۞ اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ مطہرین سے مراد وہ فرشتے ہیں جن کی صفت سورۂ عبس میں طہارت سے ذکر کی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَا يَمَسُّهُ کا معنی ہے اسے لے کر نازل نہیں ہوتے مگر فرشتوں میں سے رسول جو انبیاء میں سے رسولوں پر نازل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لوح محفوظ جو کتاب مکنون ہے اسے نہیں چھوتے مگر پاکیزہ فرشتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت اسرافیل کو یہ ذمہ داری سونپی گئی؛ قشیری نے اس کی حکایت بیان کی۔ ابن عربی نے کہا: یہ باطل ہے کیونکہ فرشتے اسے کسی وقت بھی نہیں پکڑتے اور اس تک کسی وقت بھی رسائی حاصل نہیں کرتے اگر یہ مراد ہوتو اس میں استثناء کی کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی۔ جس نے یہ کہا کتاب سے مراد وہ مصحف ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ زیادہ مناسب ہے۔ امام مالک اور دوسرے علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ عمرو بن حزم کا مکتوب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لکھا تھا اس میں یہ تھا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے شرحبیل بن عبد کلال، حرث بن عبد کلال اور نعیم بن عبد کلال کی طرف ہے جو ذی رعین معافر اور ہمدان کے بادشاہ ہیں (1)۔ اما بعد! آپ کے مکتوب میں تھا خبردار! قرآن کریم نہ چھوئے مگر پاک آدمی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو قرآن کو نہ چھوئے مگر اس وقت جب تو پاک ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن نے حضرت عمر کے اسلام لانے کے موقع پر کہا تھا جب کہ وہ ان کے پاس گئے اور صحیفہ منگوایا تو حضرت عمر کی بہن نے کہا: لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ اسے پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔ حضرت عمر اٹھے، غسل کیا اور اسلام لائے۔ یہ واقعہ سورۂ طٰہٰ کے شروع میں گزر چکا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: یہاں مطہرون سے مراد احداث اور انجاس سے پاک لوگ ہیں (2)۔ کلبی نے کہا: وہ شرک سے پاک ہوں (3)۔ ربیع بن انس نے کہا: وہ گناہوں اور خطاؤں سے پاک ہوں (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اسے موحد ہی پڑھیں؛ یہ محمد بن فضیل اور عبدہ کا قول ہے۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس چیز سے منع کیا کرتے تھے کہ یہود و نصاریٰ میں سے کسی کو قرآن پڑھنے کا موقع دیا جائے۔ فراء نے کہا: اس کا ذائقہ، اس کا نفع اور اس کی برکت قرآن پر ایمان رکھنے والا ہی پا سکتا ہے (5)۔ ابن عربی نے کہا: یہ امام بخاری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا (6) جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوا اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ حسین بن فضل نے کہا: اس کی تفسیر اور تاویل کو کوئی نہیں پہنچتا مگر جسے اللہ تعالیٰ نے شرک اور نفاق سے پاک کر دیا ہو۔

1۔ موطا امام مالک، کتاب وقوت الصلوٰۃ، الامر بالوضوء لمن مس القرآن، صفحہ 185
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 464
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً
5۔ ایضاً
6۔ جامع ترمذی، ابواب ترک الصلوٰۃ، جلد 2، صفحہ 86
7۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 464

ابوبکر وراق نے کہا: اس پر عمل کرنے کی توفیق نہیں دی جاتی مگر سعادت مندوں کو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ثواب کو مس نہیں کرتے مگر مومن (7)۔ یہ حضرت معاذ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت کا ظاہر شرعی حکم کی خبر ہے یعنی شرعی طور پر پاکیزہ لوگ ہی اسے چھوتے ہیں اگر اس کے برعکس پایا گیا تو یہ شرع کے خلاف ہوگا، یہ قاضی ابوبکر بن عربی کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ اور اس امر کو باطل قرار دیا ہے کہ اس کا لفظ خبر کا ہو اور اس کا معنی امر کا ہو۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ جائز ہے کہ یہ امر ہو اور سین کا ضمہ اعراب کا ضمہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ نہی ہو اور سین کا ضمہ مبنی ہونے کا ضمہ ہو اور فعل مجزوم ہو۔

مسئلہ نمبر 6۔ علماء نے وضو کے بغیر مصحف کے چھونے میں اختلاف کیا ہے جمہور نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ حضرت عمرو بن حزم کی حدیث اس بارے میں مروی ہے؛ یہ حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم، عطا، زہری، نخعی، حکم، حماد اور فقہاء کی ایک جماعت کا مذہب ہے ان میں امام مالک اور امام شافعی بھی ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ سے مختلف روایات مروی ہیں ان سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ محدث اسے چھو سکتا ہے۔ سلف صالحین کی ایک جماعت سے بھی مروی ہے ان میں حضرت ابن عباس، امام شعبی وغیرہ ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس کے ظاہر، حواشی اور جس میں مکتوب نہ ہو اس کو چھوا جا سکتا ہے جہاں تک مکتوب کا تعلق ہے اسے پاکیزہ آدمی ہی چھو سکتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: اگر اسے کوئی تسلیم بھی کرے تب بھی یہ ان چیزوں میں سے ہے جن پر حجت غالب ہے کیونکہ ممنوع کا حریم بھی ممنوع ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کو جو خط لکھا اس کے خلاف قوی ترین دلیل ہے۔ امام مالک نے کہا: جو آدمی حالت طہارت میں نہ ہو اسے کسی واسطہ سے اٹھائے اور نہ ہی تکیہ پر رکھ کر اٹھائے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں اور جو آدمی کسی واسطہ سے اسے اٹھاتا ہے یا کسی واسطہ سے چھوتا ہے اسے منع نہیں کیا۔ حکم، حماد اور داؤد بن علی سے مروی ہے کہ مصحف کو اٹھانے اور اس کے چھونے میں کوئی حرج نہیں، وہ مسلمان ہو یا کافر، وہ حالت طہارت میں ہو یا حالت حدث میں ہو مگر داؤد ظاہری نے اس سے اختلاف کیا ہے کہا: مشرک کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اسے اٹھائے۔ وہ اس کی اباحت کا استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کو خط لکھا جب کہ یہ تو مجبوری کا موقع تھا اس میں کوئی دلیل نہیں۔ بچوں سے اسے چھونے میں دو صورتیں ہیں (1) بالغ پر قیاس کرتے ہوئے اسے منع کیا جائے گا (2) یہ جائز ہے کیونکہ اگر بچے کو اس سے روک دیا جائے گا تو قرآن کی حفاظت نہ کی جا سکے گی کیونکہ بچے کا سیکھنا صغر سنی کی عمر میں ہی ہوا کرتا ہے بچے کو اگرچہ طہارت حاصل ہوتی ہے مگر وہ کامل نہیں ہوتی، کیونکہ بچے کی جانب سے نیت درست نہیں ہوتی۔ جب اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کامل طہارت کے بغیر اسے اٹھائے تو اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ حالت حدث میں اسے اٹھائے۔

مسئلہ نمبر 7۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی رب العالمین کی جانب سے نازل کی گئی ہے جس طرح ضرب الامیر اور نسج الیمن میں مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تنزیل اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تنزیل یہ مبتدا کی خبر ہے۔

أَفَبِهٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ۝ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ۝ فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ۝ وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ۝ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ ۝ فَلَوْلَا إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۝ تَرْجِعُونَهَا إِن كُنتُمْ صٰدِقِينَ ۝

"کیا تم اس قرآن کے بارے میں کوتاہی کرتے ہو اور اس کی بے پایاں برکتوں سے تم نے اپنا یہی نصیب لیا ہے کہ تم اس کو جھٹلاتے رہو گے۔ پس تم کیوں نہیں لوٹا دیتے جب روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت (پاس بیٹھے) دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم اس وقت بھی تم سے زیادہ مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں البتہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ پس اگر تم کسی کے پابند حکم نہیں ہو تو پھر کیوں نہیں لوٹا دیتے (مرنے والے کی روح) اگر تم سچے ہو"۔

أَفَبِهٰذَا الْحَدِيثِ، هذا الحديث سے مراد قرآن ہے أَنتُم مُّدْهِنُونَ ۝ مُّدْهِنُونَ کا معنی ہے جھٹلانے والے، یہ حضرت ابن عباس، عطا اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے (1)۔ مدہن اسے کہتے ہیں جس کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہو۔ گویا اسے دہن (تیل) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ اس کے ظاہر میں نرمی اور ملائمت ہوتی ہے۔ مقاتل بن سلیمان اور قتادہ نے کہا: مُّدْهِنُونَ کا معنی ہے کافر ہیں، اس کی مثل وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝ (القلم) ہے۔ مورج نے کہا: مدہن سے مراد منافق یا کافر ہے جو خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتا ہے تاکہ اپنے کفر کو چھپائے۔ ادہان اور مداہنہ کا معنی جھٹلانا، کفر کرنا اور نفاق کرنا ہے۔ اس کا اصل معنی نرمی کرنا ہے اور جو ظاہر کرے اس کے برعکس کو اپنے اندر چھپانا ہے۔ ابوقیس بن صلت نے کہا:

الحزم والقوة خير من الإدهان والفكة والهاع

احتیاط اور قوت نفاق، عاجزی اور حرص سے بہتر ہے۔

ادہن اور داہن دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ کچھ لوگوں کا نقطہ نظر ہے داہنت کا معنی ہے تو نے چھپایا اور ادہنت کا معنی ہے تو نے دھوکہ دیا۔ ضحاک نے کہا: مدہنون کا معنی ہے تم اعراض کرنے والے ہو (2)۔ مجاہد نے کہا: کفر کے باوجود کفار سے دوستی کرنے والے ہیں (3)۔ ابن کیسان نے کہا: مدہن اسے کہتے ہیں جو یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا اس پر کیا حق ہے اور حیلے بہانوں سے اسے ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک لغوی نے کہا: مدہنون کا معنی ہے قرآن کو قبول کرنے میں وہ یقین کو ترک کرنے والے ہیں۔

وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ۝ حضرت ابن عباس نے کہا: تم نے اپنے شکر کو جھٹلانا بنا لیا ہے۔ ہیثم بن عدی نے کہا: یہ ازد شنوءہ کی لغت میں سے ہے ما رزق فلان یعنی فلان بمراد ہے اس کا شکر کیا ہے یہ مناسب ہے کہ رزق کے اسم کو شکر کی جگہ رکھا جائے کیونکہ رزق کا شکر اس میں زیادتی کا تقاضا کرتا ہے تو شکر اس معنی کی وجہ سے رزق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ سے اصل مقصود ہے وتجعلون شکر رزقکم تم نے اپنے رزق کا شکر (جو اگر تم سے پایا جاتا تو وہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 464 | 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 465 | 3۔ ایضاً

تمہارے لیے رزق کی صورت میں لوٹتا) یہ بنا لیا ہے کہ تم رزق کو جھٹلاتے ہو، یعنی تم شکر کی جگہ رزق کو رکھتے ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً (الانفال: 35) یعنی وہ نماز نہیں پڑھتے بلکہ وہ نماز کی جگہ سیٹیاں بجاتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں۔ اس میں اس امر کی وضاحت ہے کہ بندوں کو جو بھی بھلائی پہنچی ہے تو ان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ایسے واسطوں کے جانب سے دیکھیں جس کے بارے میں عام قاعدہ ہے کہ وہ واسطے اسباب ہوں بلکہ مناسب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے دیکھیں پھر اگر وہ نعمت ہے تو اس کے بالمقابل شکر کریں اور اگر وہ امر ناپسندیدہ ہو تو اس پر صبر کریں مقصود اس کے سامنے اپنی عبودیت اور عجز کا اظہار ہو۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پڑھا وتجعلون شکرکم انکم تکذبون (1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے: اس سے مراد ستاروں سے بارش کو طلب کرنا ہے۔ یہ عربوں کا قول ہے مطرنا بنوء کذا ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی؛ حضرت علی شیر خدا نے نبی کریم ﷺ سے اسے روایت کیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں لوگوں پر بارش کی گئی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لوگوں میں سے کچھ نے شکر گزار بندے کی حیثیت سے صبح کی اور ان میں سے کچھ نے کافر کی حیثیت سے صبح کی قالوا هذه رحمة الله وقال بعضهم لقد صدق نوء كذا وكذا۔ انہوں نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور بعض نے کہا: فلاں فلاں ستارہ نے سچ کہا (2) تو یہ آیت نازل ہوئی: فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۝ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ۝ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ۝ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک سفر میں نکلے وہ پیاسے ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مجھے بتاؤ اگر میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں اور تم پر بارش ہو جائے تو ممکن ہے تم کہو: هذا المطر بنوء كذا یہ بارش فلاں ستارے کی وجہ سے ہے" (3)۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ ان ستاروں کا وقت نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی، اپنے رب سے دعا کی، ہوا چلی پھر بادل آئے تو لوگوں پر بارش ہوئی نبی کریم ﷺ چلے ایک آدمی کے پاس سے گزرے جب کہ آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت تھی وہ اپنے پیالے سے پانی بھر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی ہے اس نے یہ نہ کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو یہ آیت نازل ہوئی وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس پر شکر بجا لانے کی بجائے تم نے اپنا حصہ یہ بنا لیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جھٹلاتے ہو اور تم یہ کہتے ہو: ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی ہے جس طرح تو کہتا ہے: جعلت إحسانی الیک اساءة منك یعنی میں نے تجھ پر جو احسان کیا تھا اس کا بدلہ تو نے میرے ساتھ برائی کرنے کو بنا دیا۔ وہ میرا تجھ پر جو انعام تھا اس کا تو نے یہ بدلہ دیا کہ تو نے مجھے اپنا دشمن بنا لیا۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 162
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان کفر من قال مطرنا بالنوء، جلد 1، صفحہ 59
3۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 162

موطا میں حضرت زید بن خالد جہنی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ کے مقام پر صبح کی نماز پڑھائی جب کہ رات کو بارش ہوئی تھی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا: "جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟" (1) صحابہ نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندوں میں سے کچھ نے مجھ پر ایمان کی حالت میں صبح کی اور ستارے کے ساتھ کفر کیا۔ جس نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے ساتھ ہم پر بارش کی گئی تو وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستارے کا انکار کرنے والا ہے جس نے کہا ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی تو وہ ستارے پر ایمان رکھنے والا اور میرے ساتھ کفر کرنے والا ہے"۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی کہے مطرنا بنوء کذا و کذا اگرچہ ہمارے نزدیک نوء ایک وقت ہے جو مخلوق ہے نہ نقصان دیتا ہے اور نہ نفع دیتا ہے نہ بارش برساتا ہے اور نہ بارش کو روکتا ہے۔ جو پسند کرے تو یہ کہے: مطرنا وقت کذا کہا تقول مطرنا شهر كذا ہم پر فلاں وقت بارش ہوئی جس طرح تو یہ کہتا ہے ہم پر فلاں مہینہ میں بارش کی گئی جس نے یہ کہا: مطرنا بنوء كذا وہ یہ ارادہ کرتا ہو کہ نوء نے بارش کو نازل کیا ہے جس طرح دور جاہلیت میں بعض مشرک ارادہ کرتے تھے تو وہ کافر ہوگا۔ اگر وہ تو بہ نہ کرے تو اس کا خون حلال ہوگا۔

ابو عمر بن عبد البر نے کہا: جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی حکایت بیان کرتے ہیں اصبح من عبادی مومن بی و كافر (2) میرے نزدیک اس کے معنی کی دو صورتیں ہیں (1) وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ نوء ہی بارش نازل کرنے والا ہے وہی بادل کو پیدا کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا نہیں کیا وہ صریح کافر ہوگا اس سے تو بہ طلب کرنا ضروری ہوگا اگر وہ انکار کرے تو اسلام کو چھوڑنے اور قرآن کو رد کرنے کی وجہ سے اسے قتل کرنا ضروری ہوگا۔

(2) دوسری صورت یہ ہے وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس ستارے کے ذریعے بارش نازل فرماتا ہے یہ بارش کا سبب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے مقدر کیا ہے اور اس کے علم میں پہلے سے موجود ہے۔ اگرچہ یہ مباح صورت ہے پھر بھی اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار ہے اور اس کی لطیف حکمت سے جہالت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے بارش نازل فرماتا ہے کبھی کسی ستارے کے واسطے سے اور کبھی کسی ستارے کے واسطہ سے۔ بے شمار مواقع پر ستارے ظاہر ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ بارش نہیں ہوتی۔ یہ بارش اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے ستارے کی طرف سے نہیں ہوتی۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے جب وہ صبح کرتے جب کہ بارش ہو چکی ہوتی: مطرنا بنوء الفتح پھر وہ اس آیت کی تلاوت کرتے مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا (فاطر: 2) ابو عمر نے کہا: میرے نزدیک یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی طرح ہے مطرنا بفضل الله و رحمته (3) ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ بارش ہوئی۔ اس باب میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو ارشاد ہے جب حضرت عمر نے ان کے واسطہ سے بارش طلب

1۔ موطا امام مالک، کتاب الاستسقاء، الاستمطار بالنجوم، صفحہ 180

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان کفر من قال مطرنا بالنوء، جلد 1، صفحہ 59

3۔ ایضاً

کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے چچا جان! کم بقی من نوء الثریا؟ حضرت عباس نے جواب دیا: علماء گمان کرتے ہیں کہ وہ افق میں عرضاً ظاہر ہوگی سات راتوں کے بعد۔ ابھی ساتواں دن نہیں گزرا تھا کہ ان پر بارش ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: الحمد للہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ہے۔

گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ نوء ثریا ایسا وقت ہے جس میں بارش کی امید کی جاتی ہے تو آپ نے حضرت عباس سے سوال کیا: وہ ظاہر ہو چکا ہے یا اس میں سے کوئی باقی ہے؟

سفیان بن عیینہ نے اسماعیل بن امیہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک سفر میں ایک آدمی سے سنا وہ کہہ رہا تھا: مطرنا بعثانین الاسد۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تو نے جھوٹ بولا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بارش ہے"۔
سفیان نے کہا: عثانین الاسد سے مراد بازو اور پیشانی ہے۔

عام قراءت تکذبون ہے جو تکذیب سے مشتق ہے۔ مفضل نے عاصم اور یحییٰ بن وثاب سے تکذبون نقل کیا ہے۔ اس کا معنی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جس نے کہا: مطرنا بنوء کذا۔ حضرت انس بن مالک کی حدیث میں یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری امت میں تین چیزیں ہمیشہ رہیں گی حسب و نسب پر فخر، نوحہ اور انواء"۔ اس بارے میں صحیح مسلم کے الفاظ ہیں: "میری امت میں چار امور دور جاہلیت کے ہوں گے جنہیں لوگ نہیں چھوڑیں گے۔ حسب و نسب پر فخر، انساب میں طعن، ستاروں کے ذریعے بارش کا طلب کرنا اور نوحہ کرنا" (1)۔

فَلَوْلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ لولا، ھلا کے معنی میں ہے جب نفس اور روح حلقوم تک پہنچ جائے۔ نفس کا پہلے ذکر نہیں ہوا کیونکہ معروف ہے۔

حاتم نے کہا:

اذا حشرجت یوما وضاق بہا الصدر

جب غرغرہ ہونے لگے گا اور سینہ تنگ ہو جائے گا۔ تکمل استدراج حشرجت کی تعبیر ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: "ملک الموت کے مددگار ہیں جو رگوں کو کاٹتے ہیں اور آہستہ آہستہ روح کو جمع کرتے ہیں یہاں تک کہ روح حلقوم تک پہنچ جاتی ہے تو ملک الموت اسے قبض کر لیتا ہے" (2)۔

وَاَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ تنظرون کا مفعول یہ امری اور سلطانی ہے۔ یعنی تم میرا امر اور میری سلطان دیکھ رہے ہوتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم میت کو دیکھ رہے ہوتے ہو تم اس کے لیے کسی چیز پر قادر نہیں ہوتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا ہے کہ میت کے گھر والے انتظار کر رہے ہوتے ہیں کہ اس کا نفس کب نکلے گا؟ پھر یہ کہا گیا ہے: یہ ان کے اس قول کا رد ہے جو انہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا تھا: لَوْ کَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، فصل التشدید فی النیاحۃ، من مطرنا بالانواء، فضیل الاکتساب و الاستسقاء، جلد 1، صفحہ 303

2۔ کنز العمال، تفسیر الحشر، جلد 15، صفحہ 563، حدیث 12185

(آل عمران: 156) کیا جب روح حلقوم تک آ پہنچی تھی تو کیا انہوں نے ان میں سے کسی کی روح کو لوٹایا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے ایسا کیوں نہ ہوا جب تم میں سے کسی کا نفس نزع کے وقت حلقوم تک پہنچا جب کہ تم حاضر تھے تو تم اس کی روح کو اس کے جسم میں روک لیتے جب کہ تم اس کی طویل عمر کے حریص تھے اور اس کی بقا سے محبت رکھتے تھے۔ یہ ان کے قول کا رد ہے: نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ (الجاثیہ: 24) ہم مرتے ہیں اور ہم زندہ ہوتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس آدمی کو خطاب ہے جو موت نزع میں ہے یعنی تجھے جو مصیبت پہنچی ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہے تو تو نے اپنی روح کی حفاظت کیوں نہیں کی؟

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ ہم قدرت، علم اور رؤیت میں تمہاری نسبت اس کے زیادہ قریب تھے۔ عامر بن عبد القیس نے کہا: میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنی نسبت اس کے زیادہ قریب دیکھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارادہ کیا کہ ہمارے بھیجے ہوئے جو اس کی روح کو قبض کرنے کے ذمہ دار تھے وہ تمہاری نسبت اس کے زیادہ قریب تھے۔ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ یعنی تم انہیں دیکھتے۔

فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ یہاں بھی لولا، ھلا کے معنی میں ہے یعنی اگر تمہارا محاسبہ نہیں ہوگا اور تمہیں اپنے اعمال کا بدلہ نہیں دیا جائے گا۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ (الصافات) یعنی ہمیں جزا دی جائے گی اور ہمارا محاسبہ ہوگا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ کا معنی ہے غیر مملوکین، لا مقہورین، غیر مملوک اور غیر مغلوب ہوں۔ فراء اور دوسرے علماء نے کہا: دنتہ کا معنی ہے میں اس کا مالک ہوا، حطیئہ کا شعر پڑھا:

لَقَدْ دُيِّنْتِ أَمْرَ بَنِيكِ حَتَّى تَرَكْتِهِمُ أَدَقَّ مِنَ الطَّحِينِ

تجھے اپنے بیٹوں کے معاملات سپرد کیے گئے یہاں تک کہ تو نے انہیں آٹے سے بھی زیادہ باریک چھوڑا۔

دانہ اسے ذلیل کیا اور اسے اپنا غلام بنایا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: دنتہ فدان میں نے اسے ذلیل کیا تو وہ ذلیل ہو گیا۔ اس بارے میں بحث سورۃ فاتحہ میں يَوْمِ الدِّيْنِ کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

تَرْجِعُوْنَهَآ تم روح کو جسم کی طرف لوٹاتے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو یعنی تم اسے ہرگز نہیں لوٹاؤ گے تو تمہارا گمان باطل ہو گیا کہ تم مملوک نہیں اور تمہارا محاسبہ نہیں ہوگا۔ تَرْجِعُوْنَهَآ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ اور فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ کا جواب ہے دونوں کا ایک ہی جواب ہے: یہ فراء کا قول ہے۔ بعض اوقات عرب دو حرفوں کا اعادہ کرتے ہیں اور ان کا معنی ایک ہی ہوتا ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ) دونوں کا ایک جواب دیا گیا جب کہ یہ دونوں شرطیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایک کو حذف کر دیا گیا کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فلولا وھلا ان کنتم غیر مدینین ترجعونھا، تردون نفس ھذا المیت الی جسدہ اذا بلغت الحلقوم۔

فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۝ فَرَوْحٌ وَّ رَیْحَانٌ ۙ۬ وَّ جَنَّتُ نَعِیْمٍ ۝ وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ۝ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ۝ وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ ۝ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ۝ وَّ تَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْیَقِیْنِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ۝

"پس وہ (مرنے والا) اگر اللہ کے مقرب بندوں سے ہوگا تو اس کے لیے راحت، خوشبودار غذائیں اور سرور والی جنت ہوگی۔ اور اگر وہ اصحاب یمین (کے گروہ) سے ہوگا تو (اسے کہا جائے گا) تمہیں سلام ہو اصحاب یمین کی طرف سے۔ اور اگر وہ (مرنے والا) جھٹلانے والے گمراہوں سے ہوگا تو اس کی مہمانی کھولتے پانی سے ہوگی اور داخل ہونا پڑے گا اسے بھڑکتے دوزخ میں۔ بے شک (جو بیان ہوا) یہ یقیناً حق ہے۔ پس (اے حبیب!) پاکی بیان کیجئے اپنے رب کے نام کی جو بڑی عظمت والا ہے"۔

فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۝ موت اور بعث کے وقت مخلوق کے طبقات کا ذکر کیا اور ان کے درجات کو بیان کیا اور کہا: اگر یہ فوت ہونے والا مقربین میں سے ہوا جو سابقون ہیں (1) فَرَوْحٌ وَّ رَیْحَانٌ ۙ۬ وَّ جَنَّتُ نَعِیْمٍ ۝ عام قرأت فروح ہے راء پر فتحہ ہے۔

حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کے نزدیک اس کا معنی دنیا سے راحت ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: روح سے مراد راحت ہے۔ ضحاک نے کہا: روح سے مراد استراحت ہے (2)۔ قتبی نے کہا: اس کا معنی ہے اس کے لیے قبر میں عمدہ خوشبو ہوگی۔ ابو العباس بن عطاء نے کہا: روح سے مراد اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنا ہے۔ ریحان سے مراد اس کی کلام اور وحی کو سننا ہے وَّ جَنَّتُ نَعِیْمٍ اس سے مراد ہے کہ جنت میں وہ اللہ تعالیٰ سے حجاب میں نہیں ہوگا۔ حضرت حسن بصری، قتادہ، نصر بن عاصم، جحدری، رویس اور زید نے یعقوب سے یہ قرأت نقل کی ہے (3)۔ فَرُوْحٌ یعنی راء پر ضمہ ہے۔ یہ حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: روح سے مراد رحمت ہے کیونکہ مرحوم کے لیے یہ زندگی کی طرح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا فَرُوْحٌ یعنی راء پر ضمہ ہے معنی ہے اس کے لیے جنت میں بقا اور زندگی ہے یہی رحمت ہے۔ وَّ رَیْحَانٌ مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد رزق ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد حمیر کی لغت میں رزق ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: خرجت أطلب ريحان الله میں اللہ تعالیٰ کے رزق کی تلاش میں نکلا۔ نمر بن تولب نے کہا: سلام الالٰه وريحانه یہاں بھی ریحان سے مراد رزق ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد جنت ہے۔ ضحاک نے کہا: مراد رحمت ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ معروف ریحان ہے جسے سونگھا جاتا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا نقطہ نظر ہے۔ ربیع

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 456
2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 254
3۔ ایضاً

بن خثیم نے کہا: وہ موت کے وقت ہوگا اور جنت دوبارہ اٹھائے جانے تک اس کے لیے چھپا کر رکھی جائے گی۔ ابو جوزاء نے کہا: یہ اس کی روح کے قبض کے وقت ہوگا وہ ریحان کا جنڈل پائے گا۔ ابو العالیہ نے کہا: مقربین میں سے کوئی بھی دنیا میں اپنی روح سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ اسے ریحان کی دو ٹہنیاں دی جائیں گی وہ ان دونوں کو سونگھے گا پھر اس کی روح قبض کی جائے گی۔ ریحان کی اصل اور اس کا اشتقاق سورۂ رحمٰن کے آغاز میں گزر چکا ہے اس میں غور و فکر کیجئے۔ ثعلبی نے روح و ریحان میں ان اقوال کے علاوہ دو اقوال ذکر کیے ہیں جو ہم نے ذکر کیے، جو ان کا ارادہ کرے وہ وہاں سے دیکھ لے۔

وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿﴾ یعنی اگر فوت ہونے والا اصحاب یمین میں سے ہو فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿﴾ تو ان میں سے کسی کو نہیں دیکھے گا مگر یہ کہ جو تو سلامتی سے محبت رکھتا ہے اس لیے ان کے بارے میں تو غمگین نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان کی جانب سے تیرے لیے سلامتی ہے یعنی تو ان کے لیے غمگین ہونے سے سلامت ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصحاب یمین آپ کے لیے دعا کرتے ہیں اے محمد! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمتیں نازل فرمائے اور تجھ پر سلام بھیجے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! وہ تجھ پر سلام بھیجتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے بندے! تو اس چیز سے سلامت رہے جسے تو ناپسند کرتا ہے، کیونکہ تو اصحاب یمین سے ہے یہاں سے انت محذوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں سلام کے ساتھ سلام کیا جاتا ہے مقصد تعظیم بجالانا ہے (1)۔ اس تاویل کی بنا پر سلام کے محل میں تین قول ہیں (۱) جب دنیا میں اس کی روح قبض کی جاتی ہے تو ملک الموت اسے سلام کہتا ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے (2)۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: جب ملک الموت آتا ہے تا کہ مومن کی روح قبض کرے تو وہ کہتا ہے تیرا رب تجھے سلام فرماتا ہے۔ یہ بحث سورۂ نحل آیت 32 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ طَیِّبِیْنَ کے ضمن میں گزر چکی ہے (۲) قبر میں جب اس سے سوال و جواب ہوتا ہے (3) تو منکر و نکیر اس کو سلام کہتے ہیں (۳) قیامت کے روز جب اسے اٹھایا جاتا ہے تو فرشتے اسے سلام کہتے ہیں قبل اس کے کہ وہ پہنچے (4)۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال موجود ہے کہ اسے تینوں مواقع پر سلام کیا جائے۔ یہ اس کے لیے اکرام کے بعد اکرام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مبرد کے نزدیک ان کا جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے مهما یکون من شیء فسلام لک من اصحاب الیمین، ان کان من اصحاب الیمین فسلام لک من اصحاب الیمین جواب شرط کو حذف کر لیا گیا کیونکہ ما قبل کلام اس پر دلالت کرتی ہے، جس طرح تیرے اس قول میں جواب محذوف ہے انت ظالم ان فعلت کیونکہ ماقبل کلام اس پر دلالت کر رہی ہے۔ اخفش کا مذہب یہ ہے کہ فا (کا جواب) اما اور ان کا جواب ہے اس کا معنی ہے فما، اما کا جواب ہے یہ مقدم تقدیر کی بنا پر ان کے جواب کے قائم مقام ہے۔ فا اس تعبیر کی بنا پر دونوں کا جواب ہے۔ زجاج کے نزدیک اما کا معنی ہے ایک شی سے دوسری شی کی طرف نکلنا یعنی جس میں ہم ہیں اس کو چھوڑ دے اور اس کے غیر میں شروع ہو جا۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 447　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً

وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ۝ یعنی بعث کا انکار کرنے والے اور ہدایت اور حق کے راستہ سے گمراہ۔ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ۝ یعنی ان کے لیے کھولتے ہوئے پانی کا رزق ہے، جس طرح فرمایا: ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ۝ لَاٰكِلُوْنَ جس طرح فرمایا: ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ۝ (الصافات) وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ۝ جہنم میں داخل کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہنم میں رہنا اور مختلف قسم کے عذابوں کو برداشت کرنا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أصلاہ النار وصلاہ مراد ہے اسے بنادیا کہ وہ اسے تاپے۔ یہاں مصدر، مفعول کی طرف مضاف ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: لفلان أعطاء مال فلاں کو مال دیا جاتا ہے اسے وتصلیۃ تاء کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی نزول من تصلیۃ جحیم پھر ابو عمرو نے تاء کو جیم میں مدغم کیا۔ یہ بعید ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ۝ جو ہم نے تم پر بیان کیا ہے یہ محض یقین اور حق ہے۔ حق کی یقین کی طرف اضافت درست ہے جب کہ دونوں ایک ہی چیز ہیں کیونکہ ان دونوں کے الفاظ مختلف ہیں۔ مبرد نے کہا: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے عین الیقین، محض الیقین۔ کوفیوں کے نزدیک یہ شئی کو اپنی ذات کی طرف مضاف کرنے کی طرح ہے۔ بصریوں کے نزدیک مراد ہے: حق الأمر الیقین أو الخبر الیقین۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تاکید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یقین کی اصل یہ ہے کہ یہ حق کی نعت ہو تو منعوت کو مجازاً نعت کی طرف مضاف کیا گیا ہے جس طرح ہے وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ (الانعام: 32) قتادہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: اللہ تعالیٰ لوگوں میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا یہاں تک کہ اسے اس قرآن کے بارے میں یقین پر کھڑا کرے گا جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو اس نے دنیا میں یقین کر لیا تو اس چیز نے اسے قیامت کے روز نفع دیا۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے اسے قیامت کے روز یقین ہو گا تو یہ یقین نفع نہیں دے گا۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ۝ اللہ تعالیٰ کی ہر عیب سے پاکی بیان کرو۔ باء زائدہ ہے یعنی اپنے رب کی پاکی بیان کرو۔ اسم سے مراد مسمّی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اپنے رب کا ذکر کرتے ہوئے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اس کی نماز پڑھیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنے عظیم رب کے نام کا ذکر کیجئے اور اس کی تسبیح بیان کیجئے۔

حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے جب فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ۝ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسے اپنے رکوع میں رکھ لو“ اور جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى۝ نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اسے اپنے سجدہ میں رکھ لو“(1) اسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، ما یقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ، جلد 1، صفحہ 126

سورۃ الحدید

﴿ آیاتہا ۲۹ ﴾ ﴿ ۵۷ سورۃ الحدید مدنیۃ ۹۴ ﴾ ﴿ رکوعاتہا ۴ ﴾

تمام کے قول میں یہ سورت مدنی ہے، اس کی انتیس آیات ہیں۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سونے سے پہلے مسبحات سورتیں پڑھا کرتے تھے (1)، ان میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیتوں پر فضیلت رکھتی ہے۔ مسبحات سورتوں سے مراد سورۃ الحدید، سورۃ الحشر، سورۃ الصف، سورۃ الجمعہ اور سورۃ التغابن ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

"اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، وہ زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے۔ وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کی اور ہر عیب سے اس کی پاکی بیان کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آسمانوں میں جو کچھ ہے یعنی فرشتے اور زمین میں جو کچھ ہے جس میں روح ہے یا نہیں ہے اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کا اظہار کیا اور نماز پڑھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تسبیح دلالت ہے۔ زجاج نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا: اگر یہ تسبیح دلالت اور صنعت کے آثار کا ظہور ہوتا تو یہ ایسی چیز تھی جس کو عقل میں سمجھا جا سکتا تو یہ کیوں فرمایا: وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (الاسراء: 44) یہ تسبیح قول ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا گیا ہے: وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ (الانبیاء: 49) اگر یہ تسبیح دلالت تھی تو حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے کیا تخصیص ہوگی؟

میں کہتا ہوں: انہوں نے جو ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو سبحان میں اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (الاسراء: 44) کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت صرف اس کے لیے ہے۔ ملک سے مراد ملکیت اور ...

1۔ جامع ترمذی، فضائل القرآن، جلد 2، صفحہ 116

کا نافذ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات مالک، قادر اور غالب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بارش، نبات اور تمام رزق کے خزانے ہیں۔

یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ وہ دنیا میں زندوں کو مارتا ہے اور مردوں کو دوبارہ اٹھانے کے لیے زندہ کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ نطفہ کو زندہ کرتا ہے جب کہ وہ مردہ ہوتا ہے اور زندوں کو موت عطا کرتا ہے۔ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ ہے ہو یحیی و یمیت۔ یہ بھی جائز ہے کہ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ محل رفع میں ہے، تقدیر کلام یہ ہے ہو یحیی و یمیت۔ یہ بھی جائز ہے کہ محییا و ممیتا کے معنی میں حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یہ لہ کی ضمیر سے حال ہے اور جار اس میں عامل ہے۔ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۞ اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ اسماء کے معانی میں اختلاف ہے ہم نے انہیں الکتاب الاسنی میں بیان کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی ایسی وضاحت فرمائی ہے جو ہر قول سے غنی کر دیتی ہے (1)۔ صحیح مسلم میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے۔ "اے اللہ! تو اول ہے تجھ سے قبل کوئی چیز نہیں تو آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں تو ظاہر (غالب) ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں تو باطن ہے تجھ سے دور کوئی چیز نہیں ہمارے قرضوں کو ادا کرنے کے اسباب پیدا فرما اور ہمیں فقر سے غنی کر دے"۔ یہاں ظاہر سے مراد غالب ہے اور باطن سے مراد عالم ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۞ یعنی جو کچھ ہونے والا ہے اور جو کچھ بعد میں ہوگا ان میں سے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۞ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۞ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَ هُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞

"وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تخت حکومت پر، وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس کی طرف عروج کرتا ہے، اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو (اسے) خوب دیکھنے والا ہے اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، اور اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جائیں گے، وہ داخل کرتا ہے رات (کا کچھ حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کا کچھ حصہ) رات میں اور وہ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے"۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ، ما یقول عند النوم، جلد 2، صفحہ 348

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اس کی وضاحت سورۃ الاعراف میں مفصل گزر چکی ہے۔

یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ یعنی بارش وغیرہ (1) جو زمین میں داخل ہوتی ہے وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا مراد نباتات وغیرہ ہے (2)۔ وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ یعنی رزق، بارش اور فرشتے۔ وَ مَا یَعْرُجُ فِیْهَا مراد آسمان کی طرف چڑھتے ہیں جیسے فرشتے اور بندوں کے اعمال۔ وَ هُوَ مَعَكُمْ یعنی اپنی قدرت، سلطان اور علم کے ذریعے تمہارے ساتھ ہے۔ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۝ الله تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھتا ہے اور اس پر کوئی چیز مخفی نہیں (3)۔ اس آیت میں اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اور وَ هُوَ مَعَكُمْ کو جمع کر دیا گیا ہے دونوں کے ظاہر کو لیا جائے تو تناقض واقع ہوتا ہے اس لیے تاویل ضروری ہے۔ تاویل سے اعراض تناقض کو تسلیم کرنا ہے۔ امام ابو المعالی نے کہا: حضرت محمد ﷺ معراج کی رات حضرت یونس علیہ السلام کی بہ نسبت الله تعالیٰ کے زیادہ قریب نہ تھے جب کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تھے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔ الله تعالیٰ کی ذات ہی حقیقت میں معبود ہے۔ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۝ امور سے مراد آخرت میں مخلوقات کے امور ہیں۔ حضرت حسن بصری، اعرج، یعقوب، ابن عامر، ابو حیوہ، ابن محیصن، اعمش، حمزہ، کسائی اور خلف نے تَرْجِعُ پڑھا ہے (4)۔ باقی قراء نے تُرْجَعُ پڑھا ہے۔

یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ سورۃ آل عمران میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَ هُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں جس کی یہ صفت ہو تو جائز نہیں کہ اس کے غیر کی عبادت کی جائے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ۝ وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ قَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۝

"ایمان لاؤ الله اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو (اس کی راہ میں) ان مالوں سے جن میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے پس جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور (راہ خدا میں) خرچ کرتے رہے ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم الله پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ (اس کا) رسول دعوت دے رہا ہے تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر اور الله تعالیٰ تم سے وعدہ بھی لے چکا ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے (محبوب) بندہ پر روشن آیتیں تاکہ تمہیں نکال لے (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کے) نور کی طرف اور بے شک الله تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی شفقت فرمانے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔"

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 470 | 2۔ ایضاً | 3۔ ایضاً | 4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 256

اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

"اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خرچ نہیں کرتے (اپنے مال) راہ خدا میں حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا وارث ہے۔ تم میں سے کوئی برابری نہیں کر سکتا ان کی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (راہ خدا میں) مال خرچ کیا اور جنگ کی، ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جنگ کی۔ (ویسے تو) سب کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا، اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے پوری طرح باخبر ہے"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی وہ کون سی چیز ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتی ہے اور ایسا عمل کرنے سے روکتی ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرے جب کہ تم مر رہے ہو اور اپنے مال پیچھے چھوڑنے جا رہے ہو جبکہ یہ مال اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ کلام کا معنی خرچ نہ کرنے پر شدید مذمت کرنا ہے۔ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یعنی جب ان دونوں میں رہنے والے ختم ہو جائیں گے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں جس طرح میراث اپنے مستحق کی طرف لوٹ جاتی ہے (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ فتح سے مراد فتح مکہ ہے (2)۔ شعبی اور زہری نے کہا: مراد صلح حدیبیہ ہے (3)۔ قتادہ نے کہا: دونوں قتال تھے ان دونوں میں سے ایک دوسرے سے افضل تھا، دو نفقات تھے دونوں میں سے ایک دوسرے سے افضل تھا۔ فتح سے پہلے قتال اور مال خرچ کرنا اس کے بعد قتال اور مال خرچ کرنے سے افضل تھا۔ اس کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل ومن انفق من بعد الفتح وقاتل اسے حذف کیا گیا ہے کیونکہ کلام اس محذوف پر دال ہے۔ فتح سے پہلے نفقہ عظیم تھا کیونکہ لوگوں کی ضرورت زیادہ تھی کیونکہ اسلام کمزور تھا اور خرچ کرنے والوں پر یہ عمل زیادہ شاق تھا اور اجر مشقت کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے: مناسب یہ ہے کہ اہل فضل اور اہل عزم کو مقدم رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ۔

کلبی نے کہا: یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور تقدیم پر واضح دلیل ہے کیونکہ یہ پہلے وہ شخص ہیں جو اسلام لائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: سب سے پہلے جس

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 471	2۔ ایضاً	3۔ ایضاً

نے اپنی تلوار کے ساتھ اسلام کی مدد کی وہ نبی کریم ﷺ کی ذات ہے اور حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق پہلے دو شخص ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ پر اپنا مال خرچ کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس موجود تھا جب کہ حضرت ابوبکر صدیق آپ کے پاس حاضر تھے ان پر ٹاٹ کا لباس تھا انہوں نے اپنے سینے پر کانٹوں کے بٹن لگائے ہوئے تھے۔ حضرت جبرئیل امین حاضر ہوئے عرض کی: اے اللہ کے نبی! کیا وجہ ہے میں حضرت ابوبکر صدیق پر ایسی عباء دیکھتا ہوں کہ انہوں نے اپنے سینے پر اس میں کانٹوں کے بٹن لگائے ہوئے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "انہوں نے فتح سے پہلے اپنا مال مجھ پر خرچ کیا ہے" (1)۔ حضرت جبرئیل امین نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو ارشاد فرماتا ہے ابوبکر کو سلام کہیں اور اس سے پوچھیں کیا تو اس فقر کے عالم میں راضی ہے یا ناراض ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اے ابا بکر! اللہ تعالیٰ تجھے سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے کیا تو اپنے فقر میں راضی ہے یا ناراض ہے؟" حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی: کیا میں اپنے رب پر ناراض ہو سکتا ہوں؟ میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے ارشاد فرماتا ہے میں تجھ سے اسی طرح راضی ہوں جس طرح تو مجھ سے راضی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رونے لگے حضرت جبرئیل امین نے عرض کی: اے محمد! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے حاملین عرش نے بھی اس وقت سے ایسی عبائیں پہنی ہوئی ہیں جن میں کانٹوں کے بٹن ہیں جب سے آپ کے اس دوست نے ایسی عبا پہنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ اپنے آپ پر آپ کو مقدم کرتے اور ان کے لیے تقدم اور سبقت کا اقرار کرتے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم سبقت لے گئے، دوسرا نمبر حضرت ابوبکر صدیق کا ہے اور تیسرا حضرت عمر کا ہے میرے پاس کوئی آدمی نہیں لایا جائے گا جو مجھے حضرت ابوبکر صدیق پر فضیلت دے گا تو میں اس پر افتراء باندھنے والے کی حد جاری کروں گا، اس کو اسی کوڑے ماروں گا، شہادت رد کر دوں گا۔ متقدمین نے متاخرین سے زیادہ مشقتیں اٹھائیں، ان کی بصیرت بھی زیادہ قوی تھیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ تقدم و تاخر دنیا کے احکام میں ہوتا ہے جہاں تک دین کے احکام کا تعلق ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کی منازل میں رکھیں رتبہ کے اعتبار سے سب سے عظیم منزل نماز ہے (2)۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وصال میں فرمایا: "ابوبکر کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائے"۔ فرمایا: لوگوں کی امامت وہ کرائے جو ان میں سے کتاب اللہ کو زیادہ پڑھنے والا ہو (3)۔ فرمایا: "تم دونوں میں سے بڑا تمہاری امامت کرائے" (4)۔ یہ حضرت مالک بن حویرث سے مروی ہے اور یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ امام بخاری اور دوسرے علماء نے یہ سمجھا کہ مراد مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بڑا ہے جس طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ولاء بڑے کے لیے ہے" یہاں کبیر سے مراد عمر میں بڑا نہیں۔ امام مالک اور دوسرے علماء نے کہا: عمر کا حق ہے۔ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ نے کہا: "وہ مراعات کا زیادہ حق رکھتا ہے

1۔ اسباب النزول، صفحہ 210، حدیث 785
2۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، جلد 1، صفحہ 93
3۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 96
4۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 94-95

کیونکہ جب علم اور عمر جمع ہو جائیں تو عالم کو مقدم رکھا جائے گا۔ جہاں تک دنیا کے احکام کا تعلق ہے وہ احکام دین پر مرتب ہیں جسے دین میں مقدم کیا جائے گا اسے دنیا میں مقدم کیا جائے گا۔ آثار میں ہے: "جو آدمی ہمارے بڑے کی عزت نہ کرے، ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں" (1) اس اقرار کے بارے میں جو حدیث ثابت ہے اس میں ہے "کوئی نوجوان کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی وجہ سے تعظیم بجا نہیں لاتا مگر اس کے بڑھاپے کے وقت اللہ تعالیٰ ایسا آدمی مقرر کر دیتا ہے جو اس کی عزت کرتا ہے" (2)۔ علماء ان اشعار کو پڑھتے ہیں:

اذکر إذا شئت أن تعیّرکم   جدّك واذکر أباك یا ابن أم

واعلم بأن الشباب منسلخ   عنك وما وزره بمنسلخ

من لا یعز الشیوخ لا بلغت   یوما به سنّه إلى الشیخ

جب تو بوڑھوں کو عار دلانا چاہے تو اپنے دادا کو یاد کر اور اپنے باپ کو یاد کر اے بھتیجے! جان لے تجھ سے جوانی جانے والی ہے اور اس کا بوجھ جانے والا نہیں۔ جو آدمی بزرگوں کی عزت نہیں کرتا اس کی عمر ایک روز اسے بڑھاپے کی عمر تک پہنچانے والی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى، کلا سے مراد آگے بڑھنے والے، رکنے والے، اور سبقت لے جانے، پیچھے آنے والے اور لاحق ہونے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے سب سے وعدہ کیا ہے اگرچہ ان کے درجات مختلف ہیں۔ ابن عامر نے کل کو مرفوع پڑھا ہے اسی طرح اہل شام کے مصاحف میں یہ مرقوم ہے۔ باقی قراء نے اسے کلا پڑھا ہے جس طرح ان کے مصاحف میں ہے جس نے اسے منصوب پڑھا ہے اس کے نزدیک یہ مفعول ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کے ساتھ حسنیٰ کا وعدہ کیا ہے۔ جس نے اسے مرفوع پڑھا ہے تو کیونکہ جب مفعول مقدم ہو تو فعل کا عمل کمزور ہو جاتا ہے تو اس صورت میں ضمیر محذوف ہوگی یعنی وعدہ۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

"کون ہے جو (اپنا مال) اللہ تعالیٰ کو (بطور) قرض حسنہ دے اور اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھا دے اس کے مال کو اس کے لیے (اور اس کے علاوہ) اسے شاندار اجر بھی ملے گا۔ جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ ضوفشانی کر رہا ہوگا ان کا نور ان کے آگے بھی ان کی دائیں جانب بھی (مومنو!) تمہیں مژدہ ہو آج ان باغوں کا بہہ رہی ہیں جن کے نیچے نہریں تم ہمیشہ وہاں رہو گے یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے"۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس

1۔ مجمع الزوائد، کتاب الادب، توقیر الکبیر، جلد 8، صفحہ 33، حدیث 12610

2۔ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، ما جاء فی اجلال الکبیر، جلد 2، صفحہ 23

بارے میں گفتگو گزر چکی ہے جو آدمی بھی کوئی اچھا عمل کرے عرب اس کے بارے میں کہتے ہیں: قد أقرض۔ شاعر نے کہا:

وإذا جوزيت قرضا فاجزه (1)

جب تیرے ساتھ حسن سلوک کیا جائے تو اس کا بدلہ دے۔

اسے قرض کا نام دیا گیا کیونکہ قرض بدل واپس لینے کے لیے دیا جاتا ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بدل عطا فرماتا ہے۔ کلبی نے کہا: قرض سے مراد صدقہ ہے، حسنا سے مراد ہے وہ دل سے ثواب کی نیت رکھتا ہو، وہ احسان جتلانے اور اذیت دینے کا کوئی ارادہ نہ رکھتا ہو۔

فَيُضٰعِفَهٗ یعنی سات گنا سے سات سو گنا تک جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے (2): قرض حسن سے مراد ہے کہ وہ اپنی زبان سے یہ کہے سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر۔ یہ سفیان نے ابو حیان سے روایت نقل کی۔ زید بن اسلم نے کہا: مراد اپنے گھر والوں پر مال خرچ کرنا ہے (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد نفلی عبادت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد عمل خیر ہے (4)۔ عرب کہتے ہیں: لی عند فلان قرض صدق وقرض سوء۔ قشیری نے کہا: قرض حسن سے مراد ہے کہ صدقہ کرنے والا سچی نیت اور پاکیزہ نفس سے صدقہ کرے وہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو وہ ریاکاری اور شہرت کا خواہش مند نہ ہو، وہ مال حلال کا ہو۔ قرض حسن یہ ہے کہ وہ ردی چیز کا قصد نہ کرے کہ وہ اسے صدقہ کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ** (البقرہ: 267) وہ اس وقت صدقہ کرے جب اسے زندگی کی امید ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ سے بہترین صدقہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: "تو صدقہ کرے جب کہ تو صحت مند ہو بخیل ہو تو زندگی کی امید رکھتا ہو تو اسے موخر نہ کیے رکھ یہاں تک کہ سانس حلق کی ہڈی تک آ پہنچے تو تو کہے فلاں کے لیے اتنا، فلاں کے لیے اتنا" (5)۔ وہ اپنے صدقہ کو مخفی رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى** (البقرہ: 264) وہ جو کچھ دے رہا ہے اسے حقیر جانے کیونکہ تمام دنیا قلیل ہے، وہ مال دے وہ اس کا محبوب ترین مال ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ** (آل عمران: 92) وہ بہت زیادہ ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بہترین غلام وہ ہے جس کی قیمت زیادہ ہو اور مالکوں کے نزدیک زیادہ نفیس ہو" (6)۔

فَيُضٰعِفَهٗ ابن کثیر اور ابن عامر نے فیضعفہ پڑھا ہے یعنی الف کو ساقط کر دیا ہے مگر ابن عامر اور یعقوب نے فاء کو نصب دی ہے۔ نافع، اہل کوفہ اور اہل بصرہ نے فیضاعفہ پڑھا ہے یعنی الف کے ساتھ اور عین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے مگر عاصم نے فاء کو نصب دی ہے باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے یہ یقرض پر معطوف ہے۔ نصب کی صورت میں یہ استفہام کا جواب ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس بارے میں قول مفصل گزر چکا ہے۔ **وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ** ۞ اس سے مراد جنت ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 472 　 2۔ ایضاً 　 3۔ ایضاً 　 4۔ ایضاً

5۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، فصل صدقۃ الشحیح الصحیح، جلد 1، صفحہ 191-190

6۔ موطا امام مالک، العتق والولاء، فصل عتق الرکاب وعتق الزانیۃ، صفحہ 542

یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یہ منصوب ہے، اس میں عامل وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ہے۔ کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے وله اجر کریم یوم تری فیہ المؤمنین والمؤمنات یسعٰی نورهم یعنی وہ پل صراط سے گزریں گے۔ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ یعنی ان کے سامنے۔ وَبِاَيْمَانِهِمْ فراء نے کہا: باء، فی کے معنی میں ہے یا عن کے معنی میں ہے۔ ضحاک نے کہا: نُوْرُهُمْ سے مراد ان کی ہدایت ہے وَبِاَيْمَانِهِمْ سے مراد ان کی کتب ہیں۔ طبری نے اسے پسند کیا ہے یعنی ان کا ایمان اور عمل صالح ان کے سامنے ہوگا اور ان کے ہاتھوں میں ان کے اعمال کے صحیفے ہوں گے(1)۔ اس تعبیر کی بنا پر باء، فی کے معنی میں ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر وقف نہ کیا جائے۔ سہل بن سعد ساعدی اور ابو حیوہ نے بِاِيْمَانِهِمْ الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا مراد وہ ایمان ہوگا ہے(2) جو کفر کی ضد ہے اور جو ظرف نہیں اس کا عطف ظرف پر ہے کیونکہ ظرف کا معنی حال ہے یہ محذوف کے متعلق ہے معنی ہوگا یسعٰی کائنا بین ایدیهم و کائنا بایمانهم۔ بین ایدیهم کا قول یسعٰی کی ذات کے متعلق نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نور سے مراد قرآن ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ان کو ان کے اعمال کے مطابق نور عطا کیا جائے گا(3) ان میں سے کوئی ایسا ہوگا جس کا نور کھجور کے درخت جیسا دیا جائے گا اور ان میں سے کوئی ایسا ہوگا جس کا نور کھڑے آدمی کی طرح دیا جائے گا ان میں سے سب سے کم نور والا وہ ہوگا جس کے پاؤں کے انگوٹھے میں نور ہوگا جو کسی وقت بجھ جائے گا اور کسی وقت روشن ہو جائے گا۔ قتادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مومنوں میں سے کچھ مومن ایسے ہوں گے جن کا نور مدینہ اور عدن کے درمیان کا علاقہ روشن کر دے گا یا مدینہ طیبہ اور صنعاء کے درمیان کا علاقہ منور کر دے گا یہاں تک کہ ان میں سے ایک ایسا مومن بھی ہوگا جس کا نور صرف اس کے قدموں کی جگہ کو روشن کرے گا"۔ حضرت حسن بصری نے کہا: "تاکہ وہ اس نور کے ساتھ صراط پر روشنی حاصل کریں"۔ جس طرح پہلے بات گزر چکی ہے۔ مقاتل نے کہا: "تاکہ یہ جنت کی طرف ان کے لیے راہنما بن جائے"۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ تقدیر کلام یہ ہے یقال لهم بشراکم الیوم یعنی قول محذوف ہے۔ یعنی آج تمہیں جنات میں داخل ہونے کی بشارت ہے۔ مضاف کو حذف کرنا ضروری ہے کیونکہ بشریٰ تو مصدر ہے اور جنت عین چیز ہے اس لیے بعینہ جنت نہیں ہو سکتی۔ ان کی رہائشوں کے نیچے دودھ، پانی، شراب اور شہد کی نہریں رواں ہوں گی۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا یہ قول محذوف سے حال ہے تقدیر کلام یہ ہے بشراکم الیوم دخول جنات تجری من تحتها الانهار ان میں ہمیشہ رہنا مقدر کر دیا گیا ہے یہ بُشْرٰىكُمْ سے حال نہیں کیونکہ صلہ اور موصول کے درمیان فاصلہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ بشریٰ جس پر دلالت کر رہا ہے اس سے حال ہو گویا کہا: تبشرون خالدین۔ یہ بھی جائز ہے کہ ظرف جو الیوم ہے یہ بشراکم کی خبر ہو اور جنات، بشریٰ سے بدل ہو اور مضاف محذوف ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ خٰلِدِيْنَ حال ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ فراء نے جنات پر نصب کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ حال ہے اس شرط پر کہ اَلْيَوْمَ، بُشْرٰىكُمْ کی خبر بنے جب کہ یہ بعید ہے کیونکہ جنات میں فعل کا معنی موجود نہیں اس امر کو جائز قرار دیا کہ بُشْرٰىكُمْ منصوب ہو معنی یہ ہے

1۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 260　2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 261　3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 473

یہاں دخولہم بشریٰ اور جنات کو نصب بشریٰ کی وجہ سے ہو اس صورت میں صلہ اور موصول میں فرق ہوگا۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۗ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۗ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۗ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۗ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

"اس روز کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے (اے نیک بختو!) ذرا ہمارا بھی انتظار کرو ہم بھی روشنی حاصل کر لیں تمہارے نور سے (انہیں) کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور (وہاں) نور تلاش کرو، پس کھڑی کر دی جائے گی ان کے اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہوگا۔ منافق پکاریں گے اہل ایمان کو کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے، کہیں گے بے شک! لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنوں میں ڈال دیا اور (ہماری تباہی کا) انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور دھوکہ میں ڈال دیا تمہیں جھوٹی امیدوں نے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان آ پہنچا اور دھوکہ دیا تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان (دغاباز) نے۔ پس آج نہ تم سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کفار سے تم (سب کا) ٹھکانا آتش (جہنم) ہے، وہ تمہاری رفیق ہے اور بہت بری جگہ ہے لوٹنے کی"۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ، يَوْمَ میں عامل ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿﴾ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پہلے یوم سے بدل ہے (1)۔ انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ عام قراءت ہمزہ وصلی اور ظاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ نظر سے مشتق ہے۔ نظر انتظار کے معنی میں ہے یعنی ہمارا انتظار کیجئے۔ اعمش، حمزہ اور یحییٰ بن وثاب نے اَنْظِرُوْنَا الف قطعی اور ظاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ انظار سے مشتق ہے یعنی ہمیں مہلت دو۔ انظرته میں نے اسے مہلت دی، استنظرته میں نے اس سے مہلت طلب کی۔ فراء نے کہا: عرب کہتے انظرنی انتظرنی اور عمرو بن کلثوم کا شعر پڑھا:

اَبَا هِنْدٍ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْنَا وَاَنْظِرْنَا نُخَبِّرْكَ الْيَقِيْنَا (2)

اے ابو ہند! ہم پر جلدی نہ کرو ہمارا انتظار کرو ہم تجھے یقینی خبر دیتے ہیں۔

شعر میں انظرنا انتظرنا کے معنی میں ہے۔

نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں (3)۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابو امامہ نے کہا:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 261 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 262 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 474

قیامت کے روز لوگوں پر ظلمت چھا جائے گی۔ ماوردی نے کہا: میں گمان کرتا ہوں۔ یہ فیصلہ کے بعد ہوگا۔ پھر انہیں نور عطا کیا جائے گا جس میں وہ چلیں گے۔ مفسرین نے کہا: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مومنوں کو ان کے اعمال کے مناسب نور عطا فرمائے گا جس کی مدد سے وہ صراط پر چلیں گے۔ منافقوں کو نور دیا جائے گا انہیں دھوکہ دینے کے لیے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَهُوَ خَادِعُهُمْ (النساء: 142) ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں نور دیا جائے گا کیونکہ ان میں سے سب دل والے تھے کافروں کو نور نہیں دیا جائے گا (1)۔

پھر منافق کا نور اس کے نفاق کی وجہ سے سلب کر لیا جائے گا؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ حضرت ابو امامہ نے کہا: مومن کو نور دیا جائے گا اور کافر و منافق کو نور کے بغیر چھوڑ دیا جائے گا۔ کلبی نے کہا: منافق مومنوں کے لیے نور سے روشنی حاصل کرنا چاہیں گے انہیں نور نہیں دیا جائے گا اسی اثناء میں کہ وہ چل رہے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ان میں ہوا اور تاریکی بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ منافقوں کے نور کو بجھا دے گا؛ اللہ تعالیٰ کے فرمان رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا (التحریم: 8) کا یہی مصداق ہے۔ یہ مومن عرض کریں گے کیونکہ انہیں ڈر ہوگا کہ کہیں ان کا نور بھی سلب نہ کر لیا جائے جس طرح منافقوں کا نور سلب کیا گیا۔ جب منافق تاریکی میں رہیں گے تو وہ اپنی قدموں کی جگہ کو بھی نہ دیکھیں گے تو وہ مومنوں سے کہیں گے: انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ۔

قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فرشتے انہیں کہیں گے: واپس پلٹ جاؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بات مومن انہیں کہیں گے کہ اس جگہ کی طرف لوٹ جاؤ جہاں سے ہم نے نور حاصل کیا ہے وہاں سے اپنے لیے نور حاصل کرو کیونکہ تم ہمارے نور سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ جب وہ نور کی تلاش میں واپس پلٹیں گے تو درمیان میں دیوار بنا دی جائے گی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تم نے دنیا سے اپنا نور کیوں طلب نہیں کیا کہ تم ایمان لاتے۔ بِسُوْرٍ یعنی سور میں با زائدہ ہے؛ یہ کسائی کا قول ہے۔ سور سے مراد جنت اور دوزخ کے درمیان آڑ ہوگی۔ ایک روایت یہ کی گئی ہے کہ "وہ دیوار بیت المقدس میں ہوگی یا اس جگہ ہوگی جو وادی جہنم کے نام سے معروف ہے"۔

بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ جس جانب مومن ہوں گے وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ⊙ یعنی جس جانب منافق ہوں گے۔ کعب الاحبار نے کہا: مراد وہ دروازہ ہے جو بیت المقدس میں ہے جو باب رحمت کے نام سے معروف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: یہ بیت المقدس کی شرقی دیوار ہے جس کی اندر کی جانب رحمت ہے اور باہر کی جانب جہنم ہے؛ اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ زیاد بن ابی سوادہ نے کہا: حضرت عبادہ بن صامت بیت المقدس کی شرقی دیوار پر کھڑے ہوئے اور رو پڑے اور کہا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ آپ نے یہاں سے جہنم کو دیکھا۔ قتادہ نے کہا: یہ جنت اور دوزخ کے درمیان دیوار ہے۔ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ رحمت سے مراد جنت ہے وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ⊙ عذاب سے مراد جہنم ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ حجاب ہے جس طرح سورۃ الاعراف میں ہے۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 474

زیادہ واضح محبوب تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خطاب ان لوگوں کو ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے مگر حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر ایمان نہ لائے کیونکہ اس کے بعد فرمایا: وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ (الحدید: 19) یعنی وہ لوگ جو تورات و انجیل پر ایمان لائے ان کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل قرآن کے لیے نرم ہو جائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے متقدمین کی طرح کیوں نہ ہوئے؟ جب ان لوگوں اور ان کے نبی کے درمیان عرصہ زیادہ ہوا تو ان کے دل سخت ہو گئے۔

وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا اس کا عطف اَنْ تَخْشَعَ پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہی ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اس کا مجاز لا یکونن ہے اس کی تاویل کی دلیل حضرت رویس کی روایت ہے جو یعقوب سے مروی ہے کہ یہ لا تکونوا ہے۔ یہ عیسیٰ اور ابن اسحاق کی قراءت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یہودیوں اور نصاریٰ کے راستہ پر نہ چلو جنہیں تورات اور انجیل دی گئی تو ان کا زمانہ طویل ہو گیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جب بنی اسرائیل پر طویل زمانہ گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے انہوں نے اپنی جانب سے ایک کتاب گھڑ لی جو ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان حائل ہو جاتا یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت پھینک دیا گویا وہ اسے جانتے ہی نہ تھے پھر انہوں نے کہا: اس کتاب کو بنی اسرائیل پر پیش کرو اگر وہ تمہاری پیروی کریں تو تم انہیں چھوڑ دو بصورت دیگر انہیں قتل کر دو۔ پھر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ وہ اسے ان کے علماء میں سے ایک عالم کے پاس بھیجتے ہیں اور کہا: اگر اس نے ہماری موافقت کی تو کوئی بھی ہماری مخالفت نہ کرے گا اگر اس نے انکار کیا تو ہم اسے قتل کر دیں گے تو اس کے بعد کوئی بھی ہماری مخالفت نہیں کرے گا۔ انہوں نے اس عالم کو بلا بھیجا اس نے اللہ کی کتاب ورق میں لکھی اسے ایک سینگ میں رکھا اور اسے گلے میں لٹکا لیا پھر اس پر اپنے کپڑے پہن لیے۔ پھر وہ ان کے پاس آیا انہوں نے اس پر اپنی کتاب پیش کی اور کہا: کیا تو اس کتاب پر ایمان رکھتا ہے؟ اس نے اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر مارا۔ اس نے کہا: میں اس (یعنی جو سینے پر لٹک رہی ہے) پر ایمان رکھتا ہوں۔ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے۔ ان میں بہترین اس سینگ والے تھے۔

حضرت عبداللہ نے کہا: تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ برائیاں دیکھے گا جب وہ برائی دیکھے اور وہ یہ طاقت نہیں رکھتا کہ وہ اس کو تبدیل کر سکے تو اس کے دل کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ جانے کہ وہ اس برائی کو ناپسند کرتا ہے۔ مقاتل بن حیان نے کہا: مراد اہل کتاب میں سے مومن ہیں جن پر عرصہ طویل ہو گیا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں دیری محسوس کی۔

فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے رہبانیت شروع کی یعنی رہبانیت والوں نے۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد وہ لوگ ہیں جو نہیں جانتے جس کو وہ پڑھتے ہیں اور جو علم رکھتے ہیں اس کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم میں ایمان دار تھے۔ ان میں سے ایک طائفہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر قائم رہا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو وہ آپ پر ایمان لائے۔ ان میں سے کچھ لوگ وہ تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین سے پھر گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فاسق قرار دیا۔ محمد بن کعب نے کہا: صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں تنگی کی زندگی بسر کرتے تھے، جب انہوں نے ہجرت کی تو خوشحال ہوئے تو جس حال میں پہلے تھے اس میں سستی ہوئی تو ان کے دل

سخت ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں نصیحت کی تو انہیں افاقہ ہو گیا۔

ابن مبارک نے ذکر کیا: امام مالک بن انس نے ذکر کیا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں نہ کیا کرو ورنہ تمہارے دل سخت ہو جائیں گے۔ سخت دل اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن تم علم نہیں رکھتے لوگوں کے گناہوں کو نہ دیکھو گویا تم مالک ہو انہیں دیکھو یا فرمایا: اپنے گناہ دیکھو گویا تم غلام ہو۔ بے شک لوگوں کی دو قسمیں ہیں جو عافیت میں ہیں یا جنہیں آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ جو لوگ آزمائش میں مبتلا ہیں ان پر رحم کرو اور عافیت پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔ یہ آیت کریمہ حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت عبد اللہ بن مبارک کی توبہ کا باعث بنی۔

ابو مطرف عبد الرحمن بن مروان قلانسی نے ذکر کیا کہ محمد بن حسین بن شبیق بلخی علی بن یعقوب زیات سے وہ ابراہیم بن ہشام سے وہ زکریا بن ابی ابان سے وہ لیث بن حرث سے وہ حسن بن داہر سے روایت کرتے ہیں: ایک روز اپنے بھائیوں کے ساتھ اپنے باغ میں تھا یہ وہ وقت تھا جب باغ میں مختلف قسم کے پھل موجود تھے ہم نے رات تک کھایا پیا پھر سو گئے میں عود طنبور بجانے کا عادی تھا۔ میں رات کے کسی حصہ میں اٹھا میں نے ایک راگ گانا چاہا جسے راشین السحر کہتے ہیں نے گانے کا ارادہ کیا جب کہ ایک پرندہ میرے سر کے اوپر ایک درخت پر چہچہا رہا تھا، عود میرے ہاتھ میں تھا جس کا میں ارادہ کر رہا تھا وہ کسی طرح نہیں بج رہا تھا اچانک وہ یوں بولنے لگا جس طرح انسان بولتا ہے: اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ اللہ کی قسم! میں نے عود کو توڑ دیا اور جو مال میرے پاس تھا اس کو صرف کر دیا یہ میرے زہد اور نیکی کا پہلا مرحلہ تھا۔ ہم تک وہ اشعار بھی پہنچے ہیں جو حضرت ابن مبارک نے عود پر بجانا چاہے:

أَلَمْ يَأْنِ لِي مِنْكَ أَنْ تَرْحَمَا وَتَعْصِي الْعَوَاذِلَ وَاللُّوَّمَا

وَتَرْثِي لِصَبٍّ بِكُمْ مُغْرَمٍ أَقَامَ عَلَى هَجْرِكُمْ مَأْتَمَا

يَبِيتُ إِذَا جَنَّهُ لَيْلُهُ يُرَاعِي الْكَوَاكِبَ وَالْأَنْجُمَا

وَمَاذَا عَلَى الظَّبْيِ لَوْ أَنَّهُ أَحَلَّ مِنَ الْوَصْلِ مَا حَرَّمَا

کیا میرے لیے تیری جانب سے وہ وقت نہیں آیا کہ تو رحم کرے اور ملامت کرنے والوں کی نافرمانی کرے اور اپنے عاشق پر شفقت کرے جو بڑی مصیبت میں ہے وہ تمہارے فراق میں ماتم کر رہا ہے۔ جب رات تاریک ہو جاتی ہے تو وہ کواکب اور انجم شماری کرتا رہتا ہے۔ اس ہرن کو کیا ہو گا اگر وہ اس وصل کو حلال کر دے جس کو اس نے حرام کر رکھا ہے۔

جہاں تک فضیل بن عیاض کا تعلق ہے اس کی توبہ کا سبب یہ ہے کہ وہ ایک لڑکی پر عاشق تھا اس نے ان سے رات کے وقت کا وعدہ لیا۔ اسی اثنا میں کہ وہ دیواریں چڑھ رہے تھے تو ایک قاری کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تو واپس پلٹ آئے اور کہہ رہے تھے: کیوں نہیں! اللہ کی قسم! وہ وقت آ چکا ہے۔ وہ رات انہیں ایک کھنڈر تک لے گئی جہاں مسافروں کی ایک جماعت تھی وہ ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے: فضیل ڈاکو ہے۔ فضیل نے کہا: افسوس! میں ہی رات اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گزارتا ہوں مسلمانوں میں سے ایک قوم مجھ سے ڈرتی ہے اے اللہ! میں نے توبہ کر لی ہے اور میں نے اپنی توبہ اس طرح کی ہے کہ

میں تیرے بیت اللہ میں ہی رہوں گا۔

اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا بنجر زمین کو بارش کے ساتھ اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ صالح مری نے کہا: دلوں کی سختی کے بعد ان کو نرم کر دیتا ہے۔ جعفر بن محمد نے کہا: ظلم کے بعد عدل کے ساتھ زندہ کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کافر کو ایمان کی طرف ہدایت دے کر زندہ کرتا ہے جب کہ کفر اور گمراہی کے ساتھ اسے مارتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسی طرح اللہ تعالیٰ احسن میں سے مردوں کو زندہ کرتا ہے ان میں سے جو خشوع والے دل ہیں اور سخت دل ہیں ان میں فرق کرتا ہے۔

قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ زمین کے مردہ ہونے کے بعد اسے زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے کہ وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ۝ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ۠۝

"بے شک صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا کئی گنا بڑھا دیا جائے گا ان کے لیے (ان کا مال) اور انہیں فیاضانہ اجر ملے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر وہی (خوش نصیب) اللہ کی جناب میں صدیق اور شہید ہیں، ان کے لیے (خصوصی) اجر اور ان کا (خصوصی) نور ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ دوزخی ہیں"۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ ابن کثیر اور ابو بکر نے عاصم سے دونوں میں صاد کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یہ تصدیق سے مشتق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو نازل کیا اس کی وہ تصدیق کرتے ہیں باقی نے اسے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اصل میں یہ المتصدقین اور المتصدقات تھا تا کو صاد میں مدغم کیا گیا ہے اسی وجہ سے فرمایا: وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا صدقہ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے ساتھ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی قرض حسن کا ذکر ہے اس سے مراد نفل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عمل صالح ہے وہ صدقہ ہو یا کوئی اور صورت ہو جب کہ وہ ثواب کی نیت رکھتا ہو اور اپنی نیت میں سچا ہو۔ فعل کا عطف اسم پر کیا گیا ہے کیونکہ وہ اسم فعل کے حکم میں ہے مراد ہے ان الذین صدقوا واقرضوا ہے۔ یُضٰعَفُ لَهُمْ انہیں اس کا کئی گنا عطا کیا جائے گا۔ عام قرات عین کے فتح کے ساتھ ہے اور یہ فعل مجہول کا صیغہ ہے۔ اعمش نے اسے یضاعفه پڑھا ہے۔ ابن کثیر، ابن عامر اور یعقوب نے یُضَعَّفُ پڑھا ہے۔ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ۝ مراد جنت ہے۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ

الشُّهَدَآءُ کے بارے میں اختلاف ہے کیا یہ ماقبل سے منقطع ہے یا متصل ہے؟ مجاہد اور زید بن اسلم نے کہا: شہداء اور صدیقین ہی مومنین ہیں اور یہ ماقبل سے متصل ہے اسی کی ہم معنی روایت نبی کریم ﷺ سے مروی ہے۔ اس اعتبار سے الصِّدِّيْقُوْنَ پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ آیت کی تاویل میں یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ قشیری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء:69) صدیقین کا مرتبہ انبیاء کے بعد ہوتا ہے شہداء کی دو قسمیں ہیں تو صدیقین کے بعد کا درجہ رکھتے ہیں اور صالحین کا درجہ شہداء کے بعد ہوتا ہے تو یہ جائز ہے کہ یہ آیت ان کے بارے میں ہو جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی یعنی مراد ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ تو شہداء کا معنی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیں۔ تو ایک صدیق دوسرے صدیق سے درجات میں بلند ہوگا جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جنت والے علیین والوں کو اپنے سے کم مرتبہ والے یوں دیکھیں گے جس طرح تم میں سے کوئی ستارے کو آسمان کے افق میں دیکھتا ہے" حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ان میں سے ہیں وہ فضیلت میں بڑھ کر ہیں۔

حضرت ابن مسعود اور مسروق سے روایت مروی ہے کہ شہداء صدیقین کے علاوہ ہیں۔ اس تاویل کی بنا پر شہداء ماقبل سے منفصل ہیں اور وقف اللہ تعالیٰ کے فرمان الصِّدِّيْقُوْنَ پر اچھا ہے۔ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ کا معنی ہے ان کے لیے ان کے نفس کا اجر اور نور ہوگا۔ ان کے بارے میں دو قول ہیں۔

(1) وہ انبیاء ہیں وہ اپنی امتوں کے بارے میں تصدیق اور تکذیب کی گواہی دیں گے۔ یہ کلبی کا قول ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَجِئْنَا بِكَ عَلٰي هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا (النساء) (2) وہ رسولوں کی امتیں ہیں وہ قیامت کے روز گواہی دیں گے جس کے بارے میں گواہی دیں گے اس میں دو قول ہیں (1) وہ اپنے بارے میں گواہی دیں گے جو وہ طاعت و معصیت کا عمل کرتے رہے یہ مجاہد کے قول کا معنی ہے (2) وہ انبیاء کے بارے میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی امتوں کو رسالت کی تبلیغ کی۔ یہ کلبی کا قول ہے۔ مقاتل نے ایک تیسرا قول کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والے ہیں۔ اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے اس سے مراد مومنوں کے شہید لیے ہیں۔ واؤ ابتدائیہ واؤ ہے۔ اس قول کی بنا پر صدیقین شہداء سے الگ ہیں ان کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ضحاک نے کہا: وہ آٹھ افراد ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت علی شیر خدا، حضرت زید، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت کی جب آپ نے نبی کریم ﷺ کی تصدیق کی اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ساتھ ملا دیا۔ مقاتل بن حیان نے کہا: صدیقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسولوں پر ایمان لائے اور آنکھ جھپکنے کے برابر بھی ان کی تکذیب نہ کی جس طرح آل فرعون کا مومن، صاحب آل یٰسین، حضرت ابو بکر صدیق اور اصحاب اخدود (خندقوں والے)۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ آیات سے مراد رسل اور معجزات ہیں اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ان کے لیے عذاب ہے اور تاریکی ہے۔

دوسرے پر فخر کرے"۔ نبی کریم ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے: "میری امت میں چار چیزیں جاہلیت سے تعلق رکھتی ہیں انساب پر فخر کرنا"۔ یہ تمام باتیں پہلے گزر چکی ہیں۔

وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ کیونکہ دور جاہلیت کی عادت تھی کہ بیٹوں اور اموال پر فخر کیا جاتا تھا جبکہ مومنین کا فخر ایمان اور طاعت پر ہے۔ بعض متاخرین نے کہا: لعب سے مراد بچوں کا کھیلنا ہے اور لہو سے مراد نوجوانوں کا لہو ہے۔ زِينَةٌ عورتوں کی زینت ہے، تفاخر سے مراد ساتھیوں کا فخر کرنا ہے، تکاثر سے مراد تاجروں کا مال پر فخر کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: دنیا انہی چیزوں کی طرح زائل اور فنا ہونے والی ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت عمار سے فرمایا: دنیا کے بارے میں غمگین نہ ہو کیونکہ دنیا چھ چیزیں ہیں ماکول، مشروب، ملبوس، مشموم (جس کو سونگھا جائے) مرکوب، منکوح۔ بہترین کھانا شہد ہے یہ مکھی کا لعاب ہے، اکثر مشروب پانی ہے اس میں تمام حیوانات برابر ہیں، بہترین لباس ریشم ہے یہ کیڑے کا بنا ہوتا ہے، افضل خوشبو کستوری ہے یہ ایک خون ہوتا ہے، بہترین سواری گھوڑا ہے اس پر سوار ہو کر لوگ قتل ہوتے ہیں، بہترین منکوح عورتیں ہیں وہ پیشاب کا محل پیشاب کے محل میں ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم! عورت اپنے بہترین حصہ کو مزین کرتی ہے جس کے ساتھ اس کے قبیح ترین حصہ کا ارادہ کیا جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال ایسی کھیتی سے دی جس پر بارش ہوئی ہو فرمایا: كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ، غَيْثٍ سے مراد بارش ہے یہاں کفار سے مراد کاشتکار ہیں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں دبا دیتے ہیں۔ معنی ہے دنیاوی زندگی اس کھیتی کی مانند ہے جو زیادہ بارشوں کے باعث اپنی سرسبزی کے ساتھ دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہے پھر وہ تھوڑے وقت میں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے گویا وہاں کوئی کھیتی تھی ہی نہیں۔ جب وہ کاشتکاروں کو خوش کرتی ہے تو اس وقت حد درجہ حسین ہوتی ہے۔ اس کی مثل گفتگو سورۂ یونس اور سورۂ کہف میں گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں کفار سے مراد اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والے ہیں کیونکہ مومنین کے مقابلہ میں وہ دنیا کی زینت سے زیادہ خوش ہونے والے ہیں۔ یہ بہت اچھا قول ہے کیونکہ اعجاب (خوش ہونا) اصل میں ان کے لیے اور انہی میں ہوتا ہے اور انہیں سے یہ چیز ظاہر بھی ہوتی ہے وہ دنیا اور مافیہا کی عظمت بیان کرتا ہے؟ موحدین میں تو اس کی حیثیت فرش کی سی ہوتی ہے جو ان کی شہوات سے ختم ہو گئی ہے۔ جب وہ آخرت کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے نزدیک یہ کم ہو جاتی ہے۔ یہاں کاف کا محل رفع ہے کیونکہ یہ صفت ہے۔ ثُمَّ يَهِيجُ یعنی سرسبز و شاداب ہونے کے بعد وہ خشک ہو جاتی ہے۔ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا جو اس پر تر و تازگی تھی وہ متغیر ہو جاتی ہے۔ ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وہ ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے اس کے بعد اس کا حسن جاتا رہتا ہے اسی طرح کافر کی دنیا ہے۔ وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ یعنی کافروں کے لیے آخرت میں شدید عذاب ہے۔ اس پر وقف بہت اچھا ہے پھر کلام سے آغاز ہوگا: وَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ یعنی یہ مومنین کے لیے ہے۔ فراء نے کہا: فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ (الحدید: 28) اس میں تقدیر کلام یہ ہے اِمّا عذاب شدید واِمّا مغفرۃ تو لفظ شدید پر کوئی وقف نہیں کیا جائے گا۔

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ یہ سابقہ کلام کی تاکید ہے یعنی دنیاوی زندگی کفار کو دھوکہ میں ڈالتی ہے جہاں

وَ مَنْ یَّتَوَلَّ جو ایمان سے اعراض کرے فَاِنَّ اللّٰهَ تو اللہ تعالیٰ اس سے غنی ہے۔ یہ بھی جائز ہے جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو صدقہ کرنے پر برانگیختہ کیا تو لوگوں کو بتایا کہ جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے غنی ہے۔ عام قرأت بالبُخل ہے یعنی باء مضموم اور خاء ساکن ہے۔ حضرت انس، عبید بن عمیر، یحییٰ بن یعمر، مجاہد، حمید، ابن محیصن، حمزہ اور کسائی نے بالبَخَل دو فتحوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ انصار کی لغت ہے۔ ابو العالیہ اور ابن سمیقع نے بالبَخْل پڑھا ہے یعنی باء مفتوح اور خاء ساکن ہے۔ یہ انصار کی لغت ہے۔ نصر بن عاصم نے البُخُل دو ضموں کے ساتھ پڑھا ہے۔ سب کی سب مشہور لغتیں ہیں۔ سورۂ آل عمران کے آخر میں بخل اور شح میں فرق گزر چکا ہے۔

نافع اور ابن عامر نے فَاِنَّ اللّٰهَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ھو کے بغیر پڑھا ہے باقی قراء نے ھو الغنی پڑھا ہے یہ ضمیر فصل ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ ضمیر مبتدا ہو اور الغنی اس کی خبر ہو اور جملہ اِنَّ کی خبر ہو۔ جس نے اس کو حذف کیا ہے تو بہتر یہ ہے کہ یہ ضمیر فصل ہو کیونکہ ضمیر فصل کا حذف مبتدا کے حذف سے آسان ہوتا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

"یقیناً ہم نے بھیجا ہے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور ہم نے اتاری ہے ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے پیدا کیا ہے لوہے کو اس میں بڑی قوت ہے اور طرح طرح کے فائدے ہیں لوگوں کے لیے اور (یہ سب اس لیے) تا کہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ کہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زور آور، سب پر غالب ہے۔ اور ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے رکھ دی ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب پس ان میں چند تو ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں"۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ بینات سے مراد واضح معجزات اور ظاہر شرائع ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عبادت میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے۔ رسولوں نے اس امر کی دعوت دی یہ سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا۔

وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ کتاب سے مراد کتب ہیں یعنی ہم نے ان کی طرف ان سے پہلوں کی خبریں وحی کیں۔ وَ الْمِیْزَانَ ابن زید نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے اور معاملہ کیا جاتا ہے۔ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ یعنی معاملات میں عدل کریں۔ اس کا فرمان بِالْقِسْطِ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مراد معروف میزان ہے۔ ایک قوم نے کہا: مراد عدل ہے۔ قشیری نے کہا: جب ہم نے اسے معروف میزان پر محمول کیا تو معنی ہوگا ہم نے کتاب کو نازل کیا اور

میزان رکھا یعنی المیزان سے پہلے وخلقنا کا لفظ محذوف ہے جس طرح اس جملہ میں ماءً بارداً سے پہلے فعل محذوف ہے:

علفتها تبناً وماءً بارداً

اسی قول پر اللہ تعالیٰ کا فرمان وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ﴿ (الرحمٰن) دلالت کرتا ہے پھر فرمایا: وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ (الرحمٰن:9) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے آسمان سے زمین کی طرف چار برکتیں نازل کیں: لوہا، آگ، پانی اور نمک"۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: تین چیزیں ایسی ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ نازل ہوئیں۔ حجر اسود یہ برف سے بھی زیادہ سفید تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جو جنت کی آس کی لکڑی کا تھا اس کی لمبائی دس ہاتھ تھی جس قدر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قد مبارک تھا اور لوہا اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ تین چیزیں نازل فرمائیں۔ آہرن، لوہار کا زنبور اور ہتھوڑا یہی مطرقہ ہے؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترے جب کہ ان کے ساتھ لوہے کی پانچ چیزیں تھیں جو لوہاروں کے آلات میں شمار ہوتی ہیں آہرن، زنبور، بڑا ہتھوڑا، ہتھوڑا اور سوئی۔ ہتھوڑا جس کے ساتھ کوٹا جاتا ہے یوں اس کا باب ذکر کیا جاتا ہے وقعت الحدیدة اقعها یعنی میں نے اسے کوٹا۔ صحاح میں ہے میقعہ اس جگہ کو بھی کہتے ہیں جس جگہ سے باز مانوس ہوتا ہے اور وہاں پڑتا ہے اور دھوبی کی لکڑی کو بھی کہتے ہیں جس پر وہ کپڑے کو مارتا ہے اور بھی سان۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ لوہا منگل کو نازل کیا گیا۔ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ یعنی خون بہانے کے لیے اس میں بڑی طاقت ہے اسی وجہ سے منگل کے روز فصد کرانے اور پچھنے لگانے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ ایسا دن ہے جس میں خون بہا۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ "منگل کے روز ایسی گھڑی ہے جس میں خون نہیں رکتا" (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا: اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ کا معنی ہے ہم نے اسے پیدا کیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (الزمر:6) یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے: یعنی لوہا زمین سے بنا ہے آسمان سے نازل نہیں کیا گیا۔

علماء معانی نے کہا: لوہے کو معدن سے نکالا اور حضرت آدم علیہ السلام کو وحی کے ذریعے صنعت کا علم سکھایا۔ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ یعنی اسلحہ اور زرہ حال۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں قتل کے ذریعے شدید خوف ہے۔

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ مجاہد نے کہا: اس سے مراد زرہ حال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: لوگ لوہے سے ہی ضرورت کی چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں جس طرح چھری، کلہاڑا، سوئی وغیرہ۔ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ لوہے کو اتارا تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کون اس کی مدد کرتا ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عطف لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ پر ہے یعنی ہم نے رسولوں کو بھیجا ان کے ساتھ کتاب نازل کی اور ان چیزوں کو پیدا کیا تاکہ لوگ حق و انصاف سے معاملہ کریں اور اس لیے تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب متی تستحب الحجامة، حدیث نمبر 3364، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کون اس کے دین کی مدد کرتا ہے؟ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اور کون اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ان کی مدد کرتے ہیں وہ ان کو جھٹلاتے نہیں اور وہ ان پر ایمان لاتے ہیں جب کہ انہیں دیکھتے نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ۝ وہ پکڑنے میں قوی ہے اور غالب ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بالغیب سے مراد اخلاص ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ پہلے جس کا ذکر اجمالی طور پر ہوا تھا کہ اس نے کتابوں کے ساتھ رسول بھیجے اب تفصیل بیان کی اور یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور نبوت ان کی نسل میں رکھی۔

وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ہم نے ان کی اولاد میں سے بعض کو انبیا بنایا اور بعض کو اس پر بنایا جو آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں وہ تورات، انجیل، زبور اور فرقان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کتاب سے قلم کے ساتھ لکھنا ہے۔ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ یعنی جس نے حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما السلام کی اتباع کی وہ ہدایت یافتہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان دونوں کی اولاد میں سے ہدایت یافتہ ہیں۔ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝ یعنی کافر طاعت سے خارج ہیں۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝

"پھر ہم نے ان کے پیچھے ان کی راہ پر اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اور انہیں انجیل عطا فرمائی اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰ کے تابعدار تھے شفقت اور رحمت، اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اسے اختیار کیا تھا پھر اسے وہ نباہ نہ سکے جیسے اس کے نباہنے کا حق تھا، پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے (ان کے حسن عمل اور حسن نیت) کا اجر اور ان میں سے اکثر فاسق (و فاجر) تھے"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ، ھم ضمیر سے مراد ذریت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام ہیں۔ بِرُسُلِنَا مراد حضرت موسیٰ، حضرت الیاس، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یونس علیہم السلام ہیں یعنی ان کے پیچھے ان انبیاء و رسل کو بھیجا۔

وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ یہ اپنی ماں کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ، انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جو ان پر نازل کی گئی۔ اس کا مادہ اشتقاق سورۂ آل عمران کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَ جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ اسم موصول سے مراد حواری اور تابعین ہیں جنہوں نے آپ کے دین کی اتباع کی۔ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً مراد محبت ہے وہ ایک دوسرے سے محبت کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں انجیل میں حکم دیا گیا کہ وہ صلح سے رہیں اور لوگوں کو اذیت نہ دیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان کے دلوں کو نرم کر دیا۔ یہودیوں کا معاملہ مختلف ہے جن کے دل سخت ہو گئے اور انہوں نے کلمات کو اپنی جگہ سے بدل دیا۔ رَاْفَةً کا معنی نرمی اور رَحْمَةً کا معنی شفقت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَاْفَةً کا معنی بوجھ میں کمی کرنا اور رحمت کا معنی بوجھ کو اٹھانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَاْفَةً رحمت کی شدید صورت ہے اور کلام مکمل ہو گئی۔ پھر فرمایا: وَ رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا یعنی انہوں نے اپنی جانب سے رہبانیت کو گھڑ لیا ہے۔ اور وَ رَهْبَانِيَّةَ کا لفظ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے۔ ابو علی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے: وابتدعوا رهبانية ابتدعوها۔ زجاج نے کہا: ابتدعوا رهبانية جس طرح تو کہتا ہے: رأیت زیدا و عمرا اکرمت۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا عطف رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً پر ہے اس صورت میں معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ چیز عطا کی تو انہوں نے اسے تبدیل کر دیا اور اس میں بدعت کا سلسلہ شروع کیا۔ ماوردی نے کہا: اس میں دو قراءتیں ہیں ان میں سے ایک راء کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کا معنی خوف ہے۔ یہ رهب سے مشتق ہے۔ دوسری قراءت راء کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ رهبان کی طرف منسوب ہے جس طرح رضوانیہ، رضوان سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو مشقتوں پر برانگیختہ کیا کیونکہ انہوں نے کھانا، پینا، نکاح کرنا چھوڑ دیا اور گرجوں سے وابستہ ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے بادشاہوں نے دین عیسوی کو تبدیل کر دیا تھا اور ایک چھوٹی سی جماعت رہ گئی تھی تو انہوں نے رہبانیت کو اختیار کر لیا اور اللہ تعالیٰ سے لو لگالی۔ ضحاک نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہوں نے حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کیا یہ سلسلہ تین سو سال تک چلا رہا جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طریقے پر قائم تھے انہوں نے بادشاہوں کے طریقہ کار کو پسند نہ کیا تو بادشاہوں نے انہیں قتل کر دیا تو وہ لوگ جو ان کے بعد باقی رہ گئے انہوں نے کہا: جب ہم انہیں منع کرتے ہیں تو وہ ہمیں قتل کرتے ہیں اب ان کے ساتھ رہنا ہمارے لیے ممکن نہیں تو وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو گئے اور انہوں نے گرجے بنا لیے۔ قتادہ نے کہا: وہ رہبانیت جس کو انہوں نے اپنی جانب سے گھڑا تھا وہ عورتوں کو چھوڑنا اور گرجے بنانا تھا۔ مرفوع حدیث میں ہے: "رہبانیت جس کو انہوں نے اپنایا تھا وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے جانا ہے"۔

مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ہم نے ان پر اسے فرض نہ کیا تھا اور نہ ہی ہم نے انہیں اس کا حکم دیا تھا: یہ ابن زید کا قول ہے۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ یعنی ہم نے انہیں حکم نہیں دیا مگر اس چیز کا جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو: یہ ابن مسلم کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے ان پر کسی چیز کو لازم نہیں کیا تھا۔ ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ یہ ما ضمیر سے بدل ہے جو كَتَبْنٰهَا میں موجود ہے معنی ہے ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کو لازم کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَّا ابْتِغَآءَ مستثنیٰ منقطع ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ما كتبناها عليهم لكن ابتدعوها ابتغاء رضوان الله۔

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا یعنی انہوں نے اس کا حق ادا نہ کیا۔ یہ عام کی تخصیص ہے کیونکہ جن لوگوں نے رعایت نہ کی تھی

کون اس کے دین کی مدد کرتا ہے؟ ۔ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اور کون اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ان کی مدد کرتے ہیں وہ ان کو جھٹلاتے نہیں اور وہ ان پر ایمان لاتے ہیں جب کہ انہیں دیکھتے نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ۟ وہ پکڑنے میں قوی ہے اور غالب ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بالغیب سے مراد اخلاص ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ پہلے جس کا ذکر اجمالی طور پر ہوا تھا کہ اس نے کتابوں کے ساتھ رسول بھیجے اب تفصیل بیان کی اور یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور نبوت ان کی نسل میں رکھ دی۔

وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ہم نے ان کی اولاد میں سے بعض کو انبیاء بنایا اور بعض کو اپنی بنا دیا جو آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں وہ تورات، انجیل، زبور اور فرقان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کتاب سے مراد قلم کے ساتھ لکھنا ہے۔ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ یعنی جس نے حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہ السلام کی اتباع کی وہ ہدایت یافتہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان دونوں کی اولاد میں سے ہدایت یافتہ ہیں۔ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۟ یعنی کافر طاعت سے خارج ہیں۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ۬ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۟

”پھر ہم نے ان کے پیچھے ان کی راہ پر اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اور انہیں انجیل عطا فرمائی اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰ کے تابعدار تھے شفقت اور رحمت۔ اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اسے اختیار کیا تھا پھر اسے وہ نباہ نہ سکے جیسے اس کے نباہنے کا حق تھا، پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے (ان کے حسن عمل اور حسن نیت) کا اجر اور ان میں سے اکثر فاسق (و فاجر) تھے“۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ، ھم ضمیر سے مراد ذریت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام ہیں۔ بِرُسُلِنَا مراد حضرت موسیٰ، حضرت الیاس، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یونس علیہم السلام ہیں یعنی ان کے پیچھے ان انبیاء و رسل کو بھیجا۔

وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ یہ ماں کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ، انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جو ان پر نازل کی گئی۔ اس کا مادہ اشتقاق سورۃ آل عمران کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

وہ قوم کے کچھ افراد تھے انہوں نے رہبانیت کے ساتھ لوگوں پر حاکمیت چاہی اور ان کے اموال کھانا چاہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (التوبہ: 34) یہ اسی قوم کے بارے میں ہے جنہیں رہبانیت آخرکار حکومت کی طلب کی طرف لے گئی۔

سفیان ثوری نے عطاء بن سائب سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کرتے ہیں وَ رَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہوں نے تورات اور انجیل کو بدل دیا تھا ان میں مومن بھی تھے جو تورات اور انجیل کو پڑھا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دیا کرتے تھے تو کچھ لوگوں نے اپنے بادشاہوں سے کہا: کاش! تو اس جماعت کو قتل کر دیتا۔ مومنوں نے کہا: ہم تمہاری جانب سے اپنے نفسوں کو کافی ہیں۔ ایک طائفہ نے کہا: ہمارے لیے مینار بنا دو ہمیں اس پر چڑھا دو اور ہمیں کوئی ایسی چیز دے دو جس کے ساتھ ہم اپنا کھانا اور پینا پانی اوپر لے جائیں، ہم تمہارے پاس نہیں آئیں گے۔ ایک طائفہ نے کہا: ہمیں چھوڑ دو ہم زمین میں گھومیں پھریں گے ہم اسی طرح پئیں گے جس طرح وحشی جانور پانی پیتے ہیں۔ جب تمہیں ہمارے اوپر قدرت ہو تو تم ہمیں قتل کر دینا۔ ایک جماعت نے کہا: ہمارے لیے جنگلوں میں گھر بنا دو ہم کنویں کھودیں گے اور سبزیاں کاشت کریں گے تم ہمیں نہیں دیکھو گے ان میں سے کوئی فرد نہیں تھا مگر ان لوگوں میں سے ایک جگری دوست تھا تو انہوں نے اسی طرح کیا۔ وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طریقہ پر چلتے رہے۔ ان کے بعد ایسے لوگ آئے جنہوں نے کتاب کو تبدیل کر دیا۔ انہوں نے کہا: ہم سیاحت کریں گے اور ہم اسی طرح عبادت کریں گے جس طرح وہ عبادت کیا کرتے تھے جب کہ وہ شرک پر قائم تھے انہیں ان لوگوں کے ایمان کا کچھ علم نہ تھا جن کی وہ اقتدا کر رہے تھے تو یہی اس ارشاد کا مفہوم ہے وَ رَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اس کا آغاز تو ان صالحین نے کیا تھا تو متاخرین نے اس کی کما حقہ رعایت نہ کی۔

فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ یعنی جنہوں نے اس کا آغاز کیا اور اس کی رعایت کی انہیں ہم نے اجر دیا وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ مراد متاخرین ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تو ان لوگوں میں سے تھوڑے افراد ہی رہ گئے تھے تو وہ غاروں اور گرجوں سے نکل کر آئے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت اس امر پر دال ہے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے جو آدمی اچھا کام شروع کرے اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اس پر قائم دائم رہے اس کی ضد کی طرف نہ پھرے کہ وہ اس آیت میں داخل ہو جائے۔ حضرت ابو امامہ باہلی سے مروی ہے جن کا نام صدی بن عجلان تھا انہوں نے کہا: تم نے رمضان شریف کا قیام شروع کیا ہے جب کہ یہ تم پر فرض نہ تھا بے شک تم پر روزے فرض کیے گئے۔ جب تم نے یہ شروع کیا ہے تو اس پر دوام اختیار کرو اسے نہ چھوڑو۔ بے شک بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگوں نے ایسے امور کو شروع کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر ان چیزوں کو لازم نہیں کیا تھا وہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے تھے تو انہوں نے اس کی کما حقہ رعایت نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ترک کرنے پر ان پر عیب لگایا جس طرح اس ارشاد میں ذکر ہوا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ آیت میں گرجوں اور گھروں میں الگ تھلگ ہو کر بیٹھ جانے پر دلیل موجود ہے جب زمانہ میں فساد برپا ہو جائے اور دوست و بھائی بدل جائیں تو یہ امر مندوب ہوگا۔ اس کی وضاحت سورۂ کہف میں مفصل گزر چکی ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ہم ایک سریہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے کہا: ایک آدمی ایک غار کے پاس سے گزرا اس میں کچھ پانی موجود تھا اس کے دل میں خیال آیا کہ اس غار میں رہے اس میں جو پانی ہے اس سے قوت حاصل کرے اور اس کے ارد گرد جو سبزیاں ہیں انہیں حاصل کرے اور دنیا سے کنارہ کش ہو جائے۔ کہا: اگر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں آپ سے یہ بات عرض کروں گا اگر حضور ﷺ نے مجھے اجازت دی تو میں ایسا کروں گا۔ بصورت دیگر ایسا نہیں کروں گا۔ وہ آدمی حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں ایک غار کے پاس سے گزرا اس میں پانی اور سبزی تھی جو میری خوراک کے لیے کافی تھی میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس میں رہوں اور دنیا سے کنارہ کش ہو جاؤں۔ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مجھے یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے تو سیدھے سادے آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے تمہارا پہلی صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اکیلے ساٹھ سال تک نماز پڑھنے سے بہتر ہے" (1)۔

کوفیوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کیا تو جانتا ہے کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ علم رکھنے والا کون ہے؟" میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: "لوگوں میں سے زیادہ علم رکھنے والا وہ شخص ہے جو حق کے بارے میں لوگوں سے زیادہ بصیرت رکھتا ہو جب لوگ اس میں اختلاف کریں اگرچہ وہ عمل میں کوتاہی کرنے والا ہو اگرچہ وہ اپنی سرین پر گھسٹتا ہو۔ کیا تو جانتا ہے کہ بنی اسرائیل نے کہاں سے رہبانیت کو شروع کیا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جابر ان پر غالب آ گئے وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔ اہل ایمان ان پر ناراض ہوئے تو جابروں نے ان سے جنگ کی اور تین دفعہ اہل ایمان کو شکست دی۔ تو ان میں سے تھوڑے سے افراد بچے۔ انہوں نے کہا: اگر ان جابر لوگوں نے ہمیں فنا کر دیا تو دین کے لیے کوئی بھی نہ بچے گا جو اس دین کی طرف دعوت دے آؤ ہم زمین میں بکھر جائیں یہاں تک کہ نبی امی مبعوث ہو جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہم سے وعدہ کیا ہے۔ اس سے وہ نبی کریم ﷺ کی ذات مراد لیتے۔ وہ پہاڑوں کی غاروں میں بکھر گئے۔ انہوں نے رہبانیت کو شروع کیا ان میں سے کچھ حضرت عیسیٰ کے دین پر کاربند رہے اور کچھ نے کفر کیا اور اس آیت کی تلاوت کی۔ کیا تو جانتا ہے میری امت کے لیے رہبانیت کیا ہے؟ ہجرت، جہاد، روزہ، نماز، حج، عمرہ اور بلند و پست زمین پر تکبیر کہنا۔ اے ابن مسعود! تم سے قبل جو یہودی ہو گزرے ہیں وہ اکہتر فرقوں میں بٹے ان میں سے ایک فرقہ نے نجات پائی اور باقی ہلاک ہو گئے تم سے قبل جو نصاریٰ ہوئے وہ بہتر فرقوں میں بٹے ان میں تین بچے باقی سب ہلاک ہو گئے۔ بادشاہوں نے ان سے مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ان سے جنگ کی یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا ایک فرقہ ایسا تھا جس میں بادشاہوں سے

1۔ جامع ترمذی، کتاب ابواب الجہاد، باب ما جاء فی فضل الغدو والرواح فی سبیل اللہ، حدیث نمبر 1573، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی وہ اپنی قوم میں ٹھہرے رہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی طرف دعوت دی۔ بادشاہوں نے انہیں پکڑ لیا انہیں قتل کیا اور انہیں آریوں کے ساتھ چیر دیا ایک جماعت ایسی تھی انہیں بادشاہوں کے ساتھ مقابلہ کی طاقت نہ تھی اور نہ یہ طاقت تھی کہ وہ اپنی قوم کے درمیان رہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی طرف دعوت دیں وہ پہاڑوں میں سیاحت کرنے لگے اور ان میں رہبانیت کو پا لیا یہی وہ جماعت ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا جو مجھ پر ایمان لایا، میری پیروی کی اور میری تصدیق کی اس نے اس کی رعایت ویسی طرح رعایت کرنے کا حق تھا اور جو مجھ پر ایمان نہ لایا تو وہ فاسق ہے یعنی جس نے یہودیت اور نصرانیت کو اپنایا"۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا اور آپ پر ایمان نہ لائے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے۔ یعنی پہلے لوگوں نے کفر پر اصرار کیا اس لیے اپنے زمانہ کے لوگوں پر تعجب نہ کیجئے اگر وہ کفر پر اصرار کریں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

"اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اس کے رسول (مقبول) پر اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لیے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے اور بخش دے گا تمہیں، اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے (تم پر یہ خصوصی کرم اس لیے کیا) تاکہ جان لیں اہل کتاب کہ ان کا کوئی قابو نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل (وکرم) پر اور یہ کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے، نوازتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا یعنی جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے۔ اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ تمہیں دوگنا اجر دیا جائے گا کیونکہ تم حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا (القصص: 54) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ کفل کا معنی حصہ ہے۔ سورۂ نساء میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اصل میں اس کا معنی ایسا کفل یا پالان ہے جو اس جس کو اونٹ کی کوہان لپیٹ جاتا ہے جو اسے گرنے سے بچاتی ہے، یہ ابن جریج کا نقطۂ نظر ہے۔ کہا اس سے مراد وہ چادر ہے جسے سوار اونٹ کی کوہان کے ارد گرد لپیٹ لیتا ہے جب وہ اس کی کوہان کی پچھلی جانب بیٹھتا ہے تاکہ وہ نہ گرے۔ اس کا معنی ہے وہ تمہیں دو حصے دے گا وہ دونوں حصے تمہیں معاصی کی ہلاکت سے محفوظ رکھیں گے

اَلَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یہود نے کہا: یہودیوں نے کہا قریب ہے کہ ہم میں سے ایک ایسا نبی ظاہر ہو جو ہاتھ پاؤں کاٹنے، جب اس نبی کا ظہور عربوں میں ہوا تو انہوں نے اس نبی کا انکار کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی لِئَلَّا یَعْلَمَ تا کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اس پر قادر نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا (طہ: 89) حضرت حسن بصری سے یہ قرأت منقول ہے لِیَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ: یہ مجاہد سے روایت مروی ہے۔ قطرب نے لام کے کسرہ اور یاء کے سکون کے ساتھ روایت نقل کی ہے اور جر کو فتحہ دینا یہ عام لغت ہے یاء کو ساکن کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ہمزہ حذف کر دیا گیا ہے تو وصل ان کیا تو نون کو لام میں مدغم کر دیا گیا تو وصلا ان کیا جب تین لام جمع ہو گئے تو درمیانی لام کو یاء سے بدل دیا گیا مگر مشہور لغت میں لام کو باقی رکھا گیا تو وہ اس توجیہ سے اقویٰ ہے۔ حضرت ابن مسعود بڑینہ سے مروی ہے: لکیلا یعلم۔ حطان بن عبد اللہ سے مروی ہے لأن یعلم۔ عکرمہ سے مروی ہے: لیعلم۔ یہ مصحف میں جو لکھا گیا ہے اس کے خلاف ہے۔

مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ، فَضْلِ اللّٰهِ سے مراد اسلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ثواب ہے۔ کلبی نے کہا: مراد رزق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کا فضل اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے ان کے قبضہ قدرت میں نہیں کہ وہ نبوت کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی طرف پھیر دیں جسے وہ پسند کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اس کا ہے یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ جسے چاہے عطا فرمائے۔ بخاری شریف میں ہے حکم بن نافع، شعیب سے وہ زہری سے وہ سالم بن عبد اللہ سے وہ حضرت عبد اللہ بن عمر بڑینہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب کہ آپ منبر پر کھڑے تھے: ”تم سے قبل جو امتیں گزری ہیں ان کے مقابلہ میں تمہاری بقا اس قدر ہے جس قدر عصر کی نماز سے سورج غروب ہوتا ہے۔ اہل تورات کو تورات دی گئی انہوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ دن نصف تک پہنچ گیا پھر وہ عاجز آ گئے تو انہیں ایک ایک قیراط دیا گیا پھر اہل انجیل کو انجیل دی گئی تو انہوں نے اس پر عصر کی نماز کے وقت تک عمل کیا پھر وہ عاجز آ گئے تو انہیں ایک ایک قیراط دیا گیا پھر تمہیں قرآن دیا گیا تو تم نے اس پر سورج کے غروب ہونے تک عمل کیا تو تمہیں دو دو قیراط دیے گئے۔ تورات والوں نے کہا: اے اللہ! یہ عمل کے اعتبار سے کم اور اجر کے اعتبار سے زیادہ ہیں۔ فرمایا: کیا میں نے تمہارے اجر میں کوئی کمی کی ہے۔ عرض کی: نہیں تو فرمایا: یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں میں دوں“۔ ایک روایت میں ہے: ”یہودی اور نصرانی غضبناک ہو گئے عرض کی: اے ہمارے رب!“ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۱﴾ اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے۔

سورۃ المجادلہ

﴿ آیاتہا ۲۲ ﴾ ﴿ ۵۸ سورۃ المجادلۃ مدنیۃ ۱۰۵ ﴾ ﴿ رکوعاتہا ۳ ﴾

اس میں بائیس آیات ہیں۔

تمام کے قول میں یہ مدنی ہے مگر عطا کی روایت میں ہے کہ پہلی دس آیات مدنی ہیں اور باقی مکی ہیں۔ کلبی نے کہا: تمام کی تمام سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی مگر اللہ تعالیٰ کا فرمان مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝

"بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں (اور ساتھ ہی) شکوہ کیے جا رہی تھی اللہ تعالیٰ سے (اپنے رنج و غم کا) اور اللہ تعالیٰ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو، بے شک اللہ (سب کی باتیں) سننے والا (اور سب کچھ) دیکھنے والا ہے"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ جس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کی وہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بنت حکیم تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام جمیلہ تھا۔ اور خولہ زیادہ صحیح ہے ان کے خاوند کا نام حضرت اوس بن صامت تھا جو حضرت عبادہ بن صامت کے بھائی تھے۔ حضرت عمر اپنے دور خلافت میں اس عورت کے پاس سے گزرے جب کہ لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے آپ گدھے پر سوار تھے اس عورت نے طویل وقت تک آپ کو روکے رکھا آپ کو نصیحتیں کیں، کہا: اے عمر! کبھی تجھے عمیر کہا جاتا تھا پھر تجھے عمر کہا جانے لگا پھر تجھے امیر المومنین کہا جانے لگا۔ اے عمر! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ جس کو موت کا یقین ہوتا ہے وہ فوت ہونے سے ڈرتا ہے جسے حساب کا یقین ہوتا ہے وہ عذاب سے ڈرتا ہے جب کہ حضرت عمر کھڑے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ آپ سے عرض کی گئی: اے امیر المومنین! کیا آپ اس بڑھیا کے لیے اتنا ٹھہرے ہیں؟ فرمایا: اللہ کی قسم! اگر یہ مجھے دن کے پہلے پہر سے آخری پہر تک روکے رکھے تو میں کھڑا رہوں گا مگر فرض نماز کے لیے جاؤں گا کیا تم جانتے ہو یہ بڑھیا کون ہے؟ یہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ ہیں اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں سے اوپر اس کی بات کو سنا کیا رب العالمین اس کی بات کو سنے اور عمر اس کی بات کو نہ سنے؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بڑی ہی برکتوں والی ہے وہ ذات جس کی قوت سماعت ہر شی کو وسیع ہے۔ میں حضرت

خولہ بنت ثعلبہ کی گفتگو سن رہی تھی اور مجھ پر کچھ گفتگو مخفی تھی جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے خاوند کی شکایت کر رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی: یا رسول اللہ! اس نے میری جوانی کو کھا لیا میں نے اپنے پیٹ کو اس کے لیے بکھیر دیا۔ جب میں بوڑھی ہو گئی اور میری جانب سے ولادت کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو اس نے مجھ سے ظہار کیا۔ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں شکایت کرتی ہوں۔ وہ وہیں تھی کہ حضرت جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ اسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

بخاری شریف میں جو روایت ہے وہ یہ ہے: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تمام تر تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کی قوت سماعت تمام آوازوں کو جامع ہے۔ ایک جھگڑا کرنے والی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں کمرے کے ایک کونے میں موجود تھی میں اس کی بات نہیں سن رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(1)۔

ماوردی نے کہا: وہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بنت خویلد تھیں۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ایک ان میں سے باپ اور دوسرا دادا تھا۔ ان دونوں میں ہر ایک کی طرف اسے منسوب کیا گیا۔ ان کے خاوند حضرت اوس بن صامت تھے جو حضرت عبادہ بن صامت کے بھائی تھے۔ ثعلبی نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا مراد حضرت خولہ بنت خویلد خزرجیہ ہیں، یہ حضرت اوس بن صامت کے عقد میں تھیں۔ جو حضرت عبادہ بن صامت کے بھائی تھے یہ بڑے خوبصورت جسم کی مالک تھیں۔ ان کے خاوند نے انہیں سجدہ کرتے ہوئے دیکھ لیا اس نے ان کی سرین کو دیکھا تو معاملہ بڑا عجیب لگا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو گئیں تو خاوند نے ان کا ارادہ کیا تو اس نے انکار کر دیا تو خاوند اس پر ناراض ہو گیا۔

حضرت عروہ نے کہا: وہ ایسا آدمی تھا جسے جنون کی کچھ تکلیف تھی اسے یہ عارضہ لاحق ہوا تو اس نے اپنی بیوی سے کہا: انت علی کظھر امی تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ دور جاہلیت میں ایلاء اور ظہار طلاق تھے۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو اس پر حرام ہو گئی ہے"۔ اس نے عرض کی: اللہ کی قسم! اس نے طلاق کا ذکر نہیں کیا۔ پھر کہا: میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے فاقہ، تنہائی، وحشت، اپنے خاوند کے فراق اور چچا زاد بھائی کی جدائی کی شکایت کرتی ہوں۔ میں نے اس کے لیے اپنے پیٹ کو بکھیر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو اس پر حرام ہو گئی ہے"۔ وہ مسلسل بات دہراتی رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے جواب دیتے رہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے دور جاہلیت کے طریقوں کو منسوخ کر دیا ہے جب کہ میرے خاوند نے مجھ سے ظہار کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس بارے میں مجھ پر کوئی وحی نہیں آئی"۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ پر ہر چیز کے بارے میں وحی کی گئی اور آپ سے اس امر کو لپیٹ دیا گیا؟ فرمایا: "میں نے جو کچھ تجھے کہا ہے وہی کچھ ہے"۔ اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرتی ہوں اس کے رسول کی بارگاہ میں شکایت نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ۔

دارقطنی نے قتادہ کی حدیث سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے انہیں بیان کیا کہ حضرت اوس بن

1۔ سنن ابن ماجہ، باب فیما انکرت الجھمیۃ، حدیث نمبر 183، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ظہار اپنے لفظ کی وجہ سے لازم نہیں اسے اس کے معنی کی وجہ سے لازم کیا گیا ہے جو تحریم ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔(1)

مسئلہ نمبر 5۔ اگر اس نے اپنی بیوی کو اپنی ماں کے کسی عضو کے ساتھ تشبیہ دی تو وہ ظہار کرنے والا ہوگا جب کہ امام ابو حنیفہ نے اس سے اختلاف کیا ہے آپ کا کہنا ہے: اگر خاوند نے اپنی بیوی کو کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دی جس کی طرف دیکھنا اس کے لیے حلال تھا تو وہ مظاہر نہیں ہوگا۔ یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ استمتاع کے طریقہ پر اس کی طرف دیکھنا حلال نہیں اس میں تشبیہ واقع ہے اور مظاہر نے اس کا قصد کیا ہے۔ امام شافعی نے ایک قول میں کہا: وہ صرف اس صورت میں مظاہر ہوگا جب وہ لفظ ظہر کا ذکر کرے گا۔ یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ اس کا ہر عضو حرام ہے تو اس سے ساتھ تشبیہ ظہار ہوگا جس طرح ظہر کو لفظ ذکر کیا جائے تو ظہار ہوتا ہے کیونکہ ظہار کرنے والا حلال عورت کو حرام کے ساتھ تشبیہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو حکم ضرور لازم ہوگا۔

مسئلہ نمبر 6۔ اگر اس نے اپنی بیوی کو کسی اجنبی عورت کے ساتھ تشبیہ دی اگر اس نے ظہار کا ذکر کیا تو وہ ظہار ہوگا جیسے مسئلہ بیان کرتے ہوئے۔ اگر لفظ ظہر کا ذکر نہ کیا تو اس میں ہمارے علماء نے اختلاف کیا ہے ان علماء میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے کہا: یہ ظہار ہے ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے کہا: یہ طلاق ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے کہا: یہ کچھ بھی نہیں۔ ابن عربی نے کہا: یہ فاسد ہے(2) کیونکہ حلال عورت کو حرام عورت کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو یہ اس کے حکم کے ساتھ مقید ہوگی جس طرح ظہر کا لفظ ہے ہمارے نزدیک اسماء معانی کے ساتھ ہوتے ہیں جب کہ ان کے نزدیک اپنے الفاظ کے ساتھ ہوتے ہیں یہ ان کی جانب سے اصل کے خلاف ہے۔

میں کہتا ہوں: اجنبیہ کے ساتھ جب تشبیہ دی جائے تو امام مالک کے نزدیک ظہار میں اختلاف کیا ہے۔ آپ کے اصحاب میں سے کچھ وہ ہیں جو ظہار صرف اس صورت میں تسلیم کرتے ہیں جب ذوی المحارم کے ساتھ تشبیہ دی جائے اور باقی عورتوں کے ساتھ تشبیہ دینے کی صورت میں وہ ظہار تسلیم نہیں کرتے۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اسے کوئی چیز بھی قرار نہیں دیتے اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اجنبی میں اسے طلاق قرار دیتے ہیں۔ امام مالک کے نزدیک جب اس نے کہا: کظھر ابی او غلامی او کظھر زید او کظھر اجنبیۃ تو یہ ظہار ہوگا اس عورت کے ساتھ قسم کے ہوتے ہوئے وطی کرنا حلال نہیں ہوگا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے جب غیر ذوی المحارم کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو یہ کچھ بھی نہیں جس طرح کوفی اور امام شافعی نے کہا: اوزاعی نے کہا: اگر اس خاوند نے کہا: انت علی کظھر فلان رجل تو یہ قسم ہوگی وہ اس قسم کا کفارہ دے گا۔

مسئلہ نمبر 7۔ جب اس نے کہا: انت علی حرام کظھر امی یہ ظہار ہوگا، طلاق نہیں ہوگی کیونکہ اس کا قول انت علی حرام، یہ طلاق کے ساتھ حرمت کا احتمال رکھتا ہے تو اس عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ یہ ظہار کی وجہ سے بھی حرمت کا احتمال رکھتی ہے جب اس نے وضاحت کر دی تو یہ دو احتمالوں میں سے ایک کی تفسیر ہوگی اس میں اس کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔(3)

مسئلہ نمبر 8۔ ظہار ہر ایسی بیوی کے بارے میں لازم ہو جائے گا وہ مدخول بہا ہو یا نہ ہو کسی بھی ایسی حالت میں جس میں

1۔ احکام القرآن لابن العربی　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

اس بیوی کو طلاق جائز ہو اسی طرح امام مالک کے نزدیک اس لونڈی کے ساتھ بھی ظہار کرنا جائز ہے جس کے ساتھ اس کا وطی کرنا جائز ہے۔ جب مرد نے ان کے ساتھ ظہار کیا تو ان کے بارے میں ظہار لازم ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے کہا: لازم نہیں ہوگا۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: یہ ہمارے لیے بہت مشکل مسئلہ ہے کیونکہ امام مالک کہا کرتے تھے: جب اس نے اپنی لونڈی سے کہا: انت منی حرام تو یہ لازم نہیں آتا۔ اس میں صریح تحریم کیسے باطل ہوگی اور کنایہ صحیح ہوگا۔ مگر لونڈی مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ کے عموم میں داخل ہے کیونکہ اس نے ان کی حلال عورتوں کا ارادہ کیا ہے۔ اس میں علت یہ ہے کہ یہ ایسا لفظ ہے جو بضع کے متعلق ہے تحریم کرنے کے متعلق نہیں پس لونڈی میں ظہار صحیح ہے اس کی اصل اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانا ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ نکاح سے پہلے بھی ظہار ہو سکتا ہے جب وہ اس عورت سے نکاح کرے جس سے اس نے ظہار کیا ہو؛ یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے۔ جب کہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ظہار لازم نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ** جب کہ وہ عورتیں جس سے ابھی شادی نہ ہوئی ہو وہ اس کی عورتوں میں سے نہیں سورۂ براءت میں اس مسئلہ کی اصل آیت **وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ** (التوبہ: 75) میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ ذمی کا ظہار لازم نہیں ہوتا؛ یہ امام ابو حنیفہ کا نقطہ نظر ہے۔ امام شافعی نے کہا: ذمی کا ظہار صحیح ہے ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے **مِنْكُمْ** یعنی مسلمانوں میں سے۔ یہ کلام ذمی کے خطاب سے نکلنے کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے: یہ خطاب کی دلیل سے استدلال ہے۔ ہم کہیں گے: یہ اشتقاق اور معنی سے استدلال ہے کیونکہ کفار کے نکاح فاسد اور فسخ کے مستحق ہیں ان کے ساتھ طلاق اور ظہار کا حکم متعلق نہیں ہوتا؛ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے **وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ** (الطلاق: 2) جب نکاح صحت کی شروط سے خالی ہوں تو یہ فاسد ہوں گے نکاح فاسد میں کسی حال میں بھی ظہار نہیں (1)۔

مسئلہ نمبر 11۔ **مِنْكُمْ** کے الفاظ غلام کے ظہار کے صحیح ہونے کا تقاضا کرتے ہیں جو اس سے منع کرتے ہیں انہوں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ثعلبی نے اسے امام مالک سے حکایت کیا ہے کیونکہ وہ مسلمانوں میں سے ہے اور اس کے حق میں احکام نکاح ثابت ہیں اگرچہ اس پر غلام آزاد کرنا اور کھانا کھلانا متعذر ہے وہ صرف روزوں پر قادر ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: عورتیں ظہار نہیں کر سکتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ** یہ نہیں فرمایا واللائی یظاہرن منکن ۔ جبکہ ظہار صرف مردوں کے لیے ہے۔ ابن عربی نے کہا: ابن قاسم، سالم، یحییٰ بن سعید، ربیعہ اور ابو زناد سے یہی روایت کیا ہے معنی کے اعتبار سے یہ صحیح ہے کیونکہ حل و عقد، تحلیل اور تحریم نکاح کے معاملہ میں مردوں کے ہاتھ میں ہے۔ ان میں سے عورتوں کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں یہی اجماع ہے۔ ابو عمر نے کہا: جمہور کے قول کے مطابق عورتوں پر کوئی ظہار نہیں۔ حسن بن زیاد نے کہا: وہ ظہار کر سکتی ہے۔ امام ثوری، امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے کہا: نکاح سے قبل اور اس کے بعد عورت اپنے خاوند سے ظہار نہیں کر سکتی۔ امام شافعی نے کہا: عورت

1۔ احکام القرآن لابن العربی — جلد 4

اپنے خاوند سے ظہار نہیں کر سکتی۔ امام اوزاعی نے کہا: جب عورت اپنے خاوند سے کہے: انت علی کظہر ابی او کظہر فلان تو یہ عورت کی جانب سے قسم ہو جائے گی وہ اس کا کفارہ دے گی۔ اسحاق نے اسی طرح کہا ہے: ایک عورت خاوند سے ظہار کرنے والی نہیں ہو سکتی لیکن اس پر قسم لازم ہو گی جس کا وہ کفارہ دے گی۔ زہری نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ وہ ظہار کا کفارہ دے اس کا یہ قول اس کے اور اس کے خاوند کے درمیان حقوق زوجیت کے اعتبار سے حائل نہیں ہو گا۔ یہ روایت ان سے معمر نے نقل کی ہے۔ ابن جریج نے عطا سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس پر جو امر حلال کیا تھا اس نے اسے حرام کر دیا اس پر کفارہ یمین ہو گا؛ یہ امام ابو یوسف کا قول ہے۔ محمد بن حسن نے کہا: اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔

مسئلہ نمبر 13۔ جسے کچھ جنون کا مرض ہو۔ کسی موقع پر اس کے کلام میں نظم پیدا ہو جائے جب وہ ظہار کرے تو اس پر ظہار لازم ہو جائے گا، کیونکہ حدیث طیبہ میں یہ روایت مروی ہے کہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ جن کے خاوند کا نام اوس بن صامت تھا اسے جنون کی کچھ شکایت تھی اور اس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا۔

مسئلہ نمبر 14۔ جس کو غصہ آئے اور وہ اپنی بیوی سے ظہار کر لے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کا غصہ اس کے حکم کو ساقط نہیں کرے گا۔ ایک حدیث کی سند میں ہے کہ یوسف بن عبد اللہ بن سلام نے حضرت خولہ جو حضرت اوس بن صامت کی زوجہ تھیں سے روایت نقل کی ہے حضرت خولہ نے کہا: میرے اور اس کے (خاوند) کے درمیان کچھ ناراضگی ہوئی تو اس نے کہا: انت علی کظہر امی تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے پھر وہ اپنی قوم کی مجلس کی طرف چلے گئے۔ حضرت خولہ کا قول کان بینی و بینہ شیء میں دلیل ہے کہ ان میں کوئی جھگڑا ہوا تھا جس نے انہیں مجبور کیا تو ان کے خاوند نے ان سے ظہار کر لیا۔ غضب ایسی چیز ہے یہ کسی حکم کو ختم نہیں کرتی اور نہ ہی شرعی حکم میں تبدیلی کرتی ہے، اسی طرح نشہ ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ جب خاوند نشہ کی حالت میں ہو اور وہ اپنے قول کو سمجھتا ہو اور کلام کو منظم کر سکتا ہو تو ظہار اور طلاق کا حکم اس پر لازم آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء:43) جس طرح سورۂ نساء میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ مظاہر اپنی بیوی کے قریب نہ آئے، اس سے مباشرت نہ کرے اور کسی بھی حوالے سے اس سے لذت حاصل نہ کرے یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کرے مگر امام شافعی نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں اختلاف کیا ہے کیونکہ خاوند کا یہ قول انت علی کظہر امی تقاضا کرتا ہے کہ ہر قسم کا استمتاع حرام ہو وہ لفظ کے ساتھ ہو یا اس کے معنی یعنی عمل کی صورت میں ہو۔

مسئلہ نمبر 17۔ اگر وہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے وطی کرے تو اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب ہو اور اس سے رک جائے یہاں تک کہ ایک کفارہ ادا کرے۔ مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: اس پر دو کفارے لازم ہیں۔ سعید نے قتادہ سے اور مطرف نے رجاء بن حیوہ سے وہ قبیصہ بن ذویب سے حضرت عمرو بن عاص سے مظاہر کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں: جب اس نے کفارہ ادا کرنے سے قبل وطی کی تو اس پر دو کفارے ہوں گے۔ معمر نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ قبیصہ بن

مذہب نے کہا: اس پر دو کفارے ہوں گے۔ ائمہ کی جماعت نے روایت کی جب کہ ان میں ابن ماجہ اور نسائی بھی ہیں: ایک آدمی نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تو کفارہ ادا کرنے سے قبل اس سے جماع کیا پھر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا آپ کے سامنے ذکر کیا آپ نے پوچھا: ”کس چیز نے تجھے اس امر پر برانگیختہ کیا؟“ اس نے عرض کی: میں نے چاندنی روشنی میں اس کے پازیب کی سفیدی کو دیکھا تو میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا تو میں نے اس سے جماع کر لیا۔ نبی کریم ﷺ ہنس پڑے اور اسے حکم دیا کہ ”وہ اس کے قریب نہ جائے یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کر لے“ (1)۔ ابن ماجہ اور دار قطنی نے سلیمان بن یسار سے وہ حضرت سلمہ بن صخر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ظہار کیا پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کر لیا پھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اسے ایک کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

مسئلہ نمبر 18۔ جب کوئی مرد ایک ہی کلمہ سے چار عورتوں سے ظہار کرے جس طرح وہ کہے: انتن علی کظہر امی تو ان میں سے ہر عورت سے ظہار کرنے والا ہوگا ان میں سے کسی سے بھی وطی کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہوگا اور صرف ایک کفارہ اس کے لیے کافی ہوگا۔ امام شافعی نے کہا: اسے چار کفارے لازم ہوں گے۔ آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ جمع کا لفظ عموم کے بارے میں ہے اختلاف معنی پر ہوگا۔ دار قطنی نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کہا کرتے تھے: جب ایک مرد کی چار بیویاں ہوں تو وہ ان سے ظہار کرے تو اسے ایک کفارہ ہی کافی ہوگا۔ اگر وہ ایک کے بعد دوسری سے ظہار کرے تو ہر ایک میں ایک کفارہ لازم آئے گا۔ یہی اجماع ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ اگر اس نے چار عورتوں سے کہا: اگر میں تم سے شادی کروں تو تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو۔ اس نے ان میں سے ایک عورت سے شادی کی تو وہ اس کے قریب نہ جائے یہاں تک کہ وہ کفارہ دے پھر سب عورتوں کے بارے میں اس کی قسم ختم ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ باقی عورتوں سے بھی وطی نہیں کر سکتا (شادی کے بعد) یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کرے۔ پہلا قول مذہب ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: انت علی کظہر امی، وانت طالق البتۃ (2) تو اسے طلاق اور ظہار دونوں لازم ہو جائیں گے وہ کفارہ نہیں دے گا یہاں تک کہ اس عورت سے ایک اور خاوند کے بعد نکاح کرے اور جب اس سے نکاح کر لیا تو کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے وطی نہ کرے۔ اگر اس نے کہا: انت طالق البتۃ وانت علی کظہر امی اسے طلاق لازم ہو جائے گی اور اسے ظہار لازم نہیں ہوگا کیونکہ جس کو طلاق بائنہ دی جا چکی ہو اسے ظہار لاحق نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ نمبر 21۔ بعض علماء نے کہا: جس بیوی سے حقوق زوجیت ادا نہ کیے ہوں اس کے ساتھ ظہار کرنا درست

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی الظہار، حدیث 1898، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب المظاہر یجامع قبل ان یکفر، حدیث 2054، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ یہاں البتہ سے مراد طلاق بائن ہی ہے جس طرح عبارت سے سمجھا جا رہا ہے جس طرح ابن عربی نے کہا ہے جب اس نے ظہار کے بعد تین طلاقیں دے دیں تو نکاح جدید کے بعد وہ عورت اس کی طرف لوٹی تو وہ وطی نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کرے۔

نہیں۔ مزنی نے کہا: مطلقہ رجعیہ سے ظہار صحیح نہیں۔ یہ قول کچھ بھی نہیں کیونکہ دونوں صورتوں میں زوجیت کے احکام باقی ہیں جس طرح ایسی عورت کو طلاق ہو سکتی ہے اسی طرح ظہار بھی ہو سکتا ہے۔ قیاس و نظر یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 22۔ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں۔ عام قرأت اُمَّهٰتِهِمْ ہے اہل حجاز کی لغت کے مطابق تا مکسور ہے جس طرح فرمایا: مَا هٰذَا بَشَرًا (یوسف: 31) فراء نے کہا: اہل نجد اور بنو تمیم کہتے ہیں: ما هذا بشر، ما هن أمهاتهم یہ مرفوع ہے۔ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ان کی مائیں نہیں مگر جنہوں نے انہیں جنا ہے ضرب المثل ہے ولدك من دمّى عقبيك تیری والدہ وہ ہے جس نے تیرے بعد خون بہایا۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ احزاب میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 23۔ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا منکر کا معنی ہے ایسی بات جو شرع میں معروف نہ ہو اور زور سے مراد جھوٹ ہے(1) وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ وہ عفو و غفور اس اعتبار سے ہے کہ اس نے کفارہ کو اس قول سے خلاصی کے لیے ذریعہ بنا دیا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

"جو لوگ ظہار کر بیٹھیں اپنی عورتوں سے پھر وہ پلٹنا چاہیں اس بات سے جو انہوں نے کہی تو (خاوند) غلام آزاد کرے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو (اس سے) آگاہ ہے۔ پس جو شخص غلام نہ پائے تو دو ماہ لگاتار روزے رکھے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو تو کھانا کھلائے ساٹھ مسکینوں کو، یہ اس لیے کہ تم تصدیق کرو اللہ اور اس کے رسول (کے فرمان) کی اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں اور منکرین کیلئے دردناک عذاب ہے"۔

اس میں بارہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ہے کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے اس لیے اسے حذف کر دیا گیا ہے یعنی فعليهم تحرير رقبة۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: كفارتهم عتق رقبة ظہار کے معاملہ میں جس قول پر تمام علماء کا اجماع ہے وہ ایک آدمی کا اپنی بیوی کو یہ کہنا ہے: انت علی کظھر امی یہ وہ قول منکر اور قول زور ہے جس کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں فرمایا ہے: وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا جس نے یہ

1۔ تفسیر بغوی

قول یہ اس پر اپنی بیوی سے وطی کرنا حرام ہے جس نے یہ بات کی پھر اس سے رجوع کیا تو اس پر کفارہ ظہار لازم ہوگا کیونکہ
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ یہ کلام اس بات پر
دلالت کرتا ہے کہ کفارہ ظہار صرف قول سے لازم نہیں آتا یہاں تک کہ اس کے ساتھ رجوع ملا ہوا ہو۔ یہ مشکل حرف ہے اس
میں اختلاف پایا جاتا ہے اس کے بارے میں سات اقوال ہیں: (۱) اس سے مراد وطی پر عزم ہے یہ امام ابو حنیفہ اور آپ کے
اصحاب کا مشہور قول ہے۔ امام مالک سے مروی ہے: اگر اس نے وطی کا عزم کر لیا تو یہ عود تصور ہوگا اگر اس نے وطی کا عزم نہ کیا
تو یہ عود نہ ہوگا (۲) اس سے ظہار کرنے کے بعد امساک (اپنے پاس روکے رکھنے پر عزم): یہ امام مالک کا قول ہے (۳) دونوں پر
اس کا عزم: یہ امام مالک کا موطا میں قول منقول ہے۔ امام مالک نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ
ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا کے بارے میں کہا: میں نے سنا کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے ظہار کرے پھر وہ اس
کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرنے اور اس کو اپنے پاس روکنے کا پختہ عزم کرے۔ اگر اس نے یہ عزم کر لیا تو اس پر کفارہ واجب
ہوگا۔ اگر اس نے اسے طلاق دے دی اور اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرنے اور اسے پاس رکھنے کا ارادہ نہ کیا تو اس پر
کوئی کفارہ نہ ہوگا۔ امام مالک نے کہا: اگر اس نے اس سے اس کے بعد شادی کی تو جب تک کفارہ ظہار ادا نہ کرے تو اس پر
کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ (۴) عود سے مراد وطی کرنا ہے اگر اس نے وطی نہ کی تو یہ عود نہ ہوگا: یہ حضرت حسن بصری اور امام مالک کا
نقطہ نظر ہے (۵) امام شافعی نے کہا: اس سے مراد ہے کہ ظہار کے بعد طلاق پر قادر ہونے کے باوجود وہ اس کو اپنی بیوی کی
حیثیت سے روکے رکھے کیونکہ جب اس نے ظہار کیا تھا تو اس نے تحریم کا قصد کیا تھا اگر اس نے اس کو طلاق دے دی تو اس
نے اس کے برعکس کرو یا جو اس نے حرمت واقع کرنے کا قصد کیا تھا اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ اگر وہ طلاق دینے سے رک گیا
تو وہ اس امر کی طرف لوٹ آیا جس پر وہ پہلے تھا تو اس پر کفارہ واجب ہوگا (۶) ظہار حرمت کو ثابت کرتا ہے اسے کفارہ ہی
ختم کر سکتا ہے۔ اس قول کے قائلین کے نزدیک عود کا معنی ہے اس کے ساتھ وطی کرنا مباح نہیں مگر اس صورت میں کہ پہلے وہ
کفارہ ادا کرے: یہ امام ابو حنیفہ آپ کے اصحاب اور لیث بن سعد کا نقطہ نظر ہے۔ (۷) اس سے مراد ظہار کے لفظ کو تکرار کرنا
ہے: یہ اہل ظواہر کا قول ہے۔ جو قیاس کی نفی کرتے ہیں انہوں نے کہا: اگر اس نے ظہار کا لفظ مکرر ذکر کیا تو یہی عود ہے اگر تکرار
ذکر نہیں کیا تو یہ عود نہیں: اس قول کو بکیر بن اشج، ابو العالیہ اور امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے: یہ فراء کا قول ہے۔ ابو
العالیہ نے کہا: آیت کا ظاہر اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا یعنی جو انہوں نے کہا اس
کی طرف لوٹتے ہیں۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ
ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا کے بارے میں روایت نقل کی ہے کہ اس سے مراد ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو کہتا ہے: اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّی
جب اس نے اپنی بیوی کو یہ کہا تو وہ اس پر حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ کفارہ ظہار ادا کرے (۱)۔ ابن عربی نے کہا: جہاں
تک اس قول کا تعلق ہے کہ اس سے مراد لفظ ظہار کی طرف لوٹنا ہے تو یہ قطعی طور پر باطل ہے یہ بکیر سے ثابت نہیں یہ ان سے

1۔ تفسیر طبری

ساتھ وہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے تو یہ کفارہ کو ساقط کرنے والا نہیں ہوگا اور اس کی قضا دے گا جس طرح اگر وہ نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرے گا۔

حضرت اوس بن صامت کی حدیث میں ہے جب نبی کریم ﷺ کو خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی سے حقوق زوجیت ادا کیے ہیں تو آپ نے اسے کفارہ کا حکم دیا؛ یہ اس میں نص ہے خواہ کفارہ عتق کی صورت میں ہو یا روزے کی صورت میں ہو یا کھانا کھلانے کی صورت میں ہو۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: کفارہ اطعام کی صورت میں ہو تو یہ جائز ہوگا کہ وہ وطی کرے پھر کھانا کھلائے۔ جہاں تک وطی کے علاوہ بوسہ، معاشرت اور لذت حاصل کرنے کا تعلق ہے تو اکثر علماء کے نزدیک حرام نہیں؛ یہ حضرت حسن بصری اور سفیان کا قول ہے؛ امام شافعی کا بھی صحیح مذہب یہ ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سب حرام ہیں اور سب کے معانی ہیں؛ یہ امام مالک، امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ اس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۝ یعنی تم جو کفارہ وغیرہ دیتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ جو نہ غلام پائے اور نہ ہی اس کی قیمت پائے یا مالک تو ہو مگر اس غلام کی اس کو شدید ضرورت ہو یا وہ غلام کی قیمت کا مالک تو ہو مگر اس کو اپنے نفقہ کے لیے اس رقم کی ضرورت ہو یا اس کا مسکن تو ہو اس کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہ ہو اور وہ اس کے علاوہ کوئی چیز نہ پاتا ہو تو اس کے لیے روزے رکھنا جائز ہے؛ یہ امام شافعی کا نقطہ نظر ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: وہ روزے نہ رکھے اس پر غلام کو آزاد کرنا لازم ہے اگرچہ اسے اس کی ضرورت بھی ہو۔ امام مالک نے کہا: جب اس کا گھر ہو اور اس کے پاس خادم بھی ہو تو اس پر غلام آزاد کرنا لازم ہوگا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اگر وہ غلام آزاد کرنے سے عاجز ہو تو اس پر دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنا لازم ہوں گے اگر اس نے عذر کے بغیر ان میں افطار کیا تو وہ نئے سرے سے روزے رکھے اگر اس نے سفر یا مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بنا کرے؛ یہ ابن مسیب، حضرت حسن بصری، عطا بن ابی رباح، عمرو بن دینار اور امام شافعی کا نقطہ نظر ہے۔ یہ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے اور یہی ان کا صحیح مذہب ہے۔ امام مالک نے کہا: جب وہ کفارہ ظہار کے روزوں میں بیمار ہو گیا تو جب صحیح ہو تو پہلے روزوں پر بنا کرے۔ امام اعظم ابوحنیفہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ نئے سرے سے روزے رکھے۔ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ جب اس نے روزے شروع کر دیے پھر غلام پایا تو روزوں کو مکمل کرے؛ یہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے کیونکہ جب وہ ان میں داخل ہوا تو اسے روزوں کا ہی حکم دیا گیا تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک روزے اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائیں گے اور وہ غلام آزاد کرے گا۔ وہ اسے اس شخص پر قیاس کرتے ہیں جو

1۔ تفسیر بغوی

مسئلہ نمبر 13۔ اگر اس نے دو کفارہ ظہار کی جانب سے یا قتل اور رمضان کا روزہ توڑنے کی وجہ سے دو غلام آزاد کیے اور ان دونوں کو ہر ایک میں شریک کیا تو یہ اس کے لیے جائز نہیں ہوگا۔ یہ اس کے قائم مقام ہوگا کہ اس نے دو کفاروں کی جانب سے ایک غلام کو آزاد کیا ہو۔ اسی طرح اگر اس نے ان دونوں کی جانب سے چار ماہ کے روزے رکھے یہاں تک کہ ان دونوں میں سے ہر ایک جانب سے دو ماہ کے روزے رکھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس کے لیے جائز ہوگا۔ اس نے اپنی دو عورتوں سے ظہار کیا اس نے ایک کی جانب سے ایک غلام آزاد کر دیا مگر کسی عورت کا تعین نہ کیا تو اس کے لیے ان دونوں میں سے کسی سے بھی وطی کرنا جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ دوسرا کفارہ ادا کرے۔ اگر ان دونوں عورتوں میں سے ایک کا تعین کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس کے ساتھ وطی کرے اور دوسری کی جانب سے بعد میں کفارہ ادا کرے۔ اگر اس نے چار عورتوں سے ظہار کیا تو اس نے ان کی طرف سے تین غلام آزاد کیے اور دو ماہ کے روزے رکھے تو اس کے لیے غلام آزاد کرنا اور روزے رکھنا جائز نہ ہوگا کیونکہ اس نے ہر ایک عورت کی جانب سے پندرہ روزے رکھے ہیں۔ اگر اس نے اس کا کفارہ کھانا کھلانے کی صورت میں دیا تو اس پر دو سو مسکینوں کو کھانا کھلانا جائز ہوگا اگر اکٹھے کھانا کھلانے پر قادر نہ ہو تو الگ الگ کھانا کھلائے لیکن غلام آزاد کرنے اور روزہ رکھنے میں تفریق نہیں کر سکتا کیونکہ دو ماہ کے روزوں میں تفریق نہیں کر سکتا اور کھانا کھلانے میں تفریق کر سکتا ہے۔

فصل

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں کفارہ کو ذکر ترتیب وار کیا ہے۔ روزے رکھنے کی صورت نہ ہوگی یہاں تک کہ غلام آزاد کرنے سے عاجز نہ ہو اسی طرح کھانا اس وقت تک نہیں کھلا سکتا جب تک روزے رکھنے پر قادر ہو جو آدمی روزے نہیں رکھ سکتا اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہوگا ہر مسکین کے لیے نبی کریم ﷺ کے مد کے حساب سے دو مد لازم ہوں گے اگر اس نے ہشام کی مد سے کھانا دیا تو 1/2/3 یا نبی کریم ﷺ کے مد کے حساب 1/1/2 مد دیا تو بھی جائز ہو جائے گا۔

ابو عمر بن عبد البر نے کہا: افضل، نبی کریم ﷺ کے مد کے حساب سے دو مد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفارہ ظہار میں یہ ارشاد نہیں فرمایا: مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ (المائدہ: 89) اس لیے سیر ہو کر کھلانے کا ارادہ واجب ہے۔ ابن عربی نے کہا: امام مالک نے ابن قاسم اور ابن عبد الحکم کی روایت میں کہا: ایک مد ہشام کے مد کے حساب سے اور اسی سے یہاں سیر ہوا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں طعام کو مطلق ذکر کیا ہے اور وسط کا ذکر نہیں کیا۔ اشہب کی روایت میں ہے: نبی کریم ﷺ کے مد کے حساب سے دو مد۔ انہیں کہا گیا: کیا تو ہشام کے مد کے حساب سے نہیں کہا کرتا تھا؟ کہا: کیوں نہیں، نبی کریم ﷺ کے مد کے حساب سے دو مد مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ ابن قاسم نے بھی اس سے اسی طرح نقل کیا۔

میں کہتا ہوں: یہ ابن وہب اور مطرف کی امام مالک سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے مد کے حساب سے دو مد ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ امام شافعی وغیرہ علماء کا مذہب یہ ہے کہ ہر مسکین کو ایک مد دے اس پر اس سے زائد لازم نہیں ہوگا کیونکہ وہ کھانا کھلانے کی صورت میں کفارہ ادا کر رہا ہے اس پر ایک مد سے زیادہ دینا لازم نہیں

آفت کا باعث اور زیادہ قوت کا باعث ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ ساٹھ سے کم مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: اگر ہر روز ایک ہی مسکین کو نصف صاع دے یہاں تک کہ ساٹھ کا عدد پورا ہو جائے تو یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر 3۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: عجیب و غریب بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا: آزاد آدمی پر حجر[1] کرنا باطل ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ سے استدلال کیا ہے کہ رشید اور سفیہ میں فرق نہیں کیا۔ یہ کمزور فقہ ہے جو ان کی شان کے مناسب نہیں۔ یہ آیت عام ہے اور اصحاب رسول میں حجر کا فیصلہ عام تھا اور مصالح کو پیش نظر رکھنا اس کا تقاضا کرتا ہے جس پر چھوٹی عمر یا ولایت کی وجہ سے حجر ہو اور وہ سفیہ کی حیثیت میں بالغ ہو، مال اسے دینے سے منع کیا ہے تو اس کا عمل اس میں کیسے نافذ ہوگا؟ جب کہ خاص، عام پر غالب آ جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ بعض علماء کے نزدیک ظہار کا حکم اس ظہار کے لیے ناسخ ہے جو ان لوگوں میں طلاق کے طور پر موجود تھا۔ اس کا ہم معنی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابوقلابہ اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ کفارہ میں جس تغلیظ کا ذکر کیا ہے اس لیے ہے کہ تم اس بات کی تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ کفارہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے جب اس کا ذکر کیا تو اسے واجب کر دیا۔ فرمایا: یہ اس لیے ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے مطیع ہو جاؤ اس کی قائم کردہ حدود پر رک جاؤ ان سے تجاوز نہ کرو اسے تکفیر کا نام دیا کیونکہ یہ طاعت ہے اور ایمان کی حیثیت سے حد کی رعایت کرتا ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر وہ چیز جو اس کے مشابہ ہو وہ ایمان ہے اگر یہ سوال کیا جائے: اس کا معنی یہ ہے کہ تم ظہار کی طرف نہ لوٹو جو منکر قول اور جھوٹ ہے۔ اسے کہا جائے گا: یہ جائز ہے کہ یہ مقصود ہو اور پہلا قول بھی مقصود ہو اور معنی یہ ہو کہ یہ اس لیے ہے کہ تم قول منکر اور جھوٹ کی طرف نہ لوٹو بلکہ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے ان دونوں کو چھوڑ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حرام قرار دیا ہے اور جن عورتوں سے ظہار کیا ہے ان سے اجتناب کرو یہاں تک کہ تم کفارہ دے لو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسی عورتوں سے حقوق زوجیت ادا کرنے سے منع کیا ہے۔ اور کفارہ ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفارہ کا حکم دیا ہے اور اس کی ادائیگی کو لازم کیا ہے اس کے ساتھ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے ہو جاؤ گے کیونکہ یہ ایسی حدود ہیں جس کی تم حفاظت کر رہے ہو اور ایسی اطاعتیں ہیں جن کو تم ادا کرتے ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔

1۔ امام اعظم کے نزدیک حجر کا نتیجہ تصرفات کی اجازت نہ ہونا (بلکہ اس کا نتیجہ ولی کی اجازت پر موقوف ہونا) ہے جن اسباب کی وجہ سے [illegible] بچہ، غلام اور پاگل پن۔ جب بچہ بالغ ہو [illegible] تو اس کا مال اس کے حوالے کرنے سے منع کیا گیا ہے [illegible] معاملات کی اجازت دی گئی تاکہ تجربہ [illegible] جب وہ پچیس سال کا ہو جائے تو مال اس کے حوالے کرنے کا حکم ہے اس کے بعد کوئی روک [illegible] اس مذہب کے اصول پر تعجب ہی کیا جا سکتا ہے۔ مترجم

يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا تمام مردوں اور عورتوں کو ان کی قبروں سے ایک ہی حالت میں اٹھائے گا۔

فَيُنَبِّئُهُمْ یعنی انہیں خبر دے گا۔ بِمَا عَمِلُوْا دنیا میں جو عمل کرتے رہے أَحْصٰهُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کے صحیفوں کو شمار کر رکھا ہے وَنَسُوْهُ وہ اسے بھول چکے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے اعمال کے صحیفوں میں یاد کرایا تاکہ حجت ان پر زیادہ بلیغ ہو جائے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اللہ تعالیٰ مطلع ہے اور وہ دیکھ رہا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوْا ۖ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں وہ ہوں پھر وہ انہیں آگاہ کرے گا جو (کرتوت) وہ کرتے رہے قیامت کے دن، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ اس پر کوئی راز مخفی ہے اور نہ ہی اعلانیہ بات۔ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى عام قرأت یاء کے ساتھ ہے کیونکہ فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ ہے۔ ابو جعفر بن قعقاع، اعرج، ابو حیوہ اور عیسیٰ نے ما تکون پڑھا ہے کیونکہ فعل مونث ہے۔ نجویٰ کا معنی راز داری ہے۔ یہ مصدر ہے اور مصدر کے ساتھ بھی صفت لگائی جاتی ہے یہ کہا جاتا ہے: قوم نجوی یعنی قوم ذو نجوی اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَإِذْ هُمْ نَجْوٰى (الاسراء: 47)

ثَلٰثَةٍ یہ مجرور ہے کیونکہ نجوی کا لفظ اس کی طرف مضاف ہے۔ فراء نے کہا: یہ نجوی کی صفت ہے اس وجہ سے مجرور ہے اگر تو چاہے تو نجوی کو اس کی طرف مضاف کر دے اگر تو فعل کو مضمر مانتے ہوئے نصب دے تو یہ جائز ہے یہ ابن ابی عبلہ کی قرأت ہے۔ ثَلٰثَةً اور خَمْسَةً حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہوں گے جب کہ یتناجون مضمر ہو کیونکہ نجوی اس پر دلالت کرتا ہے: یہ زمخشری کا قول ہے۔ ثلاثہ پر رفع پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ نجوی کے محل سے بدل ہے۔ پھر یہ کہا گیا: جو راز داری نجوی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نجوی تین افراد میں ہوتی ہے وہ کسی امر کو چھپاتے ہیں اور اس کے بارے میں مشورہ کرتے ہیں اور اسرار اسے کہتے ہیں جو بات دو افراد کے درمیان ہوتی ہے۔

إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وہ جانتا ہے اور ان کی سرگوشی کو سنتا ہے اسی چیز پر آیت کا آغاز اور اختتام دلالت کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نجوی نجوۃ سے مشتق ہے اس سے مراد ابھری ہوئی زمین ہے دو سرگوشیاں کرنے والے سرگوشیاں کرتے ہیں اور راز داری میں تنہائی کا ماحول پیدا کرتے ہیں جس طرح زمین میں سے بلند جگہ متصل جگہوں سے الگ تھلگ ہوتی ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کی قوت سماعت ہر کلام کو محیط ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے مجادلہ کو سن لیا ہے جس

مسئلہ نمبر 1۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ یہودیوں اور منافقوں کے بارے میں ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ مومنوں کے بارے میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت یہودیوں اور منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی وہ مومنوں کو دیکھتے اور آنکھوں سے اشارہ کرتے۔ مومن کہتے: شاید انہیں ہمارے مہاجر اور انصاری بھائیوں اور رشتہ داروں کے بارے میں شہادت، مصیبت، دو شکست کے بارے میں خبر پہنچی ہے۔ یہ امر انہیں پریشان کرتا ان کی شکایات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں زیادہ ہو گئیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نجوی سے منع کیا تو وہ دوبارہ کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور یہودیوں کے درمیان لاتعلقی کی تھی جب کوئی مومن ان کے پاس سے گزرتا تو وہ آپس میں مشورہ کرتے یہاں تک کہ مومن کسی برائی کا گمان کرتا تو وہ مومن اپنا راستہ چھوڑ دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کیا تو وہ نہ رکے۔ حضرت عبد الرحمن بن زید بن اسلم نے کہا: کوئی آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اپنی ضرورت پیش کرتا اور سرگوشی کا انداز اپناتا ان دنوں جنگ کا دور دورہ تھا صحابہ کرام یہ گمان کرتے کہ یہ آدمی آپ سے جنگ، مصیبت یا کسی اہم امر کے بارے میں سرگوشی کر رہا ہے تو اس وجہ سے صحابہ کرام گھبرا جاتے تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے: ایک روز ہم گفتگو کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے پوچھا: "یہ سرگوشیاں کیا ہیں؟ کیا تم سرگوشی سے باز نہیں آؤ گے؟" ہم نے عرض کی: ہم نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا یا رسول اللہ! ہم دجال کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جب کہ ہم ڈر رہے تھے۔ فرمایا: "کیا میں تمہیں اس امر کے بارے میں خبر نہ دوں جو میرے نزدیک اس سے بھی زیادہ خوف کی ہے۔" ہم نے عرض کی: کیوں نہیں یا رسول اللہ! فرمایا: "شرک خفی اور وہ یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی آدمی کے ہاں مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے لیے کوئی کام کرے"۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ حمزہ، خلف اور رویس نے یعقوب سے وینتجون، ینتھون کے وزن پر پڑھا ہے۔ یہ حضرت عبد اللہ اور ان کے اصحاب کی قراءت ہے۔ باقی قراء نے ویتناجون، یتفاعلون کے وزن پر پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذَا تَنَاجَيْتُمْ اور تَتَنَاجَوْا۔ نحاس نے کہا: سیبویہ نے حکایت بیان کی ہے کہ باب تفاعل اور افتعال ایک ہی معنی میں آتے ہیں جس طرح تخاصموا اور اختصموا، تقاتلوا اور اقتتلوا۔ اس وجہ سے یتناجون اور ینتجون ہم معنی ہیں بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ سے مراد جھوٹ اور ظلم ہے۔ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ رسول اللہ کی مخالفت۔ ضحاک اور مجاہد نے ومعصیات الرسول جمع کے صیغہ کے طور پر پڑھا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ علماء میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کا مصداق یہودی ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور کہتے: السام علیک وہ ظاہر میں سلام اور باطن میں موت مراد لیتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کہتے "علیکم"۔ یہ ایک روایت میں ہے اور دوسری روایت میں ہے وعلیکم۔ ابن عربی نے کہا: یہ مشکل

1۔ [illegible]

شیطان کو اس سے دور کردے۔

مسئلہ نمبر 2۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تین افراد ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشیاں نہ کریں"۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم تین ہو تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشیاں نہ کریں یہاں تک کہ تم لوگوں میں گھل مل جاؤ کہ وہ اکیلا غمگین نہ ہو"۔ اس حدیث میں اس منع کرنے کی علت بیان کر دی ہے وہ یہ ہے کہ تیسرا آدمی اس کو پائے جس کے ساتھ وہ گفتگو کرے جس طرح حضرت ابن عمر نے کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ایک آدمی کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے تو ایک اور آدمی آگیا جو آپ سے سرگوشی کرنا چاہتا تھا تو آپ نے اس سے راز داری سے بات نہ کی یہاں تک کہ چوتھے آدمی کو بلایا تو آپ نے اسے اور پہلے آدمی کو کہا: تم دونوں پیچھے ہو جاؤ اور جو سرگوشیاں کرنا چاہتا تھا اس کے ساتھ سرگوشی کی۔ اسے امام موطا نے نقل کیا ہے۔ اس میں علت پر تنبیہ بھی ہے۔ من اجل ان یحزنہ۔ یعنی اس کے دل میں ایسی بات واقع ہو جائے جو غمگین کرے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے دل میں سوچے کہ یہ بات اس کے متعلق ہے جو اسے ناپسند ہے یا انہوں نے اسے اس کے اہل نہیں سمجھا کہ وہ اسے اپنی بات میں شریک کریں اس کے علاوہ شیطان کے وساوس اور نفس کے توہمات ہو سکتے ہیں یہ سب صورتیں تب ہو سکتی ہیں کہ وہ اکیلا رہ گیا ہو جب اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہو تو وہ اس سے امن میں ہوگا اس علت کی بنا پر تمام عدد اس حکم میں برابر ہوں گے۔ چار ایک کو چھوڑ کو سرگوشی نہ کریں اور دس ایک کو چھوڑ کر اسی طرح ایک ہزار کیونکہ یہی وجہ اس عدد میں بھی پائی جا رہی ہے بلکہ کثیر تعداد میں اس کا وجود زیادہ واقع ہے اس لیے اسے منع کرنا زیادہ مناسب ہے۔ تین کا خصوصی ذکر کیا کیونکہ یہ پہلا وہ عدد ہے جس میں یہ معنی پایا جاتا ہے۔ اس حدیث کا ظاہر تمام زمانوں اور احوال کو شامل ہے؛ اسی طرف حضرت ابن عمر، امام مالک اور جمہور گئے ہیں۔ خواہ سرگوشی کسی مستحب امر کی ہو، مباح میں ہو یا واجب میں ہو کیونکہ غم ان میں واقع ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ یہ ابتداء اسلام میں تھا کیونکہ یہ حکم منافقین کے بارے میں تھا منافق مومنوں کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشیاں کیا کرتے تھے جب اسلام عام ہو گیا تو یہ حکم ساقط ہو گیا۔ بعض نے کہا: یہ حکم سفر میں ایسے مواقع پر ہوتا ہے جس میں ایک آدمی اپنے ساتھی سے امن میں نہیں ہوتا جہاں تک شہر اور آبادی کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہاں وہ ایسے شخص کو پاتا ہے جو اس کی مدد کر سکتا ہے سفر کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہاں دھوکے کا امکان ہوتا ہے اور مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

"اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ (آنے والوں کے لیے) جگہ کشادہ کر دو مجلس میں تو کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہارے لیے کشادگی فرمائے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو اللہ تعالیٰ ان کے جو

دیتا ہے کہ ہر ایک کے لیے ایک مجلس ہے اسی طرح اگر جنگ کا ارادہ کیا جائے اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ مسجد نبوی کا ارادہ کیا جائے۔ صیغہ جمع کا ذکر کیا کہ ہر بیٹھنے والے کے لیے ایک مجلس ہے اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ اگر مجلس سے مراد نبی کریم ﷺ کی مجلس ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ جنس کے اعتبار سے جمع مراد ہو جس طرح عربوں کا قول ہے: کثرت لدینار والدرہم۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ یہ ہر مجلس میں عام ہے جس میں مسلمان خیر اور اجر کے لیے جمع ہوں خواہ جنگ کی مجلس ہو، ذکر کی مجلس ہو یا جمعہ کے دن کی مجلس ہو کیونکہ ہر ایک اپنی جگہ کا زیادہ حق دار ہے جس کی طرف وہ سبقت لے گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جو ایسی جگہ کی طرف سبقت لے گیا جس کی طرف پہلے کوئی سبقت نہیں لے گیا تھا تو وہ اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے مگر وہ اپنے بھائی کے لیے جگہ وسیع کر دے جب تک اس سے اذیت میں مبتلا نہ ہو کہیں تنگی اسے اپنی جگہ سے نہ نکال دے“۔

امام مسلم حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کوئی آدمی کسی آدمی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے پھر اس میں خود بیٹھے“ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع کیا کہ ایک آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھایا جائے اور اس میں کوئی آدمی بیٹھے بلکہ کھل جاؤ اور جگہ کو وسیع کر دو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس امر کو ناپسند کرتے تھے کہ ایک آدمی اپنی جگہ سے اٹھ جائے پھر اسی جگہ بیٹھے۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ جب لوگوں میں سے کوئی مسجد کی ایک جگہ میں بیٹھے تو کسی اور کے لیے جائز نہیں کہ اسے اٹھائے اور اس کی جگہ بیٹھے۔ امام مسلم نے ابوزبیر سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ”تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو جمعہ کے روز اپنی جگہ سے نہ اٹھائے پھر اس کے بیٹھنے کی جگہ کی طرف آئے اور اس میں بیٹھ جائے بلکہ یہ کہے کھل جاؤ“۔

مسئلہ۔ کسی جگہ بیٹھنے والا شخص جب اٹھے یہاں تک کہ کوئی اور اس کی جگہ بیٹھ جائے تو اس میں غور و فکر کیا جائے گا اگر وہ جگہ جس کے لیے وہ اٹھا ہے وہ امام کا کلام سننے میں پہلے کی طرح ہے تو اس کے لیے یہ مکروہ نہیں اگر وہ جگہ امام سے دور ہے تو یہ اس کے لیے مکروہ ہے کیونکہ اس میں اپنے حصہ کو فوت کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب کوئی انسان دوسرے انسان کو کہے کہ وہ جامع مسجد کی طرف جلدی جائے وہ اس کے لیے ایک جگہ مختص کر دے جہاں وہ آ کر بیٹھے تو یہ مکروہ نہیں جب کہنے والا آئے تو پہلے سے موجود شخص اس کے لیے اٹھ کھڑا ہو کیونکہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت ابن سیرین کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنے غلام کو جمعہ کے روز بھیجتے کہ وہ ان کے لیے جگہ بنائے وہ غلام ان کے لیے ایک جگہ بیٹھ جاتا جب وہ آتے تو وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوتا۔

مسئلہ۔ اس صورت میں یہ مسئلہ مستنبط کیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی قالین یا سجادہ بھیجے تو مسجد کی کسی جگہ اس کے لیے بچھا دیا جائے تو یہ جائز ہوگا۔

مسئلہ نمبر 5۔ امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اذا قام احدکم اور ابو عوانہ کی حدیث میں ہے من قام من مجلسہ یعنی جو آدمی اپنی جگہ سے اٹھا پھر وہ اسی جگہ کی طرف لوٹا تو وہ

کو ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک غنی کو دیکھا جو ایک فقیر سے نفرت کی وجہ سے اپنے کپڑے کو سمیٹ رہا تھا جس فقیر نے اس کے پاس بیٹھنے کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اے فلاں! کیا تجھے ڈر ہوا کہ تیری غنا اس کی طرف متعدی ہو جائے گی یا اس کا فقر تیری طرف متعدی ہو جائے گا"۔

اس آیت میں اس امر کو واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں رفعت و بلندی علم و ایمان کے ساتھ ہے مجالس میں آگے بیٹھنے کے ساتھ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن حکیم کو پڑھا۔ یحییٰ بن یحییٰ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ سے مراد صحابہ ہیں۔ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے عالم اور حق کے طالب کو بلند فرماتا ہے۔

میں کہتا ہوں: مسئلہ میں عموم زیادہ وقیع اور آیت کے معنی کے زیادہ مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلی دفعہ مومن کو اس کے ایمان کے ساتھ اور دوسری دفعہ اس کے علم کے ساتھ بلند فرماتا ہے۔ صحیح میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس کو شیوخ پر مقدم رکھتے تھے صحابہ نے آپ سے اس بارے میں گفتگو کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو بلایا اور حضرت عبداللہ بن عباس کو بھی بلایا صحابہ سے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ کی تفسیر کے بارے میں پوچھا تو صحابہ خاموش ہو گئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے وصال کا وقت ہے جس بارے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اسے وہی جانتا ہوں جو آپ جانتے ہیں۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر آئے اور اپنے بھتیجے حر بن قیس بن حصن کے ہاں ٹھہرے لوگوں میں سے کچھ ایسے تھے جنہیں حضرت عمر اپنے قریب بٹھاتے تھے۔ قراء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصحاب مجلس اور اہل مشورہ ہوا کرتے تھے وہ بڑی عمر کے ہوتے یا جوان ہوتے۔ یہ چیز سورۂ اعراف کے آخر میں واقع ہوئی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نافع بن عبد حارث حضرت عمر سے عسفان میں ملے حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں مکہ مکرمہ کا عامل بنانا چاہتے تھے۔ پوچھا: اہل وادی پر کس کو آپ نے عامل بنایا ہے؟ جواب دیا: ابن ابزی کو۔ پوچھا: ابن ابزی کون ہے؟ جواب دیا: وہ ہمارے غلاموں میں سے ایک غلام ہے۔ پوچھا: کیا آپ نے ان پر ایک غلام کو عامل بنایا ہے؟ جواب دیا: وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا قاری ہے وہ فرائض کا علم رکھنے والا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خبردار! تمہارے نبی نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کئی لوگوں کو رفعت عطا فرماتا ہے اور اس کے ذریعے دوسروں کو پست کرتا ہے"۔ کتاب کے شروع میں بحث گزر چکی ہے۔ علم و علماء کی فضیلت کے حوالے سے گفتگو اس کتاب میں کئی اور مواقع پر گزر چکی ہے۔ والحمدللہ

نبی کریم ﷺ سے روایت مروی ہے کہ فرمایا: "عالم اور عابد کے درمیان ستر درجے ہیں اور ہر درجے کے درمیان تیز رفتار گھوڑے کی ستر سال کی مسافت حائل ہے"۔ نبی کریم ﷺ سے یہ بھی مروی ہے: "عالم کی عابد پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہوتی ہے"۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے: قیامت کے روز تین

باوجود اسے منسوخ کر دیا۔ یہ معتزلہ پر عظیم رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ احکام میں مصالح کا التزام ضروری ہے لیکن اس حدیث کا راوی عبد الرحمن بن زید کا بیٹا ہے علماء نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ یہ معتزلہ کے رد میں نص متواتر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام ترمذی نے علی بن علقمہ انماری سے وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب یہ آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً نازل ہوئی تو میں نے آپ سے پوچھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: ”دینار کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟“ میں نے عرض کی: وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ فرمایا: ”نصف دینار؟“ میں نے عرض کی: وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ فرمایا: ”تو کتنا؟“ میں نے عرض کی: جو (کے دانے) کے برابر وزن۔ فرمایا: ”تو تو بہت ہی زہد اختیار کرنے والا ہے“ تو یہ آیت نازل ہوئی ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ کہا: میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت سے تخفیف فرمائی۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے اسی سند سے ہی پہچانتے ہیں۔ ان کے قول شعیرۃ (جو) کا معنی ہے سونے میں سے جو کا وزن۔ ابن عربی نے کہا: یہ امر دو اصولی اچھے مسائل پر دلالت کرتا ہے (1) عبادت پر عمل سے پہلے ہی منسوخ کرنا (2) معین مقداروں میں قیاس کے ذریعے غور و فکر کرنا جب کہ امام ابو حنیفہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

میں نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ نسخ صدقہ کے عمل کے بعد ہوا جو اس سے مروی ہے کہ اس بارے میں سب سے پہلے صدقہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سرگوشی کی۔ ان کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے انگوٹھی کا صدقہ کیا۔ قشیری اور دوسرے علماء نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا: کتاب اللہ میں ایک ایسی آیت ہے جس پر مجھ سے قبل کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد اس پر کوئی عمل کرے گا وہ یہ آیت ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً میرے پاس ایک دینار تھا جس کو میں نے بیچا جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرتا تو میں ایک درہم صدقہ کرتا یہاں تک کہ وہ درہم ختم ہو گئے۔ تو اسے ایک دوسری آیت کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو بعد والی آیت سے منسوخ کر دیا۔ حضرت ابن عمر نے کہا: حضرت علی شیر خدا کے لیے تین خصوصیات ایسی تھیں اگر ان میں سے ایک بھی میرے لیے ہوتی تو وہ مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی۔ (1) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح (2) غزوہ خیبر کے موقع پر جھنڈے کا عطا کیا جانا (3) سرگوشی والی آیت۔ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ صدقہ کرنے سے پہلے یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور نافرمانیوں سے پاکی کے لیے تمہارے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اے فقراء! اگر تم نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ تَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ قتادہ نے کہا: مراد منافق ہیں جنہوں نے یہودیوں سے دوستی کی مَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ وَلَا مِنۡهُمۡ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: منافق یہودیوں اور مسلمانوں میں سے نہیں بلکہ وہ ان دونوں طبقات کے درمیان مذبذب ہیں۔ وہ مسلمانوں کی خبریں ان تک پہنچاتے تھے۔ سدی اور مقاتل نے کہا: یہ آیت عبداللہ بن ابی اور عبداللہ بن نبتل منافق کے حق میں نازل ہوئی ان میں سے ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتا تھا پھر آپ کی گفتگو یہودیوں تک پہنچاتا تھا۔ اس اثناء میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجروں میں سے ایک حجرہ میں تھے کہ فرمایا: ”ابھی تم پر ایک ایسا آدمی داخل ہوگا جس کا دل جبار کا دل ہے اور وہ شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے“۔ تو عبداللہ بن نبتل داخل ہوا۔ اس کی آنکھیں نیلی، رنگ گندمی، قد چھوٹا اور داڑھی کے بال تھوڑے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا بھلا کہتے ہیں؟“ اس نے قسم اٹھائی کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ”تو نے ایسا کیا ہے“۔ وہ گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے آیا تو انہوں نے اللہ کے نام کی قسم اٹھائی کہ انہوں نے آپ کو گالی نہیں دی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس کے ہم معنی قول کیا ہے۔ عکرمہ نے ان سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے سایہ آپ سے سمٹنے والا تھا کہ آپ نے فرمایا: ”تمہارے پاس ابھی ایسا آدمی آئے گا جس کی آنکھیں نیلی ہوں گی وہ تمہیں شیطان کی آنکھ سے دیکھے گا“ ہم اسی طرح تھے کہ ایک آدمی آیا جس کی آنکھیں نیلی تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا فرمایا: ”تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا بھلا کہتے ہیں؟“ اس نے جواب دیا: مجھے چھوڑیں میں انہیں لے آتا ہوں۔ وہ گیا اور انہیں لے آیا ان سب نے قسم اٹھائی کہ ایسی کوئی بات نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ یہودیوں کا ذکر قرآن حکیم میں غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے لیے جہنم میں شدید عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ درک اسفل ہے اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ۝ یعنی ان کے اعمال کتنے برے ہیں۔

اِتَّخَذُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ جُنَّةً قتل سے بچنے کے لیے قسم کو ڈھال بناتے ہیں۔ حضرت حسن بصری اور ابوالعالیہ نے کہا: یہاں ایمانہم ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اور سورۃ المنافقون میں بھی اسی طرح ہے انہوں نے اپنے اقرار کو ڈھال بنا لیا ہے ان کی زبانیں قتل کے خوف سے ایمان لائی ہیں اور ان کے دلوں نے کفر کیا ہے۔

فَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ۝ دنیا میں قتل اور آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔ صد سے مراد اسلام سے روکنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عذاب سے مراد کفر کی وجہ سے قتل ہے جب انہوں نے نفاق کو ظاہر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ عذاب خوف پیدا کرنے، مسلمانوں کو جہاد سے روکنے اور ان کو ڈرانے کی وجہ سے ہوگا۔

لَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ۝ يَوۡمَ يَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيۡعًا فَيَحۡلِفُوۡنَ لَهٗ كَمَا يَحۡلِفُوۡنَ لَكُمۡ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ عَلٰى شَىۡءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ۝ اِسۡتَحۡوَذَ عَلَيۡهِمُ الشَّيۡطٰنُ

انہیں جمع کر لیا تو وہ ان پر غالب آ گیا، ان پر قوی ہو گیا اور ان کو احاطہ میں لے لیا۔

فَأَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ذکر سے اس کے اوامر مراد ہیں۔ جب انسان طاعت کر رہا ہے تو وہ امر کو بھلا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد زواجر ہیں یعنی اس کی معصیت سے جو جھڑکنے والی چیزیں تھیں، انہیں بھلا دیا۔ نسیان کبھی غفلت کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی ترک کی صورت میں ہوتا ہے یہاں دونوں وجوہ کا احتمال ہے۔

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ حزب سے مراد طائفہ اور رہط ہے۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ یعنی وہ اپنی تجارت میں خسارہ پانے والے ہیں کیونکہ انہوں نے جہنم کے بدلے جنت کو بیچ دیا ہے اور گمراہی کے بدلے ہدایت کو بیچ دیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

"بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آ کر رہیں گے"۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ سورت کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝ وہ ذلیل لوگوں میں سے ہیں ان سے بڑھ کر کوئی ذلیل نہیں۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ یعنی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ انہیں ضرور غالب کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے؛ یہ قتادہ سے مروی ہے۔ فراء نے کہا: كَتَبَ یہ قال کے معنی میں ہے۔ انا یہ ضمیر تاکید کے لیے ہے۔ وَرُسُلِيْ جس کو جہاد کے حکم کے ساتھ مبعوث کیا گیا وہ جہاد کے ساتھ غالب آئے گا، جس کو حجت کے ساتھ مبعوث کیا گیا وہ حجت کے ساتھ غالب آئے گا۔ مقاتل نے کہا: مومنوں نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مکہ، طائف، خیبر اور اس کے اردگرد کے علاقوں پر فتح دی تو ہم امید رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فارس اور روم پر بھی فتح دے گا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا: کیا تم روم اور فارس کو ان دیہاتوں کی طرح سمجھتے ہو جن پر تم غالب آ گئے ہو؟ اللہ کی قسم! وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور قوت میں اس سے بہت سخت ہیں جتنا تم ان کے بارے میں گمان کرتے ہو تو یہ آیت نازل ہوئی اس کی مثل وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (الصافات) ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

"تو کوئی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر کہ وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ

اَوْ اَبْنَآءَهُمْ مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو دعوت مبارزت دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوبکر! ہمیں اپنی ذات سے لطف اندوز کر کیا تو نہیں جانتا کہ تو میرے ہاں کان اور آنکھ کی طرح ہے"۔ اَوْ اِخْوَانَهُمْ مراد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے غزوہ بدر کے موقع پر اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کر دیا تھا۔ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ مراد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بدر کے دن قتل کیا تھا اور حضرت علی شیر خدا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما ہیں جنہوں نے بدر کے دن عتبہ، شیبہ اور ولید کو قتل کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے حق میں نازل ہوئی جب فتح مکہ کے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے متعلق انہوں نے اہل مکہ کو خط لکھا۔ جس کی وضاحت سورۃ ممتحنہ کے شروع میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ اس امر کو واضح کیا کہ کفار کی دوستی کی وجہ سے ایمان میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اگرچہ وہ قریبی ہوں۔

مسئلہ نمبر 2۔ امام مالک نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قدریہ سے دشمنی کی جائے اور ان کی صحبت کو ترک کر دیا جائے۔ اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے: قدریہ کی صحبت میں نہ بیٹھو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان سے دشمنی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ۔(1)

میں کہتا ہوں: اہل قدریہ سے مراد تمام ظلم و عدوان والے ہیں۔ ثوری سے مروی ہے انہوں نے کہا: علما خیال کرتے تھے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے نازل ہوئی جو سلطان کے مصاحب ہوتے تھے۔ عبدالعزیز بن ابی داؤد سے مروی ہے کہ وہ طواف میں منصور سے ملا جب منصور کو پہچانا تو اس سے دور بھاگ گیا اور اس آیت کی تلاوت کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ کہتے: "اے اللہ! کسی فاجر کے لیے میرے ہاں کوئی نعمت نہ بنا، بے شک تو نے جو وحی میری طرف کی ہے میں نے اس میں پایا ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ اُولٰٓىِٕكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ" (2)۔ یعنی ان کے دلوں میں تصدیق پیدا کر دی۔ مراد ہے جس نے اس سے دوستی نہ کی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دشمنی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ کتب کا معنی ثبت کرنا ہے۔ یہ ربیع بن انس کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جعل کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ۝ (آل عمران) یعنی ہمیں شاہدوں کا ساتھی بنا دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کتب کا معنی جمع کرنا ہے اسی سے الکتیبہ کا لفظ ہے یعنی وہ ان میں سے نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ عام قرأت کاف کے فتحہ کے ساتھ ہے اور ایمان کا نون منصوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ثبت کر دیا ہے۔ یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ابو العالیہ، زر بن حبیش اور مفضل نے عاصم سے کتب مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور الایمان کو نون کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ زر بن حبیش نے وَ عَشِیْرَاتِهِمْ جمع کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اکثر نے ابوبکر سے وہ عاصم سے یہی روایت نقل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ

1۔ احکام القرآن لابن العربی
2۔ تفسیر کشاف

سورۃ الحشر

﴿ آیاتہا ۲۴ ﴾ ﴿ ۵۹ سورۃ الحشر مدنیۃ ۱۰۱ ﴾ ﴿ رکوعاتہا ۳ ﴾

تمام علماء کے قول میں یہ سورت مدنی ہے، اس کی چوبیس آیات ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے سورۂ حشر پڑھی تو جنت، جہنم، عرش، کرسی، آسمان، زمین، کیڑے مکوڑوں، بادلوں، پرندوں، چوپاؤں، درختوں، پہاڑوں، سورج، چاند، فرشتوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچتی مگر اس کے لئے دعا مانگتی ہے اور بخشش طلب کرتی ہے اگر وہ اس روز یا اس رات مر جائے تو وہ شہید کی موت مرتا ہے"۔ اسے ثعلبی نے نقل کیا ہے۔

ثعالبی نے حضرت یزید رقاشی سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے سورۂ حشر کی آخری آیات کو پڑھا لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا تو جو اسی رات فوت ہو گیا تو وہ شہید کی حیثیت سے فوت ہوا"(1)۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے صبح کے وقت تین دفعہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم اور سورۂ حشر کی آخری تین آیات کو پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے معین کر دیتا ہے جو اس پر درود پڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ شام ہو جاتی ہے، اگر وہ اسی دن فوت ہو جاتا ہے تو شہید کی حیثیت سے فوت ہوتا ہے اور جو شام کے وقت یہ پڑھتا ہے تو اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جاتا ہے"۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے(2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

"اللہ کی پاکی بیان کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے"۔

اس کی وضاحت سورۂ حدید کی پہلی آیت میں گزر چکی ہے۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ۗ وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی

1۔ تفسیر ثعلبی
2۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فی من قرء حرفا من القرآن، حدیث نمبر 2846، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

'' وہی تو ہے جو باہر نکال لایا اہل کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی جلاوطنی کے وقت تک تم نے کبھی خیال بھی نہ کیا تھا کہ نکل جائیں گے اور وہ بھی گمان کرتے تھے کہ بچا لیں گے انہیں ان کے قلعے اللہ (کے قہر) سے پس آیا ان پر اللہ کا قہر اس جگہ سے جس کا انہیں خیال بھی نہ آیا تھا اور اللہ نے ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب چنانچہ وہ برباد کر رہے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے پس عبرت حاصل کرو اے دیدہ بینا رکھنے والو''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا: یہ سورۃ حشر ہے؟ فرمایا: کہو سورۃ نضیر۔ یہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا جب بنو اسرائیل مصائب کا شکار ہوئے تو یہ لوگ حضرت محمد ﷺ کے انتظار میں مدینہ طیبہ آ کر رہائش پذیر ہوئے۔ انہوں نے یہ اس لئے کیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام پر اس امر کو بیان کیا تھا (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ حشر کا معنی جمع ہونا ہے۔ اس کی چار صورتیں ہیں: دو حشر دنیا میں اور دو حشر آخرت میں ہوں گے۔ جو دنیا میں ہوگا اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ زہری نے کہا: وہ ایسے خاندان سے تھے جنہیں جلاوطنی کی مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اللہ تعالیٰ نے ان پر جلاوطنی کو فرض کیا اگر ایسا نہ ہوتا تو انہیں دنیا میں عذاب دیتا (2)۔ اول حشر سے مراد ہے کہ وہ دنیا میں شام کی طرف جمع کیے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عکرمہ نے کہا: جسے اس میں شک ہو کہ کیا حشر شام میں ہے تو وہ اس آیت کو پڑھے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا: ''تم یہاں سے نکل جاؤ''۔ انہوں نے عرض کی: کہاں جائیں؟ فرمایا: ''ارض محشر کی طرف''۔ حضرت قتادہ نے کہا: یہ پہلا حشر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ وہ پہلے اہل کتاب ہیں جنہیں نکالا گیا ہے اور حضور ﷺ کے ملک سے جلاوطن کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں خیبر کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ اور لِاَوَّلِ الْحَشْرِ کا معنی ہے: انہیں ان کے قلعوں سے خیبر کی طرف نکالا گیا۔ اور دوسرا حشر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خیبر سے نجد اور اذرعات کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تیماء اور اریحاء کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ ان کو یہ سزا ان کے کفر اور عہد توڑنے کی وجہ سے دی گئی۔ جہاں تک دوسرے حشر کا تعلق ہے: یہ قیامت کے قریب ہوگا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے جائے گی جہاں لوگ رات گزاریں گے وہ بھی وہاں ہی رات گزارے گی جہاں وہ قیلولہ کریں گے وہاں آگ بھی قیلولہ کرے گی اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ اسے کھا جائے گی۔ یہ حدیث

1۔ احکام القرآن لابن العربی
2۔ تفسیر ماوردی

صحیح ثابت ہے ہم نے اسے "کتاب احذ کرۃ" میں ذکر کیا ہے۔ اس کی مثل ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے امام مالک سے عرض کی: اس حشر سے مراد ان کو ان کے گھروں سے جلا وطن کرنا ہے؟ آپ نے مجھے فرمایا: قیامت کے روز حشر یہود کا حشر ہو گا فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو خیبر کی طرف جلا وطن کیا جب ان سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اسے چھپایا، اس وجہ سے ان کی جلا وطنی حلال ہو گئی۔ ابن عربی نے کہا: حشر تین ہیں پہلا، درمیانی اور آخری۔ پہلا جو نضیر کی جلا وطنی ہے۔ درمیانی جو نضیر کی خیبر کی طرف جلا وطنی ہے۔ آخری قیامت کے روز ان کو ہانکا ہو گا۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: مراد بنو قریظہ ہیں۔ باقی مفسرین نے ان کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے کہا: بنو قریظہ کو جلا وطن نہیں کیا گیا تھا بلکہ انہیں قتل کیا گیا تھا۔ ثعلبی نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ الکیا طبری نے کہا: اہل حرب سے آج اس شرط پر صلح کرنا کہ بغیر کسی شرط کے انہیں ان کے گھروں سے جلا وطن کر دیا جائے یہ جائز نہیں یہ ابتدائے اسلام میں تھا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا آج یا تو انہیں قتل کر دیا جائے گا یا انہیں قیدی بنا لیا جائے گا یا ان پر جزیہ نافذ کر دیا جائے گا۔

مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا مراد یہ ہے کہ یہودیوں کا معاملہ مسلمانوں کے دلوں میں بڑا عظیم تھا، وہ بڑے محفوظ تھے قوی تھے اور بڑے متحد تھے اس لیے مسلمان یہ گمان نہیں کرتے تھے۔ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ ایک قول یہ کیا گیا: قلعوں سے مراد وطیح، نطاۃ، سلالم اور کتیبہ ہے۔ مِّنَ اللّٰهِ یعنی اللہ کے حکم سے۔ وہ بڑے اسلحہ اور محفوظ قلعوں والے تھے ان میں سے کوئی چیز بھی محفوظ نہ رکھ سکی۔ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا عذاب انہیں آ پہنچا۔

مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا جہاں انہیں گمان تک نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہاں سے انہیں علم نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کعب بن اشرف کا قتل ہے؛ یہ قول ابن جریج، سدی اور ابو صالح نے کیا ہے۔

وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ ان کے سردار کعب بن اشرف کے قتل کے ساتھ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ جس صحابی نے اسے قتل کیا تھا وہ حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت ابو نائلہ سلکان بن سلامہ بن وقش (جو کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے) حضرت عباد بن بشر بن وقش، حضرت حارث بن اوس بن معاذ اور حضرت ابو عبس بن جبر رضی اللہ عنہم تھے اس کا واقعہ سیرت کی کتاب میں مشہور ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے" (1)۔ تو بنی نضیر کا محلہ جو ایک میل کی مسافت پر تھا وہاں آپ کی مدد کیوں نہ کی جاتی۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے یہ شرف کسی اور کو حاصل نہیں۔

یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ عام قراءت تخفیف کے ساتھ ہے۔ یہ اخراب سے مشتق ہے یعنی وہ گرا رہے تھے۔ سلمی، حضرت حسن بصری، نصر بن عاصم، ابو العالیہ، قتادہ اور ابو عمرو نے یخربون قراءت کی ہے۔ یہ تخریب سے مشتق ہے۔ حضرت ابو عمرو نے کہا: میں نے تشدید کو اس لیے پسند کیا ہے کیونکہ اخراب کا معنی ہوتا ہے کسی شے کو رہائش کے بغیر بے آباد چھوڑنا جبکہ بنو نضیر نے اسے اس

1۔ مشکوۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین

طرح نہیں چھوڑا تھا انہوں نے اسے گرا کر برباد کیا تھا۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کرتا ہے یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ

دوسرے علماء نے کہا: تخریب اور اخراب کا معنی ایک ہی ہے اور تشدید تکثیر کے معنی میں ہے۔ سیبویہ نے کہا: فعلت اور افعلت کا معنی ایک جیسا ہے جس طرح اخربتہ اور خربتہ، افرحتہ اور فرحتہ۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے پہلے قول کو پسند کیا ہے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: مومن باہر سے انہیں اکھیڑ رہے تھے تاکہ اندر داخل ہوں اور یہودی اندر سے اکھیڑ رہے تھے تاکہ ان کے قلعے جو خراب کیے جا رہے ہیں انہیں درست کریں۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر صلح کی تھی کہ وہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی کی مدد کریں گے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں گے۔

جب غزوہ بدر کے روز آپ کو فتح نصیب ہوئی تو انہوں نے کہا: یہی وہ نبی ہیں جن کی تورات میں صفت بیان کی گئی ہے؛ تو اس کے جھنڈے کو لوٹایا نہیں جا سکے گا (یعنی انہیں شکست نہ ہوگی)۔ جب غزوہ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو انہیں شک پڑ گیا اور انہوں نے اپنے معاہدہ کو توڑ دیا۔ کعب بن اشرف چالیس سواروں کو لے کر مکہ مکرمہ گیا، کعبہ معظمہ کے پاس ان کے ساتھ معاہدہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو حکم دیا تو اس نے کعب کو ایک چال کے ذریعے قتل کر دیا پھر صبح کے وقت ان پر لشکروں سے حملہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: "مدینہ طیبہ سے نکل جاؤ"۔ انہوں نے کہا: اس سے موت ہمیں زیادہ پسندیدہ ہے۔ انہوں نے جنگ کے لئے اپنے ساتھیوں کو دعوت دی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے دس روز کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مہلت طلب کی تاکہ وہ یہاں سے نکل جانے کی تیاری کر لیں۔ عبد اللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں نے انہیں خفیہ پیغام بھجوایا کہ وہ قلعوں سے نہ نکلیں۔ اگر مسلمان تم سے جنگ کریں تو ہم تمہارے ساتھ ہوں گے اور تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے۔ اگر تمہیں یہاں سے نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے تو اکیس روز تک ان کی گلیوں اور قلعوں میں محبوس رکھا گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور یہودی منافقوں کی مدد سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے صلح کا مطالبہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلا وطنی کے سوا کسی بات پر اتفاق نہ کیا (1)۔ جس کی وضاحت بعد میں آ رہی ہے۔

زہری، ابن زید اور حضرت عروہ بن زبیر نے کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس بات پر صلح کر لی کہ ان کے لیے وہ کچھ ہوگا جو اونٹ اٹھا کر لے جا سکیں گے تو وہ جو لکڑیاں اور ستون اچھے خیال کرتے تو اپنے گھروں کو گراتے اور انہیں اپنے اونٹوں پر باندھ لیتے باقی ماندہ کو مومنوں کے لیے برباد کر دیتے۔

ابن زید سے یہ بھی مروی ہے: وہ اپنے گھروں کو اس لیے گرا رہے تھے تاکہ بعد میں مومن ان میں نہ رہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مسلمان جب بھی ان کے گھروں میں سے کسی گھر پر غالب آتے تو اسے گرا دیتے تاکہ جنگ کا میدان وسیع ہو جائے جبکہ یہودی اپنے گھروں کی پچھلی جانب سے سوراخ کرتے تاکہ پچھلے گھر میں قلعہ بند ہو جائیں اور جس گھر سے نکالے گئے ہیں اس سے مومنوں پر تیر چلائیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ ان پر گلیوں کو بند کر دیں۔ عکرمہ نے کہا:

1۔ الکشاف

2۔ تفسیر ماوردی

بِأَيْدِيهِمْ کا مصداق یہ ہے کہ وہ ان گھروں کے داخلی حصہ اور اس میں جو کچھ ہے اس کو برباد کرتے تا کہ مسلمان انہیں اپنے کام میں نہ لا سکیں۔ اور أَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ سے مراد ہے مومن ان کو باہر سے برباد کر رہے تھے تا کہ اس کے ذریعے وہ یہودیوں تک پہنچ سکیں۔ عکرمہ نے کہا: ان کے مکانات بڑے اعلیٰ تھے تو انہوں نے مسلمانوں کے بارے میں حسد کیا کہ وہ ان گھروں میں رہائش اختیار کریں انہوں نے اندر کی جانب سے انہیں برباد کیا اور مومنوں نے باہر کی جانب سے انہیں برباد کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ وعدہ کو توڑ کر اپنے گھروں کو برباد کرتے ہیں اور وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ سے مراد جنگ کر کے برباد کرتے ہیں؛ یہ زہری کا قول ہے۔ ابو عمرو بن علاء نے کہا: بِأَيْدِيهِمْ سے مراد ہے خود انہیں چھوڑنے کے ساتھ اور وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ سے مراد ہے مومنوں نے انہیں جلاوطن کیا۔ ابن عربی نے کہا: جب فساد کے لیے کوئی چیز بگاڑی جائے تو اگر ہاتھوں کے ساتھ ہو تو یہ حقیقی معنی میں ہو گا اور جب وعدہ توڑنے کی صورت میں ہو تو یہ مجازی معنی میں ہو گا مگر مجاز میں زہری کا قول ابو عمرو بن علاء کے قول سے زیادہ اچھا ہے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ۝ اے دانشمندو! نصیحت حاصل کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے وہ شخص جو اپنی آنکھوں سے اسے دیکھتا ہے، یہ بصر کی جمع ہے۔ یہاں عبرت حاصل کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر قلعوں پر اعتماد کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان سے نیچے اتار دیا۔ اس کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس کی ذات کو مسلط کر دیا جو ان کی مدد کرتی تھی۔ اس کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی تھی انہوں نے اپنے اموال اپنے ہاتھوں سے برباد کیے۔ جو دوسرے غیر سے عبرت حاصل نہیں کرتا تو اس کی ذات سے عبرت حاصل کی جاتی ہے۔ امثال صحیحہ میں سے ہے سعادت مند وہ ہے جو غیر سے نصیحت حاصل کرے۔

وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۖ وَمَنْ يُشَاقِّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

"اور اگر نہ لکھ دی ہوتی اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی تو انہیں عذاب دے دیتا اس دنیا میں، اور ان کے لیے آخرت میں تو آگ کا عذاب ہے ہی۔ یہ سزا اس لیے دی گئی کہ انہوں نے مخالفت کی تھی اللہ اور اس کے رسول کی، اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ عذاب دینے میں بہت سخت ہے"۔

وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں جلاوطنی کا فیصلہ نہ کر دیا ہوتا اور وہ ایک عرصہ ان کی رہتے تو ان میں سے بعض ایمان لاتے اور ان کے ہاں ایسے بچے جنم لیتے جو ایمان لاتے۔

لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا تو اللہ تعالیٰ دنیا میں انہیں قتل اور قید کی صورت میں عذاب دیتا جس طرح اس نے بنی قریظہ کے ساتھ کیا ہے۔ جلاوطنی سے مراد اپنے وطن کو چھوڑنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: جلا بنفسہ جلاء۔ أجلاہ غیرہ إجلاء۔

جلاء اور اخراج اگرچہ دونوں کا معنی دور کرنا ہے تاہم دو وجوہ سے فرق ہے۔ (1) جلاوطنی اہل اور اولاد کے ساتھ ہوتی

ہے۔ اور اخراج کبھی قتل اور اولاد کو وہاں ہی رکھنے کی صورت میں ہو کرتا ہے۔ (۲) جلاوطنی صرف جماعت کے لئے ہوتی ہے اور اخراج کبھی ایک کے لیے اور کبھی جماعت کے لیے ہوتا ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ یعنی وہ جلاوطنی اس سبب سے ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی۔ وَ مَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ طلحہ بن مصرف اور محمد بن سمیقع نے پڑھا: ومن یشاقق اللہ یعنی ہم جنس حروف کو اظہار کے ساتھ پڑھا ہے جس طرح سورۂ انفال میں ہے باقی قراء نے ادغام کیا ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

”جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو تم نے چھوڑ دیا کہ کھڑے رہیں اپنی جڑوں پر تو یہ (دونوں باتیں) اللہ کے اذن سے تھیں تاکہ وہ رسوا کرے فاسقوں کو“۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ، ما محل نصب میں ہے اس کو قطعتم نصب دے رہا ہے (۱) گویا فرمایا تم نے کس چیز کو کاٹا؟ اس کی وجہ یہ تھی جب نبی کریم ﷺ نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ وہ بنو نضیر تھے یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے حضور ﷺ کے خلاف غزوۂ احد کے موقع پر قریش کی مدد کی تو آپ نے ان کے کھجوروں کے درخت کاٹنے اور انہیں جلانے کا حکم دیا۔ علماء نے اس کی تعداد میں اختلاف کیا ہے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: صحابہ نے ان کے چھ کھجوروں کے درختوں کو کاٹا اور انہیں جلایا۔ محمد بن اسحاق نے کہا: صحابہ نے ایک درخت کو کاٹا اور اسے جلایا۔ یہ رسول اللہ ﷺ سے کٹنے ذکر کرنے کی وجہ سے تھا یا حضور ﷺ نے اس کا حکم دیا تھا۔ مقصود یا تو انہیں کمزور کرنا تھا یا ان درختوں کو کاٹ کر جگہ کو کھلا کرنا تھا۔ یہ امر یہودیوں کے لیے بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا۔ انہوں نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تم یہ گمان نہیں کرتے کہ تم نبی ہو اور اصلاح چاہتے ہو، کیا کھجوروں کے درختوں کو کاٹنا اور درختوں کو جلانا اصلاح احوال میں سے ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے جو آپ پر نازل کیا ہے اس میں زمین میں فساد برپا کرنا مباح ہے؟ یہ بات حضور ﷺ کے لیے بڑی تکلیف دہ ہوئی اور مومنوں نے بھی اپنے دلوں میں ایسی ہی بات پائی اور انہوں نے آپس میں اختلاف رائے کا اظہار کیا۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں مال عطا کیا ہے اسے نہ کاٹو۔ بعض نے کہا: ان درختوں کو کاٹ دو تاکہ ہم ان کو غضب ناک کریں۔ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی تاکہ جنہوں نے درخت کاٹنے سے منع کیا تھا ان کی تصدیق کی جائے اور جنہوں نے انہیں کاٹا تھا ان سے گناہ کو ختم کرنے کا اعلان ہو۔ اور اس امر کی خبر دی کہ انہیں کاٹنا اور ان کا ترک کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ ان کے شاعر سماک یہودی نے اس بارے میں یہ اشعار کہے تھے۔

ألسنا ورثنا الكتاب الحكيم على عهد موسى و لم نصدف

کیا ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کتاب حکیم کے وارث نہیں بنے اور ہم نہیں پھرے۔

1۔ الکشاف

مسئلہ نمبر 5۔ لینۃ کی تعبیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں دس اقوال ہیں: (1) عجوہ کے علاوہ تمام قسم کے کھجور کے درخت، یہ قول امام زہری، امام مالک، سعید بن جبیر، عکرمہ اور خلیل رحمہم اللہ کا ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور حضرت حسن بصری نے کہا: تمام قسم کے کھجور کے درخت ہیں انہوں نے عجوہ اور کسی دوسری قسم کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کھجور کی ایک قسم ہے۔ امام ثوری سے مروی ہے: یہ عمدہ کھجوروں کے درخت ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: عجوہ اور برنی کے علاوہ تمام اقسام کے درخت مراد ہیں۔ جعفر بن محمد نے کہا: اس سے مراد عجوہ ہے۔ یہ ذکر کیا عتیق اور عجوہ دونوں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے۔ عتیق سے مراد فحل ہے۔ عجوہ تمام موت درختوں کی اصل ہے: اس وجہ سے یہودیوں پر یہ امر بڑا شاق گزرا؛ یہ ماوردی نے بیان کیا ہے۔ یہ کھجور کی ایک قسم ہے جس کے پھل کو لون کہتے ہیں اس کی خشک کھجور سب سے عمدہ ہوتی ہے۔ یہ سخت زرد ہوتی ہے اس کی گٹھلی باہر سے دیکھی جا سکتی ہے۔ اس میں داڑھ غائب ہو جاتی ہے، اس کا درخت انہیں تمام سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایسا درخت ہے جو زمین سے قریب ہو زیادہ بلند نہ ہو۔

اخفش نے یہ شعر پڑھا:

قد شجاني الحمام حين تغنّى　　　بفراق الأحباب من فوق لينة

فاختہ نے جب لینہ درخت پر محبوبوں کے فراق میں گانا گایا تو اس نے مجھے غمگین کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لینہ سے مراد الدقل (ردی کھجور) ہے کیونکہ یہ سب سے نرم کھجور ہوتی ہے۔ اسی بارے میں شاعر نے کہا:

غرسوا لينها بمجرى معين　　　ثم حفّوا النخيل بالآجام

انہوں نے لینہ کو چشمے کی گزرگاہ پر لگایا پھر گھنے جنگلوں سے باغ کو چھپا لیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لینہ سے مراد تمام درخت ہیں کیونکہ اپنی زندگی کی وجہ سے نرم ہوتے ہیں۔ ذو الرمہ نے کہا:

طراق الخوافي واقع فوق لينة　　　ندى ليله في ريشه يترقرق

پرندوں کے چھوٹے پر درختوں پر پڑے ہیں رات کی شبنم کے قطرے اس کے پر سے ٹپکے جا رہے ہیں۔

دسواں قول یہ ہے: اس سے مراد ردی کھجور ہے؛ یہ اصمعی کا قول ہے۔ کہا: اہل مدینہ کہتے ہیں: لا تنتفخ الموائد حتى توجد الألوان جب تک ردی چیز نہ ہو قدر و منزلت والی چیز کا پتہ نہیں چلتا۔ یہاں الوان سے ردی کھجور مراد لیتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: زہری اور امام مالک نے جو کہا وہ دو وجوہ سے صحیح ہے (1) وہ دونوں اپنے شہر اور درختوں کو خوب جانتے تھے (2) اشتقاق بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اہل لغت اس کی تصحیح کرتے ہیں کیونکہ لِيْنَةٌ کا وزن لونہ ہے۔ علماء کے اصول کے مطابق اس میں تعلیل کی گئی تو وہ لینہ ہو گیا یعنی لون ہے جب اس کے آخر میں ہاء داخل ہوئی تو اس کے پہلے حرف کو کسرہ دے دیا گیا جس طرح کہ بولتے ہیں: صدر یہ باء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ بدرکہ باء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ وجہ آخر میں ہاء کا آنا ہے۔ لیکن

مطابق ان مجاہدین پر صرف کیا جائے گا جو سرحدوں کی نگہبانی کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ رسول ﷺ کے قائم مقام ہیں۔ دوسرے قول میں ہے: اس مال کو مسلمانوں کی ضروریات کے لیے صرف کیا جائے گا جیسے سرحدوں کی حفاظت، نہریں کھودنا، پل بنانا، زیادہ اہم کو اہم پر مقدم رکھا جائے گا۔ یہ طریقہ مال فئی کے 4/5 حصہ میں جاری ہوگا۔ یہ حکم مال فئی کے 4/5 حصہ میں ہے۔ جہاں تک مال فئی میں اور مال غنیمت میں سے پانچویں حصہ کا تعلق ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مسلمانوں کے مصالح کے لیے استعمال ہوگا۔ اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں جس طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تمہاری غنیمتوں میں سے میرے لیے خمس کے سوا کچھ نہیں اور خمس (پانچواں حصہ) بھی تمہاری طرف ہی لوٹا دیا گیا ہے"۔ اس بارے میں گفتگو سورۃ انفال میں گزر چکی ہے۔ اسی طرح جو مال حضور ﷺ اپنے پیچھے چھوڑ جائیں اس میں بھی وراثت جاری نہیں ہوگی بلکہ یہ صدقہ ہے جسے مسلمانوں کے مصالح میں صرف کیا جائے گا جس طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے"۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فئی کا مال نبی کریم ﷺ کے لیے ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ اللہ تعالیٰ نے اس مال کو اپنے رسول کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ آپ ﷺ مال جمع نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ صرف اس قدر وصول کرتے تھے جس قدر آپ ﷺ کے گھر والوں کی ضروریات ہوتیں تھیں باقی ماندہ مسلمانوں کی ضروریات کے لیے خرچ کر دیتے۔

قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: اس میں کوئی اشکال نہیں کہ تینوں آیات میں تین معانی ہیں۔ جہاں تک پہلی آیت کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ پھر فرمایا: وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ۔ مِنْهُمْ سے مراد اہل کتاب ہیں اس کا عطف ماسبق کلام پر ہے۔

فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ اس سے اسی چیز کا ارادہ کیا جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ پس تمہارا اس میں کوئی حق نہیں اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص تھا۔ مراد بنی نضیر اور جو ان کی مثل تھے۔ یہ ایک ہی آیت ہے اور معنی بھی ایک ہی ہے۔

دوسری آیت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ یہ نیا کلام ہے پہلی سے مختلف ہے۔ پہلی آیت میں موجود مستحقین کے علاوہ کے استحقاق کے لیے ہے۔

تیسری آیت سے مراد آیت غنیمت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا معنی اور ہے، ایک اور مستحق کے استحقاق کو ثابت کرتی ہے۔ پہلی اور دوسری آیت دونوں اس میں شریک ہیں کہ ان میں سے ہر ایک نے اس چیز کو ضمن میں لیے ہوئے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا فرمائی ہے۔ پہلی آیت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ مال جنگ کے بغیر حاصل ہوا ہے۔ آیت انفال اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ مال قتال کے ساتھ حاصل ہوا ہے جبکہ تیسری آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى اس امر سے خالی ہے کہ وہ مال جنگ سے یا بغیر جنگ کے حاصل ہوا۔ اسی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا۔ ایک

جماعت نے کہا: یہ پہلی آیت کے ساتھ لاحق کی جائے گی، یہ سب کا سب صلح کا مال ہو گا یا اس کی مثل مال ہو گا۔

ایک جماعت کا قول ہے: یہ دوسری آیت جو آیت انفال ہے کے ساتھ لاحق کی جائے گی۔ جنہوں نے کہا: یہ آیت، آیت انفال کے ساتھ لاحق کی جائے گی انہوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کیا یہ منسوخ ہے جس طرح پہلے گزرا ہے یا یہ محکم ہے؟ اللہ تعالیٰ کی دو شہادت جو اس سے پہلے ہے اسے اس کے ساتھ لاحق کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں ایک نیا فائدہ اور نیا معنی ہے؛ جبکہ یہ تو معلوم و مشہور ہے کہ آیت کے حروف جو دوسری آیت سے زائد ہوں تو نئے فائدہ پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے بنسبت اس کے کہ اسے سابقہ فائدہ پر ہی محمول کیا جائے۔

ابن وہب نے امام مالک سے فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے: اس سے مراد بنو نضیر ہیں اس میں خمس لازم نہیں تھا اور نہ ہی ان اموال کو حاصل کرنے کے لیے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے گئے تھے۔ یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اموال کو مہاجرین اور تین انصاری صحابہ کے درمیان تقسیم فرما دیا جس طرح مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى کی تفسیر میں یہ قول گزر چکا ہے کہ اَهْلِ الْقُرٰى سے مراد قریظہ کا قبیلہ ہے، قریظہ اور غزوہ خندق کا واقعہ ایک ہی روز ہوا تھا۔ ابن عربی نے کہا: امام مالک کا قول کہ دوسری آیت بنو قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا معنی آیت انفال کے معنی کی طرف لوٹ رہا ہے اور اسے نسخ لاحق ہوتا ہے۔ اسے محکم قرار دینے کی نسبت یہ قول زیادہ قوی ہے۔ ہم کسی قول کو پسند نہیں کرتے مگر اسے ہی جسے ہم نے تین انداز میں تقسیم کیا ہے۔ اور ہم نے وضاحت کر دی ہے کہ دوسری آیت کا معنی کیا ہے جس طرح ہم نے اس پر دلیل قائم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: انہوں نے جو پسند کیا ہے وہ حسن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ سورۂ حشر سورۂ انفال کے بعد نازل ہوئی یہ امر محال ہے کہ متقدم بعد میں نازل ہونے والی آیت کو منسوخ کرے۔ ابن ابی نجیح نے کہا: مال تین قسم کے ہیں۔ مال غنیمت، مال فئی، صدقہ۔ ان میں سے کوئی درہم نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا محل بیان کر دیا ہے۔ یہ زیادہ مناسب ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ وہ اموال جن میں ائمہ اور والیوں کا عمل دخل ہوتا ہے ان کی تین قسمیں ہیں۔

1۔ جو مسلمانوں سے اس طریقہ پر لیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو پاک کیا جائے جس طرح صدقات، زکوٰۃ وغیرہ۔

2۔ مال غنیمت، اس سے مراد وہ مال ہے جو کفار کے اموال میں سے مسلمانوں کے ہاتھ لگتے ہیں جنگ، غلبہ کے ذریعے۔

3۔ مال فئی، اس سے مراد وہ اموال ہیں جو کفار کے اموال میں سے مسلمانوں کے ہاتھ لگتے ہیں ان میں کوئی جنگ نہیں ہوتی اور نہ گھوڑوں کو دوڑایا جاتا ہے جس طرح صلح، جزیہ، خراج اور تجارت سے عشر، اس کی مثل یہ صورت بھی ہے کہ مشرک بھاگ جائیں اور اپنے اموال چھوڑ جائیں یا ان میں سے کوئی دارالاسلام میں فوت ہو جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ جہاں تک صدقہ کا تعلق ہے اس کا مصرف فقراء، مساکین اور عاملین زکوٰۃ ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ جس کی وضاحت سورۂ براءت میں گزر چکی ہے۔ جہاں تک مال غنیمت کا تعلق ہے۔ ابتدائے اسلام میں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھے آپ جیسے چاہتے

جائز۔ ماوردی نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا: یہ امر تمام اوامر و نواہی پر محمول ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اچھے امر کا حکم دیتے ہیں اور فاسد امر سے روکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: اس سے مراد بھی وہی ہے جو اس سے ماقبل قول کی مراد تھی۔ یہ تین اقوال ہیں۔

مسئلہ نمبر 7۔ مہدوی نے کہا: وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا یہ ارشاد اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کا حکم دیا وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے امر ہے۔ یہ آیت کریمہ اگرچہ غنائم کے بارے میں ہے مگر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر اور نواہی اس میں داخل ہیں۔ حضرت حکم بن عمیر نے کہا جو صحابی تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ قرآن ان کے لیے سخت مشکل ہے جو اسے ترک کرے اور جو اس کی اتباع کرے اور اس کی طلب کرے اس کے لیے آسان ہے۔ اور میری حدیث بھی مشکل ہے جس نے میری حدیث کو مضبوطی سے پکڑا اور اسے یاد کیا تو وہ قرآن کے ساتھ نجات پا گیا جس نے قرآن اور میری حدیث کے بارے میں سستی کی تو وہ دنیا و آخرت میں خسارے میں رہا۔ تمہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ میرے قول کو مضبوطی سے پکڑو، میرے حکم کی محافظت کرو اور میری سنت کی اتباع کرو، جو میرے قول پر راضی ہوا وہ قرآن پر راضی ہوا، جس نے میرے قول کا مذاق اڑایا تو اس نے قرآن کا مذاق اڑایا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[1]۔

مسئلہ نمبر 8۔ عبد الرحمن بن زید نے کہا: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک محرم سے ملے جس کے جسم پر کپڑے تھے حضرت عبد اللہ بن مسعود نے کہا: یہ کپڑے اتار دو۔ اس آدمی نے عرض کی: کیا تم اس کی تصدیق کے لیے مجھ پر کتاب اللہ کی کوئی آیت پڑھو گے؟ فرمایا: ہاں وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا عبد اللہ بن محمد بن ہارون فریابی نے کہا: میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: جو چاہو تم مجھ سے سوال کرو میں کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے تمہیں آگاہ کروں گا۔ میں نے آپ سے عرض کی: اللہ تعالیٰ آپ کے معاملات کو درست کرے، آپ اس محرم کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو بھڑ کو قتل کر دیتا ہے؟ حضرت امام شافعی نے جواب دیا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔

سفیان بن عیینہ، عبد الملک بن عمیر سے وہ ربعی بن حراش سے وہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اقتدوا باللذين من بعدی ابی بکر و عمر میرے بعد تم ابو بکر و عمر کی پیروی کرنا۔

سفیان بن عیینہ، مسعر بن کدام سے وہ قیس بن مسلم سے وہ طارق بن شہاب سے وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے بھڑ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ ہمارے علماء نے کہا: یہ بہت اچھا جواب ہے۔ امام شافعی نے حالت احرام میں بھڑ کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا اور امام شافعی نے اس امر کی وضاحت کی کہ وہ اس مسئلہ میں حضرت عمر کی اقتدا کر رہے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی اقتدا کا حکم دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس امر کو قبول کرنے کا حکم دیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں تو بھڑ کے قتل کا جواز کتاب و سنت سے مستنبط ہے۔ یہی معنی عکرمہ کے قول میں گزر چکا ہے جب ان سے امہات اولاد کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: سورۂ نساء میں انہیں آزاد قرار دیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

رسول کی رضا کی خاطر نکلے تھے"۔

مال فئی اور غنیمتیں مہاجر فقراء کے لیے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اغنیاء میں ہی گردش کرنے والا نہ ہو بلکہ یہ فقراء کے لیے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ کا بیان ہے۔ جب ان کی اضافت کا ذکر کیا گیا تو کہا گیا: مال ان لوگوں کے لئے ہے، کیونکہ یہ فقراء مہاجرین ہیں انہیں اپنے گھروں سے نکالا گیا ہے، یہ دوسرے لوگوں کی نسبت اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی یہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ مہاجر فقراء کے لئے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے تاکہ یہ اموال دنیا داروں میں سے اغنیاء کے درمیان ہی گردش نہ کرتے رہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اللہ تعالیٰ مہاجر فقراء کی وجہ سے کفار کو سخت سزا دینے والا ہے۔ ان فقراء میں وہ فقراء بھی داخل ہوتے ہیں جن کا ذکر پہلے ہوا وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ اس کا عطف ماقبل پر ہے مگر یہاں واؤ عاطفہ نہیں جس طرح تیرا یہ قول ہے: هذا المال لزيد لبكر لفلان لفلان۔ یہاں مہاجرین سے مراد وہ مہاجر ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی مدد کی خاطر آپ ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ قتادہ نے کہا: یہاں وہ مہاجر مراد ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے اپنے گھر، بچے، اموال، اپنے اہل اور اپنے وطن کو چھوڑا یہاں تک کہ ایک آدمی بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تاکہ اس کی کمر سیدھی رہے، ایک آدمی موسم سرما میں ایک گڑھا کھودتا موسم سرما میں اس کے لئے اس کے سوا کوئی گرمی پہنچانے والا میسر نہ ہوتا۔

عبدالرحمن بن ابزی اور سعید بن جبیر نے کہا: مہاجروں میں سے ایسے لوگ بھی تھے جن میں سے کسی کے پاس غلام، بیوی، گھر اور سواری نہ تھی جس پر سوار ہو کر وہ حج کرتا یا جہاد کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فقیر قرار دیا اور زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھا۔ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ کا معنی ہے کفار مکہ نے انہیں گھروں سے نکالا یعنی انہیں گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ وہ سو افراد تھے۔ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا میں غنیمت اور آخرت میں اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں۔ وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ وہ اپنے عمل میں سچے ہیں۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا فرمایا: جو آدمی قرآن کے بارے میں کوئی سوال کرنا چاہے تو وہ حضرت ابی بن کعب کے پاس جائے، جو فرائض (وراثت) کا مسئلہ سمجھنا چاہے تو وہ حضرت زید بن ثابت کے پاس جائے، جو فقہ کا مسئلہ پوچھنا چاہے تو وہ حضرت معاذ بن جبل کے پاس جائے، جو مال کا سوال کرنا چاہے تو وہ میرے پاس آئے اللہ تعالیٰ نے مجھے مال کا خازن اور قاسم بنایا ہے۔ خبردار! میں مال کی تقسیم کا آغاز نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات سے کرنے والا ہوں۔ میں انہیں عطا کروں گا پھر مہاجرین اولین کا حق ہے میں اور میرے ساتھی، ہمیں مکہ مکرمہ سے نکالا گیا ہمارے گھروں سے اور ہمارے اموال سے۔

الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۖ وَمَن يُشَاقِّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ۝ - یہ بنی نضیر اور بنی قینقاع کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر فرمایا: وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ اس میں خبر دی کہ یہ اموال رسول اللہ ﷺ کے لئے ہیں کیونکہ جب اموال ان سے چھڑوائے گئے ان پر کوئی گھوڑے نہیں دوڑائے گئے۔ ان کے بارے میں جو گزرا کہ قتال ہوا اور ان کے درخت کاٹے گئے، صحابہ نے اسے چھوڑ دیا تھا اور وہ امر ختم ہو گیا تھا۔ پھر فرمایا: مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ اس کا ماقبل کلام پر کوئی عطف نہیں۔ اسی طرح وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ انصار کی مدح اور ان کی ثنا کا آغاز ہو رہا ہے کیونکہ انہوں نے اس مال فئی کو مہاجرین کے سپرد کر دیا تھا گویا فرمایا: مال فئی مہاجر فقراء کے لیے ہے۔ انصار ان سے محبت کرتے ہیں اور مال فئی جو مہاجرین کے لئے خاص کیا گیا انہوں نے اس پر حسد نہ کیا۔ اسی طرح وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ نیا کلام ہے اس کی خبر يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ہے۔

اسماعیل بن اسحاق نے کہا: وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ اور وَالَّذِينَ جَاءُوا کا ماقبل پر عطف ہے۔

وہ مال فئی میں شریک ہیں، یعنی یہ مال مہاجرین اور انصار کے لیے ہے۔ مالک بن اوس نے کہا: حضرت عمر بن خطاب نے یہ آیت پڑھی۔ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ (التوبہ: 60) فرمایا: یہ ان کے لیے ہے۔ پھر وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ (الانفال: 41) فرمایا: یہ ان کے لیے ہے۔ پھر مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ ۚ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ - وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ - وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ آیات پڑھیں۔ پھر فرمایا: اگر میں زندہ رہا تو ایک چرواہا جو حمیر کے پہاڑوں (جو یمن کا علاقہ ہے) میں ہوگا اس کا حصہ اس کے پاس پہنچے گا، اس کی پیشانی کو پسینہ سے تر ہونا نہ پڑے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت عمر بنی اللہ نے انصار و مہاجرین کو بلایا اور اللہ تعالیٰ نے جو فتوحات عطا فرمائی تھیں ان کے بارے میں مشورہ طلب کیا فرمایا: معاملہ میں خوب غور و فکر کرو پھر اگلے روز میرے پاس آؤ۔ آپ نے رات بھر سوچ و بچار کیا تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ یہ آیات اس معاملہ میں نازل ہوئی ہیں۔ جب وہ صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے فرمایا: میں نے گزشتہ رات ان آیات کو پڑھا جو سورۂ حشر میں ہیں اور ان آیات کی تلاوت کی۔ مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ ۚ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ جب أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ تک پہنچے فرمایا: یہ اموال صرف ان کے لیے نہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ

اسی کی مثل دینار حضرت معاذ کے لئے تیار کر رکھے تھے۔ فرمایا: یہ دینار حضرت معاذ بن جبل کے پاس لے جاؤ اور وہاں کچھ دیر ٹھہرنا تا کہ دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں؟ غلام وہاں سے ان کے پاس گیا۔ عرض کی: امیر المومنین فرماتے ہیں انہیں اپنی کسی ضرورت میں خرچ کرو۔ حضرت معاذ بن جبل نے کہا: اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ فرمایا: اے بچی! اتنے فلاں کے گھر لے جاؤ، اتنے فلاں کے گھر لے جاؤ۔ حضرت معاذ بن جبل کی بیوی کو اس کی اطلاع ہوئی عرض کی: اللہ کی قسم! ہم مسکین ہیں ہمیں بھی کچھ دو۔ تھیلی میں صرف دو دینار باقی تھے وہ دونوں آپ نے اسے دے دیے غلام حضرت عمر کی طرف واپس لوٹا اور سب واقعہ بتایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وجہ سے خوش ہوئے۔ فرمایا: وہ سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

اسی کی مثل واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ کا بھی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں مال بھیجا جس کی تعداد ایک لاکھ دینار تھی حضرت منکدر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے

اگر یہ سوال کیا جائے: انسان جتنے مال کا مالک ہو تمام مال صدقہ کرنے سے نہی وارد ہوئی ہے اور اس کے بارے میں صحیح احادیث ہیں۔ اس کی خدمت میں عرض کی جائے گی: یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جسے فقر کے عالم میں صبر پر اعتماد نہ ہو اور جب ضروریات کے لیے مال نہ پائے تو سوال کرنے کا خوف ہو۔ جہاں تک انصار کا تعلق ہے جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے کی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو اپنی ذاتوں پر ترجیح دیتے ہیں تو وہ اس صفت کے حامل نہیں بلکہ وہ اس طرح ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ (البقرہ: 177) ان کے بارے میں ایثار مال روکنے سے بہتر ہے اور جو آدمی صبر نہ کرے اور سوال کے لیے ہاتھ پھیلائے تو اس کے لیے ایثار نہ کیا جائے، مال روک لینا افضل ہے۔ روایت بیان کی جاتی ہے: ایک آدمی ایک انڈے کے برابر سونا لے کر حاضر ہوا۔ عرض کی: یہ صدقہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھینکا فرمایا: "تم میں سے کوئی ایک وہ تمام مال لے آتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے اسے صدقہ کرتا ہے پھر لوگوں سے سوال کرنے کے لیے بیٹھ جاتا ہے"(1)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ ذات کی قربانی مال کی قربانی سے بڑھ کر ہے اگرچہ وہ آخر کار نفس کی طرف ہی لوٹ آئے جو ضرب المثل میں سے یہ ہے: الجود بالنفس اقصی غایة الجود ذات کی سخاوت سب سے بڑی سخاوت ہے۔ محبت کی تعریف میں صوفیاء کی عمدہ عبارات ہیں وہ یہ کہ یہ بھی ایثار ہے کیا تم نہیں دیکھتے جب عزیز مصر کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو اپنی قربت پر آپ کو ترجیح دی کہا: انا راودته عن نفسه میں نے اسے اپنے بارے میں پھسلانا چاہا۔ بنی ذات کی سخاوت میں سے سب سے افضل سخاوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں سخاوت ہے۔

صحیح میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد کے موقع پر اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھال بنایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جھانکتے تھے تا کہ قوم کو دیکھیں تو حضرت ابو طلحہ عرض کرتے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جھانکئے نہیں وہ آپ کو تیر نہ ماریں، یہ میری گردن حاضر ہے تا کہ آپ کی گردن بچ جائے۔ تیر مجھے لگے نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب صدقۃ من حال، حدیث نمبر 1425-1427، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے۔ تو کہتا ہے: شَحِحْتَ، تَشَحُّ، شَحَحْتَ، تَشِحُّ۔ شَحِيحٌ، رَجُلٌ شَحِيحٌ، قَوْمٌ شِحَاحٌ، قوم اَشِحَّۃ۔

آیت سے مراد ہے زکوٰۃ میں بخل کرنا، ذوی الارحام کے ساتھ صلہ رحمی اور ضیافت وغیرہ جو فرائض ہیں ان میں بخل کرنا۔ جو آدمی ان مصارف پر مال خرچ کرے اور اپنے لیے بھی کچھ روک لے تو وہ شح اور بخل نہیں اور جو آدمی اپنی ذات پر زیادہ خرچ کرے اور ہم نے زکوٰۃ اور طاعات میں سے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے ان میں خرچ نہ کرے تو اس نے اپنے آپ کو بخل سے نہیں بچایا۔

اسود نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک آدمی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: مجھے خوف ہے کہ میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ پوچھا: کیا بات ہے؟

اس نے عرض کی: میں نے اللہ تعالیٰ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ میں ایک بخیل آدمی ہوں، میں اپنے ہاتھ سے کوئی چیز نہیں نکالتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ وہ شح نہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ذکر کیا ہے۔ بے شک وہ شح جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے وہ یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا مال ظلماً کھائے، لیکن جس چیز کا تم نے ذکر کیا ہے وہ بخل ہے اور بخل بھی کتنی بری چیز ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے شح اور بخل میں فرق کیا ہے؟ طاؤس نے کہا: بخل سے مراد یہ ہے کہ انسان کے قبضہ میں جو کچھ ہے اس میں بخل کرے اور شح یہ ہے کہ لوگوں کے ہاتھوں میں جو ہے اس کے بارے میں بخیلی کرے۔ وہ یہ پسند کرتا ہے کہ لوگوں کے ہاتھوں میں جو کچھ ہے حلال و حرام کے طریقے سے حاصل کرے وہ اس میں قناعت نہیں کرتا۔

ابن جبیر نے کہا: شح سے مراد زکوٰۃ کو روک لینا اور حرام چیز کو ذخیرہ کرنا۔ ابن عیینہ نے کہا: شح سے مراد ظلم ہے۔ لیث نے کہا: فرائض کو ترک کرنا اور حرام کردہ چیزوں کو اپنانا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: جو اپنی خواہش کی اتباع کرے اور ایمان کو قبول نہ کرے وہ شحیح ہے۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع کیا ہو وہ نہ لے اور اللہ تعالیٰ نے اسے جس چیز کا حکم دیا ہے شح اسے اس چیز سے نہ روکے تو اللہ تعالیٰ نے اسے شح سے بچا لیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بَرِئَ مِنَ الشُّحِّ مَنْ أَدَّى الزَّكَاةَ وَقَرَى الضَّيْفَ وَأَعْطَى فِي النَّائِبَةِ جو آدمی زکوٰۃ دے، مہمان کی ضیافت کرے اور مصیبت کے وقت کسی کو مال دے تو وہ شح سے بری ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شُحِّ نَفْسِي وَإِسْرَافِهَا وَوَسَاوِسِهَا اے اللہ! میں اپنے نفس کے شح، اس کے اسراف اور اس کے وساوس سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ابو الہیاج اسدی نے کہا: میں نے طواف میں ایک آدمی کو یہ دعا کرتے ہوئے دیکھا: اے اللہ! مجھے میرے نفس کے شح سے بچا۔ وہ اس سے زیادہ کوئی دعا نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی۔ اس نے جواب دیا: جب میں نے اپنے نفس کو شح سے بچا لیا تو میں چوری نہیں کروں گا، بدکاری نہیں کروں گا اور اس جیسا کوئی عمل نہیں کروں گا۔ کیا دیکھتا ہوں وہ حضرت عبد الرحمن بن عوف ہیں۔

[illegible] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان روایت کرتے ہیں: اِتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاتَّقُوا الشُّحَّ

فإن الشح أهلك من كان قبلكم حملهم على أن سفكوا دماءهم واستحلوا محارمهم ظلم سے بچو کیونکہ قیامت کے روز ظلم تاریکیاں ہوں گے، شح سے بچو کیونکہ شح نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا جو تم سے پہلے تھے اس نے لوگوں کو برانگیختہ کیا کہ وہ اپنے خونوں کو بہائیں اور اپنی محارم کو حلال جانیں۔ ہم نے اس کی وضاحت سورۂ آل عمران کے آخر میں کی ہے۔ کسریٰ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: فقد انسان کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: فقر و تنگدستی۔ کسریٰ نے کہا: شح فقر سے زیادہ نقصان دینے والی ہے کیونکہ فقیر جب کوئی چیز پاتا ہے تو سیر ہو جاتا ہے اور شحیح جب پاتا ہے تو کبھی بھی سیر نہیں ہوتا۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

"اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لیے اے ہمارے رب! بے شک تو رؤف رحیم ہے"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ سے مراد تابعین اور قیامت تک اسلام میں داخل ہونے والے ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا: لوگوں کے تین درجے ہیں (1) مہاجرین (2) انصار جن کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ۔ (3) بعد کے مومن جو قیامت تک آئیں گے جن کا ذکر وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس لیے کوشش کرو کہ ان سے باہر نہ نکلو۔ کسی نے کہا: سورج ہو، اگر تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تو چاند ہو، اگر یہ بھی طاقت نہیں رکھتے تو روشن ستارہ ہو، اگر تم یہ بھی طاقت نہیں رکھتے تو چھوٹا ستارہ بن جاؤ اور نور کی جہت ختم نہیں ہونی چاہیے۔ اس کا معنی ہے: مہاجر بن جاؤ۔ اگر تو کہے: میں تو ایسا موقع نہیں پاتا تو انصاری بن جاؤ اگر تم یہ بھی نہ پاؤ تو ان کے اعمال جیسے اعمال کرو اگر یہ بھی طاقت نہ رکھو تو ان سے محبت کرو اور ان کے حق میں بخشش طلب کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھے حکم دیا ہے۔

حضرت مصعب بن سعد نے کہا: لوگوں کی تین منازل ہیں، دو منزلیں گزر چکی ہیں اور ایک منزل باقی ہے جس پر تم ہو، اس میں بہترین یہ ہے کہ جو منزل باقی ہے تم اسی منزل پر رہو۔

جعفر بن محمد بن علی اپنے باپ سے وہ اپنے دادا حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اس نے عرض کیا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے! آپ حضرت عثمان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے بھائی! تو اس قوم سے تعلق رکھتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ اس نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: اگر تو اس آیت کا مصداق نہیں تو ان لوگوں سے تعلق رکھتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ۔ اس نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تو تیسری آیت کا مصداق بھی نہیں ہے تو تم اسلام سے خارج ہو جاؤ گے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا

وہ اہل حق کی عداوت میں مجتمع ہیں۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: یہ ارادہ کیا کہ منافقین کا دین، یہودیوں کے دین کے خلاف ہے۔ یہ اس لیے واضح کیا تا کہ ان کے خلاف مومنوں کے دل قوی ہو جائیں؛ شاعر نے کہا:

إلى الله أشكو نية شقت العصا ... هي اليوم شتى وهي أمس جميع

وہ آج مختلف ہے اور وہ کل مجتمع تھی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں وقلوبهم اشتّ ہے یعنی ان کے دل اختلاف میں بہت شدید ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ان میں یہ اختلاف اور کفر اس وجہ سے ہے کہ وہ عقل نہیں رکھتے۔ اس کی مدد سے اللہ تعالیٰ کے امر کو نہیں سمجھتے۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۚ

"یہ ان لوگوں کی مانند ہیں جو ان سے پہلے ابھی ابھی اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد بنو قینقاع ہیں۔ قتادہ نے کہا: مراد بنو نضیر ہیں(1)۔ بنو قریظہ سے قبل اللہ تعالیٰ نے ان پر قدرت عطا فرمائی۔ مجاہد نے کہا: غزوہ بدر کے موقع پر قریش کے کفار مراد ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ہر اس قوم کے بارے میں ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک بنو نضیر سے قبل اس کے کفر کی وجہ سے انتقام لیا۔ وبال کا معنی ان کے کفر کی جزا ہے۔ جس نے کہا: وہ بنو قریظہ ہیں تو اس نے وَبَالَ اَمْرِهِمْ کی تعبیر ان کے بارے میں حضرت سعد بن معاذ کے حکم پر اپنے قلعوں سے نیچے آنا ہے۔ حضرت سعد بن معاذ نے ان کے جنگجو افراد کو قتل کرنے اور ان کے بچوں کو قیدی بنا لینے کا حکم دیا۔ یہ ضحاک کا قول ہے۔ جس نے کہا: مراد بنو نضیر ہیں اس نے کہا: وبال سے مراد ان کی جلاوطنی ہے۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے واقعہ کے درمیان دو سال کا عرصہ حائل تھا۔ غزوہ بدر کا واقعہ غزوہ بنو نضیر سے چھ ماہ پہلے ہوا تھا: اس وجہ سے فرمایا: قَرِيْبًا ایک قوم کا کہنا ہے کہ بنو نضیر کا واقعہ غزوہ احد کے بعد ہوا تھا۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۞

"منافقین اور یہود کی مثال شیطان کی سی ہے جو (پہلے) انسان کو کہتا ہے: انکار کر دے، اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے: میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں، میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب العالمین ہے۔ پھر ان دونوں

1۔ تفسیر بغوی

سے اور راہبوں کی بہت ہی اچھی حالت میں ایسا کر رہا ہے تو اس نے اس امر پر شرمندگی کا اظہار کیا کہ اس نے اسے اس وقت کوئی جواب نہ دیا تھا جب اس نے اسے بلایا تھا۔ برصیصا نے پوچھا: تیرا کیا کام ہے؟ ابیض نے کہا: میں تیرے ساتھ رہنا چاہتا ہوں اور تیرے ادب سے ادب سیکھنا چاہتا ہوں اور تیرے عمل سے اقتباس نقل کرنا چاہتا ہوں اور ہم اکٹھے عبادت کریں گے۔ برصیصا نے کہا: میں تجھ سے اعراض کرنے والا ہوں۔ پھر اپنی عبادت کی طرف متوجہ ہو گیا اور ابیض بھی نماز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جب برصیصا نے اس کی شدت محنت اور عبادت کو دیکھا تو پوچھا: تیرا کیا کام ہے؟ ابیض نے کہا: تو مجھے اجازت دے کہ میں تیرے پاس اوپر آ جاؤں۔ برصیصا نے اسے اجازت دے دی۔ ابیض اس کے ساتھ ایک سال تک رہا۔ وہ چالیس دنوں میں صرف ایک روز افطار کیا کرتا تھا اور چالیس دنوں میں عبادت میں ایک دن وقفہ کیا کرتا تھا۔ بعض اوقات وہ اس عرصہ کو چالیس روز تک بڑھا دیتا۔ جب برصیصا نے اس کی محنت کو دیکھا تو اسے اس کے مقابلہ میں اپنا عمل تھوڑا محسوس ہوا۔ پھر ابیض نے کہا: میرے پاس ایسی دعائیں ہیں اللہ تعالیٰ جن کے ذریعے بیمار، ابتلا زدہ اور مجنون کو شفا عطا فرماتا ہے اور وہ دعائیں برصیصا کو سکھائیں۔ پھر ابلیس کے پاس آیا۔ اس سے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس آدمی کو ہلاک کر دیا ہے۔ پھر ایک آدمی سے آمنا سامنا ہوا اس کا گلا دبایا پھر اس کے گھر والوں سے کہا جب کہ ان کے پاس ایک انسان کی شکل میں آیا: تمہارے ساتھی کو جنون کا مرض ہے کیا میں اس کا علاج کروں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: جن پر میرا کوئی اختیار نہیں بلکہ تم اسے برصیصا کے پاس لے جاؤ۔ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے جب اس کے واسطہ سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ عطا کرتا ہے اور جب اس کے واسطہ سے دعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ وہ دعا قبول کرتا ہے۔ لوگ برصیصا کے پاس آئے تو شیطان اس آدمی کے پاس سے چلا گیا پھر ابیض لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ کرتا اور برصیصا کی طرف ان کی راہنمائی کرتا اور لوگ اس مصیبت سے نجات پا جاتے۔ پھر وہ بادشاہوں کی بیٹیوں میں سے ایک بچی تک جا پہنچا جس کے تین بھائی تھے ان کا باپ بادشاہ تھا، وہ خود مر گیا اور اپنے بھائی کو اپنا نائب بنایا ان کا چچا بنی اسرائیل میں بادشاہ تھا۔ ابیض نے اس بچی کو بڑی تکلیف دی اور اس کا گلا دبایا پھر ایک معالج کی حیثیت سے ان کے پاس آیا تاکہ اس کا علاج کرے۔ پھر کہا: اس کا شیطان بہت ہی سرکش ہے وہ قابو آنے والا نہیں بلکہ اسے برصیصا کی طرف لے جاؤ اور اس کے پاس چھوڑ آؤ۔ جب اس کا شیطان آئے گا، برصیصا اس کے حق میں دعا کرے گا تو وہ لڑکی ٹھیک ہو جائے گی۔ لوگوں نے کہا: برصیصا ہماری اس بات کو تو قبول نہیں کرتا۔ شیطان نے کہا: اس کی عبادت گاہ کے قریب ایک اور صومعہ بنا دو۔ پھر اس میں اس بچی کو رکھ آؤ اور اسے کہو آج یہ تیرے پاس امانت ہے اس کا خیال رکھنا۔ لوگوں نے برصیصا سے پوچھا: اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ لوگوں نے اسی طرح کی عبادت گاہ بنائی اور لڑکی کو وہاں ہی چھوڑ آئے۔ جب وہ اپنی عبادت سے فارغ ہوا اس نے اس لڑکی اور اس کے جمال کو دیکھا تو اس کے ہاتھ میں جو کچھ تھا وہ نیچے گر گیا۔ شیطان اس بچی کے پاس آیا اور اس کے گلے کو دبایا۔ اس نے عبادت میں وقفہ کیا، اس کے حق میں دعا کی تو شیطان اس کے پاس سے چلا گیا۔ پھر وہ نماز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ شیطان اس کے پاس پھر آیا اور اس کا گلا دبایا۔ شیطان اس کے ستر سے پردے کو ہٹاتا اور برصیصا کے سامنے کرتا پھر برصیصا کے پاس

کی بہن سے متعلق بات دہرائی، وہ لگاتار اس سے مطالبہ کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے ان کی بات مان لی۔ اس نے کہا:
میری عبادت گاہ کے سامنے والے گھر میں اسے ٹھہرا جاؤ۔ انہوں نے اسے اس گھر میں ٹھہرا دیا پھر وہ چلے گئے اور اسے
وہاں چھوڑ دیا۔ وہ ایک زمانہ تک اس عبادت گزار کی پناہ گاہ میں رہی وہ اپنی عبادت گاہ سے اس کے لیے کھانا اتارتا، اسے
عبادت گاہ کے دروازے پر رکھتا پھر دروازہ بند کر دیتا اور اپنی عبادت گاہ پر چلا جاتا۔ پھر اسے حکم دیتا وہ اپنے کمرے سے نکلتی تو
اس کے لیے جو کھانا رکھا ہوتا اسے لے لیتی۔ شیطان نے اس کے ساتھ لطیف حیلہ کیا وہ اسے بھلائی کی رغبت دلاتا اور بچی کے
دن کے وقت گھر سے نکلنے کو بہت برا خیال کرتا اور اسے ڈراتا کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے اور اس کی محبت میں گرفتار نہ ہو
جائے۔ وہ ایک زمانہ تک اسی خیال میں رہا۔ پھر ابلیس اس کے پاس آیا اسے بھلائی اور اجر میں رغبت دلائی اسے کہا: اگر تو
خود اس کی طرف کھانا لے جائے یہاں تک کہ تو خود کھانا اس کے کمرے میں رکھ آئے تو یہ تیرے لیے بڑے اجر کا باعث ہو
گا۔ وہ اسی طرح رہا یہاں تک کہ کھانا اس کے کمرے تک لے گیا اور کھانا اس کے کمرے میں رکھ آیا۔ وہ کافی عرصہ یہی
کام کرتا رہا پھر اس کے پاس ابلیس آیا اسے بھلائی کی طرف رغبت دلائی اور اسے اس پر برانگیختہ کیا اور کہا: اگر تو اس کے ساتھ
کلام کرتا اور وہ تیری گفتگو سے مانوس ہوتی کیونکہ اسے سخت تنہائی کا سامنا ہے۔ وہ اسی طرح کرتا رہا وہ اپنی عبادت گاہ سے
اس پر جھانکتا پھر ابلیس اس کے پاس آیا کاش! تو اس کی طرف اترتا تو اپنی عبادت گاہ کے دروازہ پر بیٹھتا اور تو اس سے بات
کرتا اور وہ اپنے کمرے کے دروازے پر بیٹھتی تو یہ اس کے لیے زیادہ انس کا باعث ہوتا۔ وہ اسی طرح باتیں کرتا رہا یہاں
تک کہ اسے نیچے اتارا اور اسے اپنی عبادت گاہ کے دروازہ پر بٹھایا وہ اس لڑکی کے ساتھ باتیں کرتا، وہ لڑکی اپنے کمرے
سے نکلتی وہ طویل عرصہ تک اسی طرح باتیں کرتے رہے، پھر ابلیس اس کے پاس آیا اسے خیر و ثواب کی رغبت دلائی جو وہ اس
لڑکی کے ساتھ حسن عمل کر سکتا تھا اور کہا: اگر تو اپنی عبادت گاہ کے دروازہ سے نکلے اور اس لڑکی کے کمرہ کے دروازہ کے قریب
بیٹھے تو وہ اس کے لیے زیادہ انس کا باعث ہوگا۔ وہ اسی طرح راغب کرتا رہا یہاں تک کہ اس عبادت گزار نے یہ عمل بھی کیا۔ وہ
طویل عرصہ تک اسی طرح رہے۔ پھر ابلیس اس کے پاس آیا اسے بھلائی کی رغبت دلائی اور جو وہ احسان اس لڑکی کے ساتھ کر
رہا ہے اس کے حسن ثواب کا ذکر کیا اور اس سے کہا: اگر تو اس کے کمرے کے دروازے کے قریب چلا جائے اور وہ اپنے کمرے
سے نہ نکلے۔ اس عبادت گزار نے اسی طرح کیا وہ اپنی عبادت گاہ سے نیچے اترتا اس کے کمرے کے دروازے پر بیٹھتا اور
اس سے باتیں کرتا۔ وہ دونوں اسی حالت میں رہے۔ اس کے پاس پھر ابلیس آیا کہا: اگر تو اس کے کمرے میں داخل ہو اور اس
سے باتیں کرے اور وہ لڑکی کسی کے لیے بھی اپنا چہرہ ظاہر نہ کرے تو یہ تیرے لیے زیادہ بہتر ہے۔ وہ اسی طرح وسوسہ ڈالتا رہا
یہاں تک کہ وہ گھر میں داخل ہو گیا وہ سارا سارا دن اس سے باتیں کرتا رہا جب شام ہوتی وہ اپنی عبادت گاہ میں چلا جاتا۔
پھر ابلیس اس کے پاس آیا وہ لگاتار اس لڑکی کو اس کے سامنے مزین کر کے پیش کرتا یہاں تک کہ عبادت گزار نے اس کی ران
پر ہاتھ مارا اور اس کا بوسہ لیا۔ ابلیس لگاتار اسے مزین کر کے پیش کرتا رہا اور ورغلاتا رہا یہاں تک کہ اس عبادت گزار نے اس
کے ساتھ بدکاری کی اور اسے حمل ہو گیا تو اس کا لڑکا پیدا ہو گیا۔ ابلیس اس کے پاس آیا اسے کہا: بتا اگر اس لڑکی کے بھائی

تیرے پاس آئے جبکہ اس لڑکی نے تجھ سے یہ بچہ جنا ہے تو تو کیا کرے گا؟ مجھے تو خوف ہے کہ تو رسوا ہو جائے گا۔ اس کے بیٹے
کی طرف اقدام کر، ذبح کر دو اور اسے دفن کر دو۔ یا اپنے بھائیوں کے ڈر سے تیرا راز کھلی رکھے گی کہ جو کچھ تو نے اس کے ساتھ
کیا ہے وہ اس پر مطلع ہوں۔ اس نے اسی طرح کیا۔ پھر اسے کہا: کیا تیرا خیال ہے کہ یہ اس راز کو اپنے بھائیوں سے مخفی رکھے گی
جو تو نے اس کے ساتھ کیا اور اس کے بیٹے کو قتل کیا؟ اسے پکڑ لے اسے ذبح کر دے اور اس کے بیٹے کے ساتھ اسے بھی دفن کر
دے۔ شیطان لگاتار اسے ورغلاتا رہا یہاں تک کہ اسے بھی ذبح کر دیا اور اس کے بیٹے کے ساتھ اسے گڑھے میں پھینک دیا
اور اس پر بہت بڑی چٹان ڈال دی اور اپنے گرجے میں عبادت کرنے لگا۔ وہ اس میں اسی طرح رہا جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ نے
چاہا کہ رہے یہاں تک کہ اس کے بھائی جنگ سے واپس آئے وہ اس کے پاس آئے اور اس کے بارے میں سوال کیا۔
راہب نے اس کی خبر دی اور اس کے لیے دعا کی اور اس کے لیے رویا اور کہا: وہ بہت اچھی بچی تھی، یہ اس کی قبر ہے اسے دیکھ
لو۔ بھائی قبر پر آئے اور اس کی قبر پر روئے اور اس کے لیے رحم کی دعا کی، چند روز اس کی قبر پر رہے پھر اپنے گھر چلے گئے۔
جب رات تاریک ہوگئی وہ اپنے بستروں پر سوئے تو شیطان ان کے پاس ایک مسافر کی صورت میں آیا۔ ان میں سے
بڑے سے اس کی بہن کے بارے میں پوچھا۔ اس نے عابد کے قول، اس کی موت اور رونے کے بارے میں بتایا اور جس طرح
اس نے آکر قبر دکھائی سب کا ذکر کیا۔ شیطان نے اسے جھٹلایا، کہا: اس نے تم سے تمہاری بہن کے بارے میں سچ نہیں بولا۔
اس نے تمہاری بہن کو حاملہ کیا اور اس کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا اس نے بچے اور اس لڑکی کو ذبح کیا اور ایک گڑھے میں
پھینک دیا جو اس نے اس دروازے کے پیچھے بنایا تھا جو اس دروازے سے داخل ہوتا ہے جو اس کی دائیں جانب پڑتا ہے۔ تم
چلو اور دروازے سے داخل ہو جو گرجا کی دائیں جانب ہوگا جو تمہیں اس میں داخل ہوتا ہے۔ میں نے جو تمہیں
بتایا ہے تم وہاں سب کچھ پا لو گے۔ وہ درمیانے کو خواب میں آیا اور اسے اسی طرح بتایا پھر سب سے چھوٹے کے پاس آیا
اسے بھی اسی کی مثل بتایا۔ جب وہ صبح سویرے اٹھے تو ان میں سے ہر ایک نے جو خواب دیکھا تھا اس پر متعجب ہوا وہ ایک
دوسرے کی طرف متوجہ ہوا۔ ان میں سے ہر ایک یہ کہہ رہا تھا: میں نے عجیب و غریب خواب دیکھا ہے اور ہر ایک نے جو
خواب دیکھا تھا اس کا ذکر کیا۔ ان میں سے سب سے بڑے نے کہا: یہ خواب پریشان ہے یہ کوئی چیز نہیں چلو اور اس کو چھوڑ
دو۔ ان میں سے سب سے چھوٹے نے کہا: میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک اس جگہ کو نہ دیکھ لوں۔ وہ سب گئے
یہاں تک کہ اس گرجے میں داخل ہوئے جس میں ان کی بہن رہتی تھی انہوں نے دروازہ کھولا، انہوں نے اس جگہ کو کھودا جو
خواب میں ان کے لیے بیان کی گئی تھی انہوں نے اپنی بہن اور اس کے بیٹے کو ذبح شدہ پایا وہ دونوں اس گڑھے میں تھے جس
طرح ان کے لیے بیان کیا گیا تھا انہوں نے اس عابد کے بارے میں پوچھا تو اس نے ابلیس کے قول کی تصدیق کر دی کہ اس نے
ان دونوں کے ساتھ وہی سلوک کیا تھا۔ انہوں نے اپنے حاکم سے اس عبادت گزار کے خلاف مدد طلب کی۔ اسے اس کے گرجا
سے اتارا گیا اور اسے لے گئے تاکہ اسے سولی پر لٹکایا جائے۔ جب انہوں نے اسے سولی پر کھڑا کیا تو شیطان اس کے پاس
آیا اور اسے کہا: تو جانتا ہے میں وہی تیرا ساتھی ہوں جس نے تجھے اس عورت کے بارے میں فتنہ میں ڈالا یہاں تک کہ تو نے

اے عابد! ہر یہ تو نے اس لڑکی کو قتل کیا اور اس کے بچے کو ذبح کیا اگر تو آج میری اطاعت کرے اور جس اللہ نے تجھے پیدا کیا ہے اس کا انکار کرے تو تو جس مصیبت میں ہے میں تجھے اس سے نجات عطا کر دوں گا۔ اس عبادت گزار نے اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیا۔ جب اس نے کفر کر لیا تو شیطان اس کے اور اس کے ساتھیوں کے درمیان سے ہٹ گیا اور انہوں نے اسے سولی پر لٹکا دیا لیکن اسی بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے منافقین کے یہودیوں کے ساتھ رویہ کی مثال بیان کی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جب نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ بنو نضیر کو مدینہ طیبہ سے جلاوطن کریں تو منافقین نے انہیں پیغام بھیجا کہ تم اپنے گھروں سے نہ نکلو اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے تو ہم تمہارے ساتھ ہوں گے، اور اگر وہ تمہیں گھروں سے نکالیں گے تو ہم تمہارے ساتھ ہوں گے انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جنگ کی تو منافقوں نے انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ منافقوں نے ان سے یوں براءت کا اظہار کر دیا جس طرح شیطان نے برصیصا عابد سے براءت کا اظہار کیا تھا۔ اس کے بعد راہب تقیہ اور کتمان کو اپناتے اور فاسقوں اور فاجروں نے راہبوں پر تہمتیں لگائیں یہاں تک کہ جریج راہب کا واقعہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے اسے بری کیا۔ اس کے بعد راہب پھیل گئے اور لوگوں کے لیے ظاہر ہوئے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے(1): منافقوں کو بنو نضیر کے ساتھ دھوکہ کی مثال اس طرح ہے جس طرح ابلیس کی مثال ہے جب اس نے قریش کے کفار کو کہا: لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ (الانفال: 48) مجاہد نے کہا: یہاں انسان سے مراد تمام لوگ ہیں جن کو شیطان دھوکہ میں ڈالتا ہے۔ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ کا معنی ہے یعنی اسے گمراہ کیا یہاں تک کہ اس انسان نے کہہ دیا کہ میں کافر ہوں۔ شیطان کا قول اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ حقیقی معنی پر نہیں یہ صرف انسان سے براءت کے اظہار کے طریقہ پر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ کی تاکید کے طریقہ پر ہے(2)۔ اِنِّيْ کی یاء کو نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو نے فتحہ دیا ہے اور باقی نے اسے ساکن قرار دیا ہے۔

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا شیطان اور اس انسان کی عاقبت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے خَالِدَيْنِ حال ہونے کی حیثیت میں منصوب ہے۔ جس نے آیت کو راہب اور شیطان میں خاص کیا ہے اس میں تو معنی ظاہر ہے جس نے اسے جنس کے لیے بنایا ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا دونوں فریقوں اور دونوں صنفوں کا انجام۔ عَاقِبَتَهُمَآ کی نصب كَانَ کی خبر ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ کان کا اسم اَنَّهُمَا فِي النَّارِ ہے۔ حضرت حسن بصری نے فَكَانَ عَاقِبَتُهُمَآ رفع کے ساتھ پڑھا ہے تو یہ پہلے کی ضد ہے۔ اعمش نے خَالِدَانِ فِيْهَا رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس کا رفع اس صورت میں ہوگا کہ یہ اَنَّ کی خبر ہے اور ظرف لغو ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 27

2۔ ایضاً

"اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لیے اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے جو تم کرتے ہو"۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اس کے اوامر و نواہی، فرائض کی ادائیگی اور معاصی سے اجتناب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ غد سے مراد یوم قیامت ہے۔ عرب زمانہ مستقبل کو غد سے کنایۃً تعبیر کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ غد کا ذکر اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے ہے کہ قیامت قریب ہے، جس طرح شاعر نے کہا:

وان غدا للناظرین قریب دیکھنے والوں کے لیے قیامت قریب ہے۔

حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: قیامت کو قریب کر دیا یہاں تک کہ اسے غد کی طرح بنا دیا (1)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر آنے والی چیز قریب ہے اور موت ہر صورت میں آنے والی ہے۔ مَّا قَدَّمَتْ سے مراد خیر اور شر ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس قول کو تکرار کے لیے دوبارہ ذکر کیا ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے: اعجل، اعجل، ارم، ارم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلا تقویٰ ماقبل گناہوں سے توبہ ہے اور دوسرے تقویٰ سے مراد ابتدا آئندہ کل معاصی سے بچنا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝ سعید بن جبیر نے کہا: جو عمل تمہاری جانب سے ہو گا اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے (2)۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝

"اور ان (نادانوں) کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے بھلا دیا اللہ تعالیٰ کو پس اللہ نے ان کو خود فراموش بنا دیا یہی نافرمان لوگ ہیں"۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے امر کو ترک کر دیا (3)۔ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا آپ بھلا دیا کہ وہ اپنے لیے بھلائی کا عمل کرے؛ یہ ابن حبان کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حق بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نفسوں کا حق بھلا دیا؛ یہ سفیان کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اس کا شکر اور تعظیم ترک کر دی اس کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب دے کر بھلا دیا کہ وہ ایک دوسرے کے سامنے ذکر کریں؛ ابن عیسیٰ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ سہل بن عبداللہ نے کہا: انہوں نے گناہوں کے وقت اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا اور توبہ کے وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں بھلا دیا۔ فَاَنْسٰىهُمْ میں اللہ تعالیٰ نے فعل کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ یہاں امر اور نہی کی وجہ سے تھا جس کو انہوں نے ترک کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا امر اور نہی کو ترک کرنے والا پایا۔ جس طرح تیرا یہ قول ہے: احمدت الرجل جب تو نے اسے قابل تعریف پایا۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے خوشحالی میں اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے شدائد میں انہیں بھلا دیا۔ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ ابن جبیر نے کہا: مراد نافرمان ہیں۔ ابن زید نے کہا: وہ جھوٹے ہیں۔ فسق کا اصل معنی نکلنا ہے؛ مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل گئے۔

لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ۝

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 510 | 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 511 | 3۔ ایضاً

"یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی اور اہل جنت، اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں"۔

لَا يَسْتَوِيْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یعنی فضیلت اور رتبہ میں ایک جیسے نہیں۔ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ یعنی مقرب و مکرم ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہر تکلیف سے نجات پانے والے ہیں۔ سورۃ مائدہ آیت 100 میں قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ۔ سورۃ سجدہ میں اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ۝ اور سورۃ ص آیت 28 میں اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ۝ کے ضمن میں کلام گزر چکی ہے۔ اس لیے اس کے دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۝

"اگر ہم نے اتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ دیکھتے کہ وہ جھک جاتا (اور) پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف سے اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ غور و فکر کریں"۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا قرآن کے مواعظ میں غور و فکر کرنے پر برانگیختہ کیا جا رہا ہے اور اس امر کو واضح کیا کہ ترک تدبر میں کوئی عذر نہیں کیونکہ اس قرآن کے ساتھ اگر پہاڑوں کو خطاب کیا جاتا جبکہ ان میں عقل بھی ہوتی تو پہاڑ بھی اس کے مواعظ کو سنتے اور آپ انہیں دیکھتے کہ وہ انتہائی مضبوط ہونے کے باوجود عاجزی کا اظہار کرتے اور اللہ تعالیٰ کی خشیت کی وجہ سے پھٹ جاتے۔ خاشع کا معنی ذلیل ہے اور متصدع کا معنی پھٹنے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خاشعا کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے جس صورت میں اپنی عبادت کا مکلف بنایا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع کرنے والے ہیں۔ مُتَصَدِّعًا اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے پھٹنے والے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں سزا دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کفار کے لیے مثال کے طریقہ پر ہے۔

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ اگر اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتا تو وہ پہاڑ اس کے وعدہ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتا اور اس کی وعید کے سامنے پھٹ جاتا (1)۔ اے لوگو! جو اس کے اعجاز کے سامنے مغلوب ہو تم اس کے وعدے میں رغبت نہیں رکھتے اور اس کی وعید سے نہیں ڈرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا: خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے (2)، یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ ثابت نہ رہتا اور قرآن کے نازل ہونے سے پھٹ جاتا جبکہ ہم نے اسے آپ پر نازل کیا ہے اور ہم نے آپ کو اس کے لیے ثابت کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر احسان ہے کہ آپ اس چیز کے لیے ثابت رہے جس کے لیے پہاڑ ثابت نہیں رہتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خطاب امت کو ہے یعنی اللہ تعالیٰ اگر اس قرآن کے ذریعے پہاڑوں کو ڈراتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے پھٹ جاتے انسان قوت میں کم اور

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 512
2۔ ایضاً

سورۃ الممتحنہ

آیاتہا ۱۳ ۔ سورۃ الممتحنۃ مدنیۃ ۔ رکوعاتہا ۲

تمام کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے۔ اس کی تیرہ آیات ہیں۔

الممتحنہ حاء کے کسرہ کے ساتھ امتحان لینے والی۔ فعل کو مجازاً اس کی طرف منسوب کیا جس طرح سورۂ براءت کو مبعثرہ اور فاضحہ نام دیا گیا کیونکہ اس نے منافقوں کے عیوب کو ظاہر کر دیا۔ جس نے اس سورت کے بارے میں الممتحنہ کہا تو اس نے اسے اس عورت کی طرف مضاف کیا جس کے بارے میں یہ سورت نازل ہوئی۔ وہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ۔ یہ حضرت عبد الرحمن بن عوف کی بیوی تھیں ان کے بطن سے ان کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاۗءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِيْ ڰ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ○

"اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اپنے (جگری) دوست تم تو اظہار محبت کرتے ہو ان سے حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں (اس دین) حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے۔ انہوں نے نکال دیا ہے رسول مکرم ﷺ کو اور تمہیں بھی (مکہ سے) محض اس لیے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر تم جہاد کرنے نکلے ہو میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لیے (تو انہیں دوست مت بناؤ) تم بڑی رازداری سے ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں جانتا ہوں جو تم نے چھپا رکھا ہے اور جو تم نے ظاہر کیا ہے اور جو ایسا کرے تم میں سے تو وہ بھٹک گیا راہ راست سے"۔

اتخذ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے۔ وہ عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ ہے۔ عدو یہ عداوت سے فعول کا وزن ہے جس طرح عفو، عفا سے ہے کیونکہ اس کا وزن مصدر کا ہے اس طرح یہ جمع پر اسی طرح صادق آتا ہے جس طرح واحد پر صادق آتا ہے۔

اس آیت میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ ائمہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے جبکہ الفاظ امام مسلم کے ہیں (1)۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے، حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو بھیجا۔ فرمایا: "روضہ خاخ (جگہ کا نام) جاؤ وہاں ایک ہودج میں عورت ہوگی اس کے پاس خط ہے وہ خط اس سے لے لو"۔ ہم چلے ہمارے گھوڑے ہمیں لے کر دوڑ رہے تھے تو اچانک ہم اس عورت تک جا پہنچے ہیں ہم نے کہا: خط نکال دو۔ اس نے کہا: میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا: خط نکال دو یا تو اپنے کپڑے اتارے گی۔ اس نے اپنے جوڑے سے وہ خط نکال دیا۔ ہم وہ خط رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں لے آئے تو اس میں یہ تھا۔ "حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے اہل مکہ کے مشرکوں کی جانب"۔ وہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے ارادہ کے بارے میں آگاہ کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے حاطب! یہ کیا ہے؟" عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھ پر جلدی نہ کیجئے۔ میں ایسا شخص ہوں جو قریش کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ سفیان نے کہا: وہ ان کے حلیف تھے وہ قریش کے خاندان میں سے نہ تھے۔ آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں وہاں ان کے رشتہ دار ہیں جو ان کے اہل کی حفاظت کرتے ہیں جب کہ میرا وہاں کوئی رشتہ نہیں تو میں نے یہ پسند کیا کہ میں ان میں ایک ایسا احسان کروں جس کی وجہ سے وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں۔ میں نے یہ عمل کفر یا دین سے ارتداد اختیار کرتے ہوئے نہیں کیا اور نہ ہی اسلام کے بعد کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اس نے سچ کہا ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ فرمایا: "یہ غزوہ بدر میں شامل ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے اعمال پر مطلع تھا اس نے ارشاد فرمایا: جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے"۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عورت سارہ تھی جو قریش کے غلاموں میں سے تھی (2)۔ خط میں یہ تھا: اما بعد فان رسول اللہ ﷺ قد توجه اليكم بجيش كالليل يسير كالسيل واقسم بالله لو لم يسر اليكم الا وحده لاظفره الله بكم ولانجز له موعده فيكم فان الله وليه وناصره۔

اما بعد رسول اللہ ﷺ ایک ایسے لشکر کے ساتھ روانہ ہونے والے ہیں جو رات کی مانند ہے۔ سیلاب کی طرح چلے گا۔ میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں اگر آپ ﷺ صرف اکیلے ہی تمہاری طرف چلیں تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو تم پر کامیابی عطا فرمائے گا اور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ اس کا حامی اور مددگار ہے؛ یہ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے۔

قشیری اور ثعلبی نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ یمن کے باشندے تھے ان کا مکہ مکرمہ میں بنی اسد بن عبد العزیٰ جو حضرت زبیر بن عوام کا خاندان تھا سے معاہدہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرت زبیر بن عوام کے حلیف تھے۔ مکہ مکرمہ سے ابو عمرو بن صیفی بن ہشام بن عبد مناف کی لونڈی سارہ مدینہ طیبہ اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی جبکہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے لیے لشکر کی تیاری میں مصروف تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حدیبیہ کا سال تھا۔ رسول اللہ ﷺ

1۔ صحیح مسلم، فضائل صحابہ، جلد 2، صفحہ 302
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 517

نے ارشاد فرمایا: "اے سارہ! کیا تو ہجرت کر کے آئی ہے؟" اس نے عرض کی: نہیں۔ پوچھا: "کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے؟" اس نے عرض کی: نہیں۔ پوچھا: "کس وجہ سے آئی ہو؟" اس نے عرض کی: آپ لوگ ہی میرے اہل، آقا، اصل اور خاندان تھے سب آقا تو چلے گئے یعنی غزوہ بدر میں قتل ہو گئے۔ میں سخت مصیبت کا شکار ہو گئی تھی آپ لوگوں کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئی ہوں تا کہ تم مجھے دو اور لباس دو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اہل مکہ کے جوانوں کا تیرے ساتھ کیا سلوک ہے؟" وہ لونڈی مغنیہ تھی۔ اس نے عرض کی: واقعہ غزوہ بدر کے بعد مجھ سے کسی نے گانے کا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد المطلب اور بنی مطلب کو رغبت دلائی کہ وہ اسے مال عطا کریں۔ انہوں نے اسے مال عطا کیا، لباس دیا اور اسے سواری دی اور وہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ اس کے پاس آئے فرمایا: میں تجھے دس دینار اور چادر دوں گا مگر شرط یہ ہے کہ تو میرا یہ خط اہل مکہ تک پہنچا دے۔ خط میں یہ تحریر تھی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا ارادہ رکھتے ہیں اس لیے محتاط رہو۔ سارہ لونڈی وہاں سے نکلی تو حضرت جبرائیل امین حاضر ہوئے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں آگاہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت ابو مرثد غنوی کو بھیجا۔ ایک روایت میں ہے: حضرت علی اور حضرت عمار بن یاسر کو بھیجا۔ ایک روایت میں ہے: حضرت علی، حضرت عمار، حضرت عمر، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت مقداد اور حضرت ابو مرثد کو بھیجا۔ یہ سب شاہسوار تھے۔ انہیں فرمایا: "تم چلو یہاں تک کہ تم روضہ خاخ پہنچو گے۔ وہاں ہودج میں ایک عورت ہو گی اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا مشرکوں کے نام خط ہو گا۔ وہ اس سے لے لینا اور اسے چھوڑ دینا۔ اگر وہ خط تمہیں نہ دے تو اسے قتل کر دینا"۔ ان صحابہ نے اسے وہاں ہی پا لیا صحابہ نے پوچھا: خط کہاں ہے؟ اس نے قسم اٹھا دی اس کے پاس کوئی خط نہیں۔ صحابہ نے اس کے سامان میں خط کو تلاش کیا خط اس میں نہ ملا۔ صحابہ نے واپس لوٹنے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت علی شیر خدا نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہی ہم نے آپ کو جھٹلایا ہے۔ اور اپنی تلوار سونت لی۔ فرمایا: خط نکال دو بصورت دیگر میں تیرے کپڑے اتار دوں گا اور تیری گردن اتار دوں گا۔ جب اس نے آپ کے پختہ ارادہ کو دیکھا تو خط اپنی مینڈھیوں سے نکال دیا۔ ایک روایت میں ہے: جہاں تہبند باندھا جاتا ہے وہاں سے نکال دیا۔ انہوں نے اسے جانے دیا اور خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب کو بلا بھیجا پوچھا: "کیا تو یہ خط پہچانتا ہے؟" عرض کی: جی ہاں۔ پھر تمام واقعہ بیان کیا۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کو امان دے دی مگر چار افراد کو امان نہ دی۔ سارہ لونڈی ان میں سے ایک تھی۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ سورت کفار کے ساتھ دوستی سے نہی میں اصل ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے جیسے **لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ** (آل عمران: 28) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ** (آل عمران: 118) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ** (المائدہ: 51) اس جیسی کئی آیات ہیں۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو جب مومن ہونے کی حیثیت سے خطاب کیا گیا تو ان پر غشی طاری ہو گئی۔

مسئلہ نمبر 3۔ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ تم ظاہر کرتے ان کی طرف محبت کا اظہار کرتے ہو(1)؛ کیونکہ حضرت حاطب کا دل اس سے محفوظ تھا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد تھا: نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: اما صاحبکم فقد صدق جہاں تک تمہارے ساتھی کا تعلق ہے تو اس نے سچ کہا ہے۔ یہ ارشاد اس کے دل کی سلامتی اور اعتقاد کے درست ہونے پر نص ہے۔ بِالْمَوَدَّةِ میں با زائدہ ہے جس طرح تو کہتا ہے: قرأت السورة، قرأت بالسورة، رمیت اليه ما في نفسي، رمیت اليه بما في نفسي یہ بھی جائز ہے کہ با زائدہ نہ ہو اس صورت میں تُلْقُوْنَ کا مفعول محذوف ہوگا۔ اس کا معنی ہوگا تم رسول اللہ ﷺ کی خبریں ان کو پہنچاتے ہو کیونکہ تمہارے اور ان کے درمیان محبت موجود ہے(2)۔ اسی طرح تُخْفُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ میں با سببیہ ہے۔ فراء نے کہا: تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ میں با اولیاء سے متعلق ہے اور مودة پر با داخل کرنا اور داخل نہ کرنا برابر ہے۔ یہ بھی جائز ہے یہ لَا تَتَّخِذُوْا کے ساتھ متعلق ہو اور حال ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا تعلق اولیاء کے ساتھ ہو اور یہ صفت ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو۔ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ تم مسلمانوں کے راز انہیں بتاتے ہو اور ان کے مخلص بنتے ہو۔ یہ زجاج کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جو مسلمانوں کے رازوں پر آگاہ ہو اور ان کی خبریں دشمنوں کو بتائے تو اگر اس کا یہ عمل دنیوی غرض کے لیے ہو تو اس وجہ سے وہ کافر نہیں ہوگا جبکہ اس کا اعتقاد صحیح ہو جس طرح حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ان پر احسان کے ارادہ سے ایسا کیا اور دین سے ارتداد کی خاطر ایسا نہیں کیا۔

مسئلہ نمبر 5۔ جب ہم نے یہ کہا کہ وہ اس کی وجہ سے کافر نہیں ہوگا اور اس جرم کی وجہ سے اسے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ امام مالک، ابن قاسم اور اشہب نے کہا: امام اس میں اجتہاد کرے گا۔ عبد الملک نے کہا: اگر اس کی یہ عادت ہو تو اسے قتل کیا جائے گا کیونکہ وہ جاسوس ہے۔ امام مالک جاسوس کو قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ قول صحیح ہے کیونکہ اس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا ہے اور اس کی کاوش سے زمین میں فساد برپا ہوا ہے۔ ابن ماجشون نے اس میں تکرار کو بنیاد بنایا ہے کیونکہ حضرت حاطب تو پہلی دفعہ ہی پکڑے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اگر جاسوس کافر ہو تو اوزاعی نے کہا: اس کو قتل اس لیے کیا جائے گا کیونکہ اس نے اپنے عہد کو توڑا ہے۔ اصبغ نے کہا: حربی جاسوس کو قتل کیا جائے گا۔ جاسوس مسلمان ہو یا ذمی ہو انہیں سزا دی جائے گی مگر جب وہ اسلام کے خلاف کام کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں مشرکوں کا ایک جاسوس پیش کیا گیا جس کا نام فرات بن حیان تھا(3)۔ اسے قتل کرنے کا حکم دیا گیا وہ چلایا: اے جماعت انصار! مجھے قتل کیا جائے گا جبکہ میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی گواہی دیتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے بارے میں حکم دیا تو اسے چھوڑ دیا گیا پھر فرمایا: "تم میں سے کچھ میں ان کے ایمان کے سپرد کرتا ہوں۔ ان میں سے

1۔ احکام القرآن لابن عربی، جلد 4، صفحہ 1783
2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 512
3۔ احکام القرآن لابن عربی، جلد 4، صفحہ 1784

میں محبت رکھنے والے دوست کو عتاب کرتا ہوں۔ جب اس کی طرف سے عتاب مجھے شک میں ڈالتا ہے۔ جب عتاب چلا جائے تو کوئی محبت نہیں اور جب تک عتاب باقی رہے تو محبت باقی رہتی ہے۔ بِالْمَوَدَّةِ کا معنی ہے انہیں خط لکھنے میں اخلاص کا مظاہرہ کر رہے ہیں جس طرح ہم نے ذکر کیا باء زائدہ ہے یا ثابت ہے زائدہ نہیں۔

وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَیْتُمْ وَ مَاۤ اَعْلَنْتُمْ جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو اسے میں جانتا ہوں۔ بما میں باء زائدہ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: علمت کذا و علمت بکذا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں تم سے ہر ایک فرد کی ہر اس بات کو جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو یا جو تم ظاہر کرتے ہو۔ تو من کل احد محذوف ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان اعلم و افضل من غیرہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جو تم اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہو اور جو تم اپنی زبانوں سے اقرار و توحید کو ظاہر کرتے ہو سب جانتا ہوں۔ وَ مَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ جو ان کی طرف راز داری سے پیغام بھیجتا ہے اور تم میں سے جو انہیں خط لکھتا ہے۔ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔

اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ یَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّ یَبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ؕ

"اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے اور بڑھائیں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ اور وہ چاہتے ہیں کہ تم (ان کی طرح) کافر بن جاؤ"۔

اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ اگر وہ تمہیں ملیں اور تمہیں اچانک پالیں۔ اسی سے ثاقفہ ہے جس کا معنی ہے تلوار چلانے وغیرہ کے لیے موقع کی تلاش کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ تم پر کامیابی حاصل کریں (1) اور تم پر قدرت حاصل کریں اَیْدِیَهُمْ وار کرنے اور قتل کرنے اور اَلْسِنَتَهُمْ گالی گلوچ کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ وَ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ وہ خواہش کرتے ہیں کہ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کردو پس تم ان کے ساتھ اخلاص کا مظاہرہ نہ کرو وہ تم سے مخلص نہیں۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚۛ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚۛ یَفْصِلُ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝

"ہرگز نفع نہیں پہنچائیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار اور نہ تمہاری اولاد روز قیامت اللہ تعالیٰ جدائی ڈال دے گا تمہارے درمیان اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے"۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ جب حضرت حاطب نے معذرت پیش کی کہ ان کی قریش مکہ کے ہاں اولاد اور رشتہ دار ہیں، اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ مال اور اولاد قیامت کے روز تمہیں نفع نہ دیں گے اگرچہ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی۔

یَفْصِلُ بَیْنَكُمْ وہ مومنوں کو جنت میں اور کافروں کو آگ میں داخل فرمائے گا۔ یَفْصِلُ میں سات قراءتیں ہیں۔ عاصم

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 36

جس طرح قدوۃ اور قِدوۃ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ھو اسوتک یعنی وہ تیری اور تو اس کی مثل ہے۔ عاصم نے اسے اُسوۃ
پڑھا ہے دو لغتیں ہیں۔

وَالَّذِينَ مَعَهُ یعنی مومنین میں سے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحابہ تھے۔ ابن زید نے کہا: مراد انبیاء ہیں (1)۔
إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قوم سے مراد کفار ہیں۔ برآء سے مراد بری ہے، یہ بریء کی
جمع ہے جس طرح شریک کی جمع شرکاء، ظریف کی جمع ظرفاء، عام قراءت فعلاء کے وزن پر ہے۔

عیسیٰ بن عمر اور ابن ابی اسحاق نے براء قراءت کی ہے یہ فعال کا وزن ہے؛ جس طرح قصیر کی جمع قصار، طویل کی جمع
طوال، ظریف کی جمع ظراف ہمزہ کو ترک کرنا بھی جائز ہے۔ یہاں تک کہ تو پڑھے گا براً اور تنوین دے گا۔ اسے براء مصدر کی
صورت میں صفت پر بھی پڑھا گیا ہے؛ اسے براء کسرہ کو ضمہ سے بدل کر بھی پڑھا گیا ہے جس طرح رخال اور رباب ہے۔
یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے افعال میں اقتدا کے بارے میں نص ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم سے قبل کی
شریعتیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے خبر دی ہے۔ وہ ہمارے لیے بھی شرعی احکام ہیں۔

كَفَرْنَا بِكُمْ یعنی جن بتوں پر تم ایمان لاتے ہو ہم اس مسئلہ میں تمہارا انکار کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم
تمہارے افعال کا انکار کرتے ہیں اور ہم تمہارے حق پر ہونے میں تمہیں جھٹلاتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔

وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا جب تک تم کفر کرو گے تمہارے ساتھ ہمارا یہی رویہ ہو گا تو ہمارے اور
تمہارے درمیان عداوت اور بغض ظاہر ہے۔ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ یہاں تک کہ تم اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک پر ایمان
لے آؤ اس وقت دشمنی دوستی میں بدل جائے گی۔

إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ استغفار میں تم آپ کی اقتدا نہ کرو کہ تم مشرکوں کے لیے استغفار کرنے لگو
کیونکہ انہوں نے یہ عمل ایک خاص وعدہ کی وجہ سے کیا تھا؛ یہ قول قتادہ، مجاہد اور دوسرے علماء کا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:
استثناء کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو چھوڑا اور ان سے دوری اختیار کی مگر اپنے اب آزر کے لیے
استغفار میں دوری اختیار نہ کی پھر سورۂ توبہ میں ان کے عذر کو واضح کیا۔

اس میں نبی کریم ﷺ کی تمام انبیاء پر فضیلت کی دلیل ہے کیونکہ ہمیں آپ کی اقتدا کا حکم دیا گیا اور یہ امر مطلق ہے۔
فرمان باری تعالیٰ ہے: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: 7) جب ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام
کی اقتدا کا حکم دیا گیا تو بعض افعال کی استثنا کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مستثنیٰ منقطع ہے، یعنی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا
قول جو انہوں نے اپنے اب آزر کے حق میں کیا تھا۔ یہ اس لیے انہوں نے کیا کیونکہ انہیں گمان تھا کہ وہ مسلمان ہے جب یہ
واضح ہو گیا کہ وہ مسلمان نہیں تو آپ نے اس سے براءت کا اظہار کر دیا۔ اس تاویل کی بنا پر اس آدمی کے حق میں استغفار کرنا
جائز ہے جس کے مسلمان ہونے کا گمان ہو، تم جب اس قسم کا ظن نہیں پاتے تو تم کیوں ان سے دوستی کا اظہار کرتے ہو۔

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 37

کا شکار ہو گئی اور عداوت میں ان کی طبیعت ڈھیلی پڑ گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مودۃ سے مراد فتح مکہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے شادی کرنا ہے۔ وہ حضرت عبداللہ بن جحش کے عقد میں تھیں۔ انہوں نے اور ان کے خاوند نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی ان کے خاوند نصرانی ہو گئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ دین میں اس کی اتباع کریں حضرت ام حبیبہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے دین پر ہی کاربند رہیں اور ان کا خاوند نصرانیت پر ہی فوت ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی طرف پیغام بھیجا اور حضرت ام حبیبہ کو دعوت نکاح دی۔ نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے پوچھا: تم میں سے کون اس کا قریبی رشتہ دار ہے؟ صحابہ نے بتایا: حضرت خالد بن سعید۔ نجاشی نے کہا: ام حبیبہ کی شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دو۔ اس نے اسی طرح کیا۔ نجاشی نے اپنی جانب سے چار سو دینار بطور مہر پیش کیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان کی طرف ان کے نکاح کے لیے پیغام بھیجا۔ جب حضرت عثمان نے حضرت ام حبیبہ کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا تو نجاشی کی طرف ان کے بارے میں پیغام بھیجا نجاشی نے اپنی جانب سے مہر دیا اور حضرت ام حبیبہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیج دیا۔ ابو سفیان جو ابھی مشرک تھا جب اسے یہ خبر پہنچی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیٹی سے شادی کر لی ہے تو اس وقت کہا: ذٰلِكَ الْفَحْلُ لَا يُقْدَعُ أَنْفُهُ یعنی یہ ایسا نر ہے جس کی ناک پر ضرب نہیں لگائی جاتی (1)۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی بہت ہی معزز ہو۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

"اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

اس آیت میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کی رخصت ہے جو مومنوں سے دشمنی نہیں رکھتے اور ان سے برسر پیکار نہیں رہتے۔ ابن زید نے کہا: یہ ابتدائے اسلام میں تھا جب ایک دوسرے کو چھوڑنے اور قتال کے معاملہ کو ترک کرنے کا حکم تھا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا (2)۔ قتادہ نے کہا: اسے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ: 5) نے منسوخ کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم خاص علت کی بناء پر تھا اور وہ صلح تھی جب فتح مکہ کے ساتھ صلح ختم ہو گئی تو یہ حکم بھی منسوخ کر دیا گیا اور صرف اس کی قراءت و تلاوت باقی رہ گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی عہد و پیمان تھا جس کو انہوں نے نہ توڑا ان کے لیے ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: وہ بنو خزاعہ اور بنو حارث بن عبد مناف ہیں۔ ابو صالح نے بھی یہی کہا ہے کہ مراد بنو خزاعہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب الصداق، بکثرتی کے ساتھ اسے حدیث نمبر 1802، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 515

تمہارے گھروں سے نکالا یا مدد کی تمہارے نکالنے میں کہ تم انہیں دوست بناؤ اور جو انہیں دوست بناتے ہیں تو وہی (اپنے آپ پر) ظلم توڑتے ہیں"۔

قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ دین کے خلاف تمہارے ساتھ جنگ کی۔ اخرجوا میں واؤ ضمیر سے مراد اہل مکہ میں سے سرکش لوگ ہیں۔ وَ ظٰهَرُوْا انہوں نے تمہیں نکالنے میں مدد کی اور وہ اہل مکہ کے مشرک ہیں۔ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ میں ان کا محل جر میں ہے اور ان تبروھم سے بدل ہے۔ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ جو انہیں اولیاء، انصار اور احباب بناتا ہے۔ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ یہی لوگ ظالم ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَی الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَ اٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَ سْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَ لْیَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ○

"اے ایمان والو! جب آجائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کر لو۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو بھی اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف مت واپس کرو، نہ وہ حلال ہیں کفار کے لیے اور نہ وہ (کفار) حلال ہیں مومنات کے لیے، اور دے دو کفار کو جو مہر انہوں نے خرچ کیے، اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم ان عورتوں سے نکاح کرو جب تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو، اور (اسی طرح) تم بھی نہ روکے رکھو (اپنے نکاح میں) کافر عورتوں کو اور مانگ لو جو تم نے (ان پر) خرچ کیا اور کفار بھی مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا، یہ اللہ کا فیصلہ ہے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے، اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا بڑا دانا ہے"۔

اس آیت میں سولہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ جب اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے ساتھ دوستی کے ترک کرنے کا حکم دیا اس امر نے یہ تقاضا کیا کہ مسلمان مشرکوں کے علاقے چھوڑ کر مسلمانوں کے علاقوں کی طرف ہجرت کر جائیں۔ باہمی نکاح باہم دوستی کا موکد ترین سبب تھا تو عورتوں کی ہجرت کے احکام کو بیان کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قریش کے مشرکوں کے ساتھ حدیبیہ کے سال صلح ہوئی کہ مکہ مکرمہ میں سے جو بھی شخص مدینہ طیبہ آئے گا اسے ان کی طرف واپس کر دیا جائے گا۔ ابھی تحریر سے فراغت ہوئی تھی کہ حارث اسلمی کی بیٹی حضرت سبیعہ آگئی۔ ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں ہی تھے اس کا خاوند آگیا جبکہ وہ کافر تھا اس کا نام صیفی بن راہب تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام مسافر مخزومی تھا۔ اس نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری بیوی مجھے واپس کرو کیونکہ آپ نے یہ شرط تسلیم کی ابھی تحریر کی مٹی بھی خشک نہیں ہوئی تو اللہ تعالیٰ

نے فیصلہ کر دیا پھر اس کے رسول نے فیصلہ کر دیا کہ ان عورتوں کو واپس نہ کیا جائے گا تو جس نے بھی عورتوں کے واپس کرنے کی شرط لگائی وہ شرط منسوخ ہو گئی اور اس پر کوئی عوض نہ ہوگا کیونکہ منسوخ کو شرط قرار دینا باطل ہے اور باطل چیز کا کوئی عوض نہیں۔

مسئلہ نمبر 8۔ خاوندوں نے جس قدر خرچ کیا ہو اس مقدار میں اللہ تعالیٰ نے واپس کرنے کا حکم دیا۔ اس امر کا مخاطب امام ہے اس کے پاس بیت المال میں جو ایسا مال ہے جس کا مصرف متعین نہ ہو اس میں سے وہ خرچ کرے گا۔ مقاتل نے کہا: وہ مہر کافر خاوند کو واپس کرے گا جس مہر پر عورت سے مسلمان مرد شادی کرے گا۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی بھی اس سے شادی نہ کرے تو کافر خاوند کے لیے کوئی چیز نہ ہوگی۔ قتادہ نے کہا: مہر واپس کرنے کا حکم ان لوگوں کی عورتوں کے بارے میں ہے جن کے ساتھ مسلمانوں کے عہد و پیمان ہوں۔ جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ نہیں انہیں کوئی مہر وغیرہ نہیں دیا جائے گا۔ معاملہ اسی طرح ہے جس طرح انہوں نے کہا۔

مسئلہ نمبر 9۔ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ یعنی جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی عدت ختم ہو گئی۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ مشرک اور معتدہ کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ اگر ایسی عورت حقوق زوجیت سے قبل ہی مسلمان ہو جائے تو اس کا نکاح اسی وقت ثابت ہو جائے گا اور اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرنا بھی جائز ہوگا۔

مسئلہ نمبر 10۔ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مہر کی شرط کے ساتھ ان کے ساتھ نکاح کرنے کو مباح قرار دیا کیونکہ اسلام نے ان کے اور ان کی کافر بیوی کے درمیان جدائی کر دی ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ عام قراء کی قراءت تخفیف کے ساتھ ہے یہ امساک سے مشتق ہے؛ یہ اختیار ابو عبید کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ (البقرہ: 231) حضرت حسن بصری، ابو العالیہ اور ابو عمرو نے وَلَا تُمَسِّكُوْا پڑھا ہے یہ تمسیک سے مشتق ہوگا یوں کہا جاتا ہے: مَسَّكَ يُمَسِّكُ تَمْسِيْكًا۔ یہ اَمْسَكَ يُمْسِكُ کے معنی میں ہے۔ وَلَا تَمَسَّكُوْا تا کے نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اصل میں یہ تتمسکوا تھا۔ العصم عصمہ کی جمع ہے اس سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ انسان محفوظ رہتا ہے یہاں عصمہ سے مراد نکاح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس کی مکہ مکرمہ میں کافر بیوی ہو وہ اسے بیوی شمار نہ کرے وہ اس کی بیوی نہیں (1)۔ دار کے مختلف ہونے کی وجہ سے نکاح ختم ہو چکا ہے۔

امام نخعی سے مروی ہے: مراد وہ مسلمان عورت ہے جو دار الحرب بھاگ گئی اور کافر ہو گئی۔ کفار مسلمان عورتوں سے شادیاں کیا کرتے تھے اور مسلمان مرد مشرک عورتوں سے شادی کیا کرتے تھے پھر اس آیت میں اس کو منسوخ کر دیا گیا۔ حضرت عمر بن خطاب نے دو ایسی عورتوں کو طلاق دے دی جو مکہ مکرمہ میں تھیں اور مشرک تھیں ان میں سے ایک قریبہ بنت ابی امیہ تھی جس سے بعد میں معاویہ بن ابی سفیان نے شادی کی جبکہ دونوں مکہ مکرمہ میں مشرک کی حیثیت سے رہ رہے تھے۔ اور ام کلثوم بنت عمرو خزاعیہ جو عبد اللہ بن مغیرہ کی والدہ تھی، ابو جہم بن حذافہ نے اس سے شادی کی جبکہ دونوں مشرک تھے۔ جب

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 515

مطالبہ کیا، بلکہ اس کا حکم ثابت ہے۔ یہ سب پہلے گزر چکا ہے۔ قشیری نے کہا: یہ آیت ام حکم بنت ابی سفیان کے حق میں نازل ہوئی وہ مرتد ہو گئی تھی اور اس نے اپنے خاوند عیاض بن غنم قرشی کو چھوڑ دیا۔ قریش میں سے اس کے علاوہ کوئی عورت مرتد نہیں ہوئی تھی پھر اسلام قبول کر لیا۔

ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: وہ کل چھ عورتیں تھیں جنہوں نے اسلام چھوڑا اور مشرکوں کے ساتھ جا ملی تھیں یہ مہاجر مسلمانوں کی بیویاں تھیں (1)۔ (1) ام الحکم بنت ابی سفیان، یہ حضرت عیاض بن ابی شداد فہری کے عقد میں تھی۔ (2) فاطمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ جو حضرت ام سلمہ کی بہن تھی۔ یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی تو اس نے انکار کیا اور مرتد ہو گئی۔ (3) بروع بنت عقبہ یہ حضرت شماس بن عثمان کے عقد میں تھی۔ (4) عبدہ بنت عبد العزیٰ یہ حضرت ہشام بن عاص کے عقد میں تھی۔ (5) ام کلثوم بنت جرول یہ حضرت عمر بن خطاب کے عقد میں تھی۔ (6) شہبہ بنت غیلان۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے خاوندوں کو ان کے مہر مال غنیمت سے ادا کیے گئے۔ واتقوا اللہ اس چیز سے بچو کہ تم ان امور میں حد سے تجاوز کرو جس کا تمہیں حکم دیا گیا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

"اے نبی (مکرم) جب حاضر ہوں آپ کی خدمت میں مومن عورتیں تاکہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ وہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہیں لائیں گی جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیک کام میں تو (اے میرے محبوب) انہیں بیعت فرما لیا کرو اور اللہ سے ان کے لیے مغفرت مانگا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا تو مکہ کی عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں تو نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ان سے عہد لیں کہ وہ شرک نہیں کریں گی۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو نبی کریم ﷺ کی زوجہ تھیں نے کہا: مومن عورتیں جب رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرتیں تو ان کا امتحان اس آیت کے ساتھ لیا جاتا: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ۔(2)

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 519

2۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، کیفیۃ بیعۃ النساء، جلد 2، صفحہ 131

مومنات میں سے جس نے اقرار کر لیا تو اس نے محنت کا اقرار کر لیا۔ جب وہ یہ اقرار کر لیتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرماتے: "جاؤ میں نے تم سے بیعت لے لی ہے"۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا آپ نے صرف گفتگو کے ذریعے ان سے بیعت لی۔ حضرت عائشہ نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے کبھی بھی بیعت نہیں لی مگر اسی چیز کی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کبھی بھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بیعت لیتے تو یہ فرماتے: "میں نے تم سے زبانی بیعت لے لی ہے۔" یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ان عورتوں کے درمیان کپڑا تھا آپ ان پر شرط لگاتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: جب آپ مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو آپ صفا پہاڑی پر بیٹھے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نچلے حصے میں حضرت عمر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں پر شرط ذکر کرتے اور حضرت عمر بلند آواز سے ان عورتوں پر دہراتے تھے۔ ایک روایت یہ کی گئی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی ذمہ داری لگائی جو صفا پر کھڑی ہوئی تو اس نے عورتوں سے بیعت لی۔ ابن عربی نے کہا: یہ ضعیف ہے (1)۔ چاہیے کہ اس چیز پر اعتماد کیا جائے جو صحیح میں ہے۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھر میں انصار کی عورتوں کو جمع کیا پھر حضرت عمر بن خطاب کو ہماری طرف بھیجا حضرت عمر دروازے پر کھڑے ہو گئے انہوں نے عورتوں کو سلام کیا اور عورتوں نے انہیں سلام کا جواب دیا۔ حضرت عمر نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تمہیں پیغام پہنچانے والا ہوں۔ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی۔ سب نے کہا: ہاں ٹھیک ہے۔ حضرت عمر حجرہ کے باہر سے اور ہم نے کمرے کے اندر سے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا۔ پھر حضرت عمر نے کہا: اے اللہ! گواہ رہنا۔ عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عورتوں سے بیعت لیتے تو پانی کا ایک پیالہ لیتے اپنا ہاتھ اس میں رکھتے پھر عورتوں کو حکم دیتے کہ وہ اپنا ہاتھ اس میں رکھیں تو وہ اپنا ہاتھ اس پیالہ میں رکھتیں (2)۔

مسئلہ نمبر 2۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہا: "تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی۔" ہند بنت عتبہ نے کہا جبکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خوف کی وجہ سے نقاب میں تھی کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہچان نہ لیں۔ خوف کی وجہ سے اس کا وہ عمل تھا جو اس نے غزوہ احد کے موقع پر حضرت حمزہ کے ساتھ روا رکھا تھا: اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ایسی باتوں کا وعدہ لے رہے ہیں جو آپ نے مردوں سے نہیں لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اسلام اور جہاد پر بیعت لی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ چوری نہیں کریں گی" (3)۔ ہند نے کہا: ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے میں اس کے مال سے ضرورت کی چیز لے لیتی ہوں۔ ابوسفیان نے کہا: وہ تیرے لیے حلال ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور اسے پہچان لیا۔ فرمایا: "تو ہند ہے؟" اس نے عرض کی: جو گزر چکا اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے۔ پھر فرمایا: "وہ بدکاری نہیں کریں گی"۔ ہند نے عرض کی: کیا آزاد عورت بھی بدکاری کرتی ہے؟ پھر فرمایا: "وہ اپنی اولادوں کو قتل نہیں کریں گی" وہ بچیوں کو

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1791
2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 521
3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 368

سورۃ الصف

آیاتہا ۱۴ | ۶۱ سُوۡرَۃُ الصَّفِّ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۹ | رکوعاتہا ۲

تمام کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے جس طرح ماوردی نے ذکر کیا ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مکی ہے؛ نحاس نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے۔ اس کی چودہ آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝

"اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو"۔

پہلی آیت کی تفسیر سورۂ حدید کی پہلی آیت کے تحت گزر چکی ہے۔

دوسری دو آیات کے ضمن میں پانچ مسائل بیان کئے گئے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ دارمی ابو محمد نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ محمد بن کثیر، اوزاعی سے وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے، وہ ابو سلمہ سے وہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں: ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جماعت بیٹھی ہم نے آپس میں بات چیت کی ہم نے کہا: اگر ہم جانتے کہ اعمال میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ محبوب ہے تو ہم اس پر ضرور عمل کرتے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ کو نازل فرمایا۔ ابو سلمہ نے کہا: حضرت ابن سلام نے انہیں ہم پر تلاوت کیا۔ یحییٰ نے کہا: ابو سلمہ نے انہیں ہم پر پڑھا، انہیں یحییٰ نے ہم پر پڑھا، اوزاعی نے انہیں ہم پر پڑھا اور محمد نے انہیں ہم پر پڑھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے کہا: اگر ہم ایسا عمل جانتے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب ہے تو ہم اس پر عمل کرتے؟ جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو صحابہ نے اسے ناپسند کیا(2)۔ کلبی نے کہا: مومنوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر ہم ایسے عمل کو جانتے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ محبوب ہے تو ہم اس عمل کو بجالانے میں جلدی کرتے تو یہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 527   2۔ ایضاً

ابن عربی نے کہا: یہ سب باتیں دین میں ثابت ہیں جہاں تک يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ کا تعلق ہے یہ تو دین میں لفظ اور معنی کے اعتبار سے اس سورت میں ثابت ہے (1)۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ تمہاری گردنوں میں شہادت ہوگی اور قیامت کے روز اس بارے میں تم سے پوچھا جائے گا، یہ معنی کے اعتبار سے دین میں ثابت ہے کیونکہ جو کسی چیز کو اپنے اوپر لازم کرتا ہے وہ شرعاً اس پر لازم ہو جاتی ہے۔ جو چیز لازم ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ (1) نذر، نذر کی بھی دو قسمیں ہیں (1) جو ابتداءً عبادت ہو جس طرح کسی کا یہ قول ہے: لِلّٰهِ عَلَيَّ صَوْمٌ وَصَلٰوةٌ وَصَدَقَةٌ اللہ کے لیے مجھ پر نماز، روزہ اور صدقہ ہے یا اسی طرح کسی عبادت کا ذکر کرے۔ بالاجماع اس کو پورا کرنا لازم ہے۔ (2) نذر مباح۔ اس سے مراد ایسی نذر ہے جس کو اس نے پسندیدہ شرط کے ساتھ معلق کیا ہو جس طرح اس کا قول ہے: اگر میرا غائب آ گیا تو مجھ پر صدقہ لازم ہے۔ یا کسی خوف والی شرط کے ساتھ معلق کرے جیسے: اگر اللہ تعالیٰ میری فلاں تکلیف کے لیے کافی ہو گیا تو مجھ پر صدقہ لازم ہے۔ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے کہا: اس کو پورا کرنا لازم ہے۔ امام شافعی نے اپنے ایک قول میں کہا: اس کو پورا کرنا لازم نہیں۔ آیت کا عموم ہماری دلیل ہے، کیونکہ آیت کا مطلق ہونا ان آدمیوں کی مذمت کو شامل ہے جو کسی طور پر بھی ایسا نذر کرے خواہ وہ مطلق ہو یا شرط کے ساتھ مقید ہو۔ امام شافعی کے اصحاب نے کہا: بے شک وہ نذر جس سے عبادت کا مقصد ہو۔ یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب وہ عبادت کی جنس سے ہو۔ یہ اگرچہ عبادت کی جنس سے تو ہے مگر اس کے ساتھ عبادت کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ اس سے یہ قصد کیا گیا ہے کہ اپنے نفس کو کسی فعل سے روکے یا کسی فعل کے کرنے کا قصد کیا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں: تمام شرعی عبادات حقیقت میں مشقتیں اور مشکل امور ہیں اگرچہ یہ عبادات ہیں۔ یہ کسی نفع کے حصول یا تکلیف کو دور کرنے کے لیے کسی مشقت کے ساتھ قربت کو لازم کرنا ہے۔ تو یہ امور مکلف بنانے سے خارج نہ ہوں گے۔ ابن عربی نے کہا: اگرچہ جو بات کی گئی ہے وہ وعدہ ہے تب بھی اس سے خالی نہیں کہ یہ کسی سبب پر منحصر ہو جس طرح کوئی کہتا ہے: اِنْ تَزَوَّجْتُ اَعَنْتُكَ بِدِيْنَارٍ: اگر میں نے شادی کی تو ایک دینار کے ساتھ تیری مدد کروں گا یا اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں تجھے یہ عطا کروں گا۔ یہ لازم ہے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے۔ اگر صرف وعدہ ہو تو ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اپنے مطلق ہونے کی وجہ سے لازم ہو گیا۔ انہوں نے آیت کے سبب سے استدلال کیا ہے۔ کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: اگر ہم ایسا عمل جانتے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے افضل ہے یا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب ہے تو ہم ضرور اس پر عمل کرتے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ یہ ایسی حدیث ہے جس میں کوئی کمی نہیں۔ مجاہد سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جب اس آیت کو سنا تو کہا: میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے آپ کو روکے رکھوں گا یہاں تک کہ شہید کیا جاؤں۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وعدہ عذر کے بغیر ہر صورت میں پورا کرنا لازم ہے۔

میں کہتا ہوں: امام مالک نے کہا: جہاں تک وعدہ کا تعلق ہے جس طرح ایک آدمی کسی سے سوال کرتا ہے کہ وہ اسے کوئی چیز ہبہ کرے تو وہ آدمی کہتا ہے: ہاں ٹھیک ہے۔ پھر اس کے لیے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایسا نہ کرے تو میں اسے نہیں دیکھتا کہ یہ اس پر

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1799-1800

مقت اس کا ایسی بات کرنا جس پر وہ عمل پیرا نہ ہوں یہ بڑی ناراضگی کا باعث ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حال ہے مقتہ مقاتہ یہ دونوں مصدر ہیں یوں کہا جاتا ہے: رجل مقیت و ممقوت جب لوگ اسے ناپسند کریں۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ ۝

"بے شک اللہ تعالیٰ بہت محبت کرتا ہے ان (مجاہدوں) سے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پرا باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا وہ صف بندی کرتے ہیں۔ مفعول مضمر ہے تقدیر کلام یہ ہے یصفون انفسھم صفا۔

كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ ۝ فراء نے کہا: وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں (1)۔ مبرد نے کہا: یہ رصصت البناء سے مشتق ہے جب تو اسے اس طرح بنا دے کہ وہ ایک ٹکڑے کی طرح ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رصیص سے مشتق ہے اس سے مراد اطراف کا ایک دوسرے کے ساتھ جڑنا ہے۔ تراص سے مراد باہم جڑنا ہے۔ اسی سے تراصوا فی الصف ہے۔ آیت کا معنی ہے۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتا ہے اور اپنی جگہ جم جاتا ہے جس طرح دیوار ایک جگہ ثابت رہتی ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مومنین کو تعلیم ہے کہ جب دشمنوں سے جنگ کا مرحلہ ہو تو وہ کیسے رہیں (2)۔

مسئلہ نمبر 2۔ بعض اہل تاویل نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ پیدل کا جہاد شاہسوار کے جہاد سے افضل ہے کیونکہ شاہسوار اس طریقے سے صف بندی نہیں کرتے۔ مہدوی نے کہا: یہ درست نہیں کیونکہ شہسوار کے اجر اور قسمت میں فضیلت کا ذکر ہے۔ شاہسوار آیت کے معنی سے خارج نہیں کیونکہ اس کا معنی ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ صف سے نکلنا جائز نہیں مگر انسانی ضرورت کی بنا پر جو انسان کو لاحق ہوتی ہے یا ایسے پیغام کی وجہ سے جو امام بھیجتا ہے یا کسی منفعت میں جو خاص مقام میں ظاہر ہوتی ہے یا فرصت جس کا موقع ملتا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

دعوت مبارزت کے لیے صف سے نکلنے میں دو قول ہیں۔ (1) اس بارے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مقصد دشمن کو خوفزدہ کرنا ہے شہادت کو طلب کرنا ہے اور قتل پر برانگیختہ کرنا ہے۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں: کوئی آدمی دعوت مبارزت کے لیے نہ نکلے کیونکہ اس میں ریاکاری اور اس امر کی طرف نکلنا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ مبارزت اس وقت ہے جب کافر اسے طلب کرے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں غزوہ بدر اور غزوہ خیبر میں ہوا۔ سلف صالحین کا یہی انداز رہا۔ سورۂ بقرہ آیت 195 میں وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ کے ضمن میں مفصل بحث گزر چکی ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَد تَّعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ ۖ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 528

2۔ ایضاً

سے فرق ہے۔ اطفاء قلیل اور کثیر دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اخماد کثیر میں استعمال ہوتا ہے قلیل میں استعمال نہیں ہوتا۔ یہ جملہ تو کہا جاتا ہے: اطفات السراج یہ نہیں کہا جاتا: اخمدت السراج۔

نور اللہ کے بارے میں یہاں پانچ قول ہیں۔ (۱) مراد قرآن ہے، وہ قول کے ذریعے اس کو باطل کرنے اور جھٹلانے کا ارادہ کرتے تھے؛ یہ حضرت ابن عباس اور ابن زید کا قول ہے۔ (۲) مراد اسلام ہے۔ وہ کلام کے ذریعے اس کو رد کرنا چاہتے ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے۔ (۳) مراد حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے۔ وہ بہتان اور جھوٹی خبروں کے ساتھ آپ کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ (۴) اللہ تعالیٰ کے دلائل ہیں، وہ اپنے انکار اور تکذیب کے ساتھ دلائل کا ابطال چاہتے ہیں؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ (۵) یہ ضرب المثل ہے۔ جس نے اپنے منہ سے سورج کے نور کو بجھانا چاہا تو وہ اسے محال اور ممتنع پائے گا اسی طرح جس نے حق کو باطل کرنے کا ارادہ کیا؛ اسے ابن عیسیٰ نے بیان کیا ہے۔ اس آیت کا شان نزول ہے جو عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر چالیس روز تک وحی نہیں آئی تو کعب بن اشرف نے کہا: اے یہود! تمہیں خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے اس کے نور کو بجھا دیا جو ان پر نازل ہوتا تھا ان کا معاملہ مکمل ہونے والا نہیں، رسول اللہ ﷺ غمگین ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اور اس کے بعد وحی کا اتصال رہا؛ ماوردی نے ان تمام چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوۡرِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ۝ آفاق میں ظاہر کرنے کے ساتھ۔ ابن کثیر، حمزہ، کسائی اور حفص نے عاصم سے وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوۡرِهٖ اضافت کے ساتھ قراءت کی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ (آل عمران: 185) اور اس جیسی دوسری آیات ہیں جس طرح اس کی وضاحت سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے باقی قراء نے مُتِمٌّ نُوۡرَهٗ پڑھا ہے کیونکہ اسم فاعل کا صیغہ مستقبل کے معنی میں ہے تو یہ عمل کرے گا۔ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ۝ تمام قسم کے کافر اسے ناپسند کریں۔

هُوَ الَّذِيۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ۝

"وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ وہ غالب کر دے اسے سب دینوں پر خواہ کتنا ناپسند کریں اس کو مشرک"۔

هُوَ الَّذِيۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وہی ذات پاک ہے جس نے حضرت محمد ﷺ کو حق اور ہدایت کے ساتھ مبعوث کیا۔ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ یعنی دلائل کے ساتھ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔ ظہور سے مراد جنگ میں طاقت کے ذریعے غلبہ ہے۔ ظہور سے مراد یہ نہیں کہ کوئی دوسرا دین باقی ہی نہ رہے بلکہ مراد یہ ہے کہ مسلمان غالب اور فتح یاب ہوں گے اور آخر زمانہ میں اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہیں رہے گا۔ حضرت ابوہریرہ اور مجاہد نے کہا: لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظاہر ہونے کے ساتھ دین غالب ہوگا اس وقت کوئی کافر باقی نہیں رہے گا مگر سب مسلمان ہو جائیں گے۔ ابوہریرہ نے کہا: یہ اس وقت ہوگا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو زمین میں کوئی دین باقی نہیں رہے گا مگر

ہے۔ انہوں نے کہا: کیونکہ اس کا معنی ہے تم ثابت قدم رہو اور تلوار کے ساتھ اس کے دشمنوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کے مددگار بنو۔ باقی قراء، اہل بصرہ، کوفہ اور شام سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے اسے أَنْصَارَ اللّٰهِ تنوین کے بغیر پڑھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسم سے لام اضافت حذف کر دیا ہے۔ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ یہاں تنوین نہیں۔ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار بن جاؤ۔ پھر کہا: کلام میں اضمار ہے یعنی اے محمد! انہیں کہو اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب خطاب کا آغاز ہے یعنی تم حواری بن جاؤ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے کیا۔ بحمد اللہ وہ انصار تھے اور وہ حواری تھے اور حواری رسولوں کے خاص لوگ ہوتے ہیں۔ معمر نے کہا: بحمد اللہ انہوں نے مدد کی تو ان کی تعداد ستر تھی انہی لوگوں نے ہی عقبہ کی رات سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قریش میں سے تھے۔ قتادہ نے ان کا نام بھی لیا یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت غنی، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت سعد بن مالک، حضرت ابو عبیدہ بن جراح ان کا نام عامر تھا، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت حمزہ بن عبد المطلب، حضرت سعید کا ذکر نہیں کیا اور حضرت جعفر بن ابی طالب کا ذکر کیا ہے۔

كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ یعنی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منتخب افراد تھے ان کی تعداد بارہ تھی۔ ان کے اسماء آل عمران میں گزر چکے ہیں۔ یہ وہ پہلے افراد ہیں جو اس سرزمین میں سے آپ پر ایمان لائے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا: جب تو بستی میں داخل ہو تو اس نہر پر جا جس پر دھوبی کپڑے دھو رہے ہیں ان سے مدد طلب کر۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کون میرا مددگار ہے" انہوں نے جواب دیا: ہم آپ کی مدد کرتے ہیں۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اور آپ کی مدد کی۔ یہاں الی، مع کے معنی میں ہے جس طرح تو کہتا ہے: الذود الی الذود ابل یہاں بھی الی، مع کے معنی میں ہے؛ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے کون میری ان معاملات میں مدد کرے گا جو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کریں گے؟ سورۃ آل عمران میں یہ بات گزر چکی ہے۔

فَآمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد وہ طائفے باہم مختلف ہو گئے جس طرح آل عمران میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ۔ عدو سے مراد وہ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا۔ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ۝ وہ غالب آ گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد اس طرح کی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو کفار کے دین پر غلبہ دیا۔ مجاہد نے کہا: جو ان پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانہ میں ہی ان کی کفار کے خلاف مدد کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آج دونوں گروہوں کے خلاف مومنوں کی مدد کی۔ جس نے کہا: وہ اللہ تھا تو وہ خود اوپر چلا گیا۔ جس نے کہا: وہ اللہ کا بیٹا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اوپر اٹھا لیا۔ مقصود یہ ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کسی سے جہاد نہیں کیا اور آپ کے بعد آپ کے ساتھیوں میں بھی کوئی جہاد نہ ہوا۔ زید بن علی اور قتادہ نے کہا: فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ

سورۃ الجمعہ

آیاتہا ۱۱ | سورۃ الجمعۃ مدنیۃ | رکوعاتہا ۲

تمام کے قول میں یہ سورت مدنی ہے، اس کی گیارہ آیات ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے وہ یوم جمعہ ہے اس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی دن آپ کو جنت میں داخل کیا گیا، اسی دن اسے نکالا گیا اور قیامت بھی اسی روز قائم ہوگی'' (1)۔

آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم قیامت کے روز آخری ہیں اور اول بھی ہیں۔ ہم لوگ جنت میں داخل ہونے میں اول ہیں اس کے باوجود کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی انہوں نے آپس میں اختلاف کیا انہوں نے جس میں اختلاف کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حق کی ہدایت دی۔ یہ وہ دن ہے جس میں انہوں نے اختلاف کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی ہدایت عطا کی'' (2)۔ فرمایا: ''جمعہ کا روز تو ہمارے لیے ہے اگلا روز یہود کے لیے ہے اور اس کے بعد والا دن نصاریٰ کے لیے ہے''۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝

''اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے جو بادشاہ ہے نہایت مقدس ہے زبردست ہے حکمت والا ہے''۔

اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ابوالعالیہ اور نصر بن عاصم نے الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ قراءت کی ہے۔ یہ سب مرفوع ہیں تقدیر کلام یوں ہے ھو الملک۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُبِينٍ ۝

''وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان (کے دلوں) کو اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب اور حکمت اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: امیوں سے مراد قوم عرب ہے خواہ ان

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، فضیلۃ یوم الجمعہ، جلد 1، صفحہ 282
2۔ ایضاً

تنبیہ ہے کہ جو کتاب اٹھائے وہ اس کے معانی کو سیکھے اور اس میں جو کچھ ہے وہ اس کو جانے تا کہ اسے بھی وہ مذمت لاحق نہ ہو جو انہیں لاحق ہوئی ہے۔ شاعر نے کہا:

زوامل للأسفار لا علم عندهم ... بجيدها إلا كعلم الأباعر

لعمرك ما يدري البعير إذا غدا ... بأوساقه أو راح ما في الغرائر

کتابیں اٹھانے والے جنہیں ان میں سے عمدہ چیز کا علم نہیں ہوتا ان کا علم ویسا ہے جیسے اونٹوں کا علم ہوتا ہے۔ تیری زندگی کی قسم! اونٹ نہیں جانتا کہ بوریوں میں کیا ہے جب وہ اٹھائے جاتا ہے یا واپس آتا ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا:

إن الرواة على جهل بما حملوا ... مثل الجمال عليها يحمل الودع

لا الودع ينفعه حمل الجمال له ... ولا الجمال بحمل الودع تنتفع

بے شک راوی جو اس چیز سے ناواقف ہیں جس کے وہ حامل ہیں ان اونٹوں کی مانند ہیں جن پر ودیعتیں لادی گئی ہوں اونٹوں کا اس ودیعت کو اٹھانا اس امانت کو کوئی نفع نہیں دیتا اور نہ ہی امانت کا مال اٹھانے سے اونٹوں کو نفع ہوتا ہے۔

منذر بن سعید بلوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا ہی خوب کہا:

انعق بما شئت تجد أنصارا ... وزم أسفارا تجد حمارا

يحمل ما وضعت من أسفار ... يحمله كمثل الحمار

يحمل أسفارا له وما درى ... إن كان ما فيها صوابا وخطا

إن سئلوا قالوا كذا روينا ... ما إن كذبنا ولا اعتدينا

كبيرهم يصغر عند الحفل ... لأنه قلد أهل الجهل

جو چاہے تو آواز لگا تو مددگار پائے گا تو کتابوں کو کس کر باندھ لے تو گدھا پائے گا تو نے جو کتابیں باندھی ہیں وہ اسے اٹھا لیتا ہے جس طرح ایک گدھا اٹھاتا ہے وہ اسی طرح اٹھاتا ہے۔ وہ اپنی کتابیں اٹھاتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ ان میں کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے۔ اگر ان سے پوچھا جائے تو کہتے ہیں: ہم نے اسی طرح روایت کیا نہ ہم نے جھوٹ بولا اور نہ ہم نے غلطی کی۔ ان کا بڑا بھی محفل میں حقیر ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے جاہلوں کو علم کا قلادہ پہنایا ہے۔

ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا انہوں نے اس پر عمل نہ کیا انہیں گدھوں کے ساتھ تشبیہ دی جبکہ تورات ان کے ہاتھوں میں ہے وہ اس پر عمل نہیں کرتے اور گھر سے کتابیں اٹھاتے ہیں ان کے لیے بوجھ کے سوا کوئی چیز نہیں اور نہ ہی ان کے لیے کوئی فائدہ ہے۔ يحمل حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ صفت ہونے کی حیثیت سے محل جر میں ہو کیونکہ الحمار جو معرف باللام ہونے کے باوجود نکرہ ہے جس طرح اللئیم نکرہ کے حکم میں ہے۔

ولقد أمر على اللئيم يسبني میں کمینے کے پاس سے گزرتا ہوں جو مجھے گالیاں دیتا ہے۔ یہاں بھی اللئیم نکرہ کے حکم میں ہے۔

طالب ہوں، اس سے ہدایت کا سوال کرتا ہوں، میں اس پر ایمان لاتا ہوں، میں اس کے ساتھ کفر نہیں کرتا، جو اس کا انکار کرتا ہے میں اس کے ساتھ دشمنی رکھتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہدایت اور دین کے ساتھ نور، موعظہ اور حکمت کے ساتھ بھیجا جبکہ رسولوں کی بعثت میں انقطاع ہو چکا تھا، علم کی کمی تھی، لوگ گمراہ تھے، زمانے میں انقطاع واقع ہو چکا تھا، قیامت قریب آ چکی ہے اور اجل قریب ہے جو آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ ہدایت پا جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ گمراہ ہو جائے گا، تفریط کا شکار ہو گیا اور گمراہی میں دور چلا جائے گا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ وہ بہترین چیز ہے جس کی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو وصیت کرتا ہے کہ اسے آخرت پر برانگیختہ کرے اور اسے اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں جن چیزوں سے محتاط رہنے کا حکم دیا ہے ان سے محتاط رہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اس آدمی کے لیے، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اعمال کرتا ہے، بہترین مددگار ہے ان چیزوں کے لیے جو تم آخرت میں چاہتے ہو، جو آدمی پوشیدہ اور ظاہر حالت میں اپنے اور اپنے رب کے معاملات کو درست کرتا ہے وہ صرف اللہ کی رضا کا طالب ہوتا ہے، دنیا میں یہ اس کے لیے ذکر بن جاتا ہے اور موت کے بعد اس کے لیے ذخیرہ بن جاتا ہے۔ جب انسان اس چیز کا محتاج ہوتا ہے جو اس نے آگے بھیجا۔ جو اس کے علاوہ ہے اس کے بارے میں وہ چاہے گا کاش! اس کے اور اس کے عمل کے درمیان بہت ہی دوری ہو۔ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (آل عمران) اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی پکڑ سے خبردار کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ شفقت فرمانے والا ہے، اس کا قول سچا ہے اور اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا ہے۔ اس کی جانب سے کوئی وعدہ خلافی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ (ق) جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی سیئات بخش دیتا ہے اور اسے اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔ بے شک اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اس کی ناراضگی سے بچاتا ہے، اس کی سزا سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کی ناراضگی سے بچاتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سے تقویٰ چہروں کو روشن کرتا ہے، رب کو راضی کرتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے۔ اپنا حصہ لو اور اللہ تعالیٰ کے حصہ میں کمی نہ کرو، اس نے تمہیں اپنی کتاب کی تعلیم دی ہے، تمہارے لیے اپنا راستہ واضح کیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو بھی جان لیں اور جھوٹوں کو بھی جان لے۔ اس طرح اچھے اعمال کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے، اس کے دشمنوں سے دشمنی کرو، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے ہی تمہیں چنا ہے اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے۔ لا حول ولا قوۃ العظیم۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو، موت کے بعد کے لیے عمل کرو کیونکہ جو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملات کو درست کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان معاملات کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر غالب ہے، لوگ اس پر غالب نہیں، وہ لوگوں کا مالک ہے، لوگ اس کے مالک نہیں، اللہ اکبر، لا حول

ہو گئے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مسجد کی سمت میں بازار میں آذان دی جائے تاکہ لوگ اپنی تجارت کو چھوڑ دیں۔ جب وہ مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد میں آذان دی جائے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ہی دو آذانیں دینے کا حکم دیا، یہ ابن عربی کا قول ہے۔ حدیث صحیح میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آذان ایک ہی تھی جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو آپ نے زوراء کے مقام پر تیسری آذان دلوا کر اس کا اضافہ کیا۔ حدیث میں اسے تیسری آذان (1) کا نام دیا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بین کل اذانین صلاۃ لمن شاء (2) یعنی آذان اور اقامت کے درمیان نماز کا وقت ہے جو چاہے اسے پڑھے۔ لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ اصلی آذان ہے، پھر انہوں نے تین موذن بنا دیئے۔ یہ وہم ہے پھر انہوں نے ایک وقت میں سب کو جمع کر دیا۔ یہ وہم پر وہم ہے۔ میں نے انہیں مدینۃ السلام میں مینارہ کی آذان کے بعد امام کے سامنے منبر کے نیچے ایک جماعت کی صورت میں آذان دیتے ہوئے دیکھا جس طرح سابقہ حکومتوں میں ہمارے ہاں بھی ایسا ہی کیا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ نیا عمل ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ: سعی کے معنی میں یہاں تین قول ہیں۔ (1) ارادہ کرنا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! یہ قدموں پر چلنا نہیں بلکہ دلوں اور نیت کی سعی ہے۔ (2) مراد عمل ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ (الاسراء: 19) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝ (اللیل) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ (النجم) یہ جمہور کا قول ہے۔ زہیر نے کہا:

سعی بعدہم قوم لکی یدرکوہم

ان کے بعد ایک قوم نے عمل کیا تاکہ ان کو پالیں۔

نیز یہ بھی کہا:

سعی ساعیا غیظ بن مرۃ بعدما ۔۔۔ تبزل ما بین العشیرۃ بالدم

غیظ بن مرہ نے بھی کاوش کی جبکہ قبیلہ میں صلح خون ریزی سے ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے عمل پیرا ہو، اس کے اسباب غسل، وضو اور اس کی طرف توجہ میں مشغول رہو۔

(3) مراد پیدل چلنا ہے۔ یہ فضیلت ہے شرط نہیں۔ بخاری شریف میں ہے (3) حضرت ابو عبس بن جبیر رضی اللہ عنہ جو کبار صحابہ میں سے تھے پیدل جمعہ کی نماز کے لیے جاتے تھے۔ کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ حرمہ اللہ علی النار جس کے قدم اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار آلود ہو جائیں اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دیتا ہے۔

اس کلام کا ظاہر دوڑنے پر دلالت کرتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: اکثر صحابہ اور متقدمین فقہاء نے اس کا انکار کیا (4)۔

1۔ قول: اس وقت زوراء پر دی جانے والی آذان کے بعد دوسری آذان جو منبر کے سامنے دی جاتی ہے جب امام منبر پر بیٹھ جائے تیسری اقامت ہے۔

2۔ احکام القرآن لابن عربی، جلد 4، صفحہ 1803-1804

3۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، مشی الی الجمعۃ، جلد 1، صفحہ 124

4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1804

بن اکوع سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں وکیع، یعلی سے وہ ایاس سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرتے پھر ہم سایہ کی تلاش کرتے ہوئے واپس آتے (1)۔ یہ متقدمین اور متاخرین جمہور اسلاف کا نقطہ نظر ہے اور اسے ظہر کی نماز پر بھی قیاس کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر، حضرت سہل اور حضرت انس کی روایت اس امر پر دلیل ہے کہ صحابہ کرام دوپہر کے کھانے یا اس سے بھی پہلے نماز جمعہ کے لیے جلدی جایا کرتے تھے۔ وہ دوپہر کا کھانا نماز جمعہ کے بعد ہی کھایا کرتے تھے۔ امام مالک کی رائے ہے کہ جمعہ کو جلدی ادا کرنا اسی طرح ہے کہ زوال کے بالکل قریب ہی ادا کیا جائے اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے اجتہاد کیا ہے: من راح فی الساعة الاولى فكانما قرب بدنة (2) جو پہلی ساعت میں گیا گویا اس نے اونٹ کی قربانی دی۔ یہ سب ایک ہی ساعت ہے۔ دوسرے علماء نے اسے دن کی بارہ ساعتوں پر محمول کیا ہے جو برابر ہیں یا مختلف ہیں جس طرح دن میں کمی یا زیادتی ہوتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: حضرت ابن عمر کی حدیث کی وجہ سے یہ قول زیادہ صحیح ہے کہ وہ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد قیلولہ کرتے اور کھانا کھاتے کیونکہ وہ بہت جلدی نماز جمعہ کے لیے چلے جایا کرتے تھے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر جمعہ فرض کیا ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اسے فرض کفایہ کہتے ہیں۔ بعض شافعیہ سے یہ منقول ہے۔ امام مالک سے یہ منقول ہے جو ثابت نہیں کہ نماز جمعہ سنت ہے۔ جمہور امت اور ائمہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ فرض عین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ**۔ نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث ثابت ہے: لينتهين اقوام عن ودعهم الجمعات او ليختمن الله على قلوبهم ثم ليكونن من الغافلين (3) جو لوگ جمعہ کی نماز کو چھوڑتے ہیں انہیں اس طرز عمل سے رک جانا چاہیے ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔ جمعہ کے وجوب اور اس کے فرض ہونے میں یہ واضح حجت ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابی جعد ضمری سے مروی ہے۔ جبکہ وہ صحابی بھی تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من ترك الجمعة ثلاث مرات تهاونا بها طبع الله على قلبه (4) جس نے سستی کرتے ہوئے تین دفعہ جمعہ ترک کر دیا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ اس کی سند صحیح ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ بجلی کی حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے مجبوری کے بغیر تین جمعے ترک کیے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔“ ابن عربی نے کہا: نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے فرمایا: رواح الجمعة واجب على كل مسلم (5) جمعہ کی نماز کے لیے جانا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے لیے سعی وغیرہ کی شرط کے واجب قرار دیا ہے۔ تمام نمازوں کے لیے قرآن و سنت سے وضو کا شرط ہونا ثابت ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ** (المائدہ:6) جب تم

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، من تعجیل الجمعة، جلد 1، صفحہ 283
2۔ ایضاً، کتاب الجمعة، فضل التهجير يوم الجمعة، جلد 1، صفحہ 280
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، التغليظ في التخلف عن الجماعة، صفحہ 58
4۔ جامع ترمذی، کتاب الجمعة، صفحہ 121
5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1808

نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو دھو۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: لا یقبل اللہ صلاۃ بغیر طہور (1) اللہ تعالیٰ وضو کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتا۔ ایک طائفہ نے عجیب و غریب بات کی ہے کہ جمعہ کا غسل فرض ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ باطل ہے کیونکہ امام نسائی اور ابوداؤد نے اپنی اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: من توضأ یوم الجمعۃ فبہا و نعمت ومن اغتسل فالغسل افضل (2) جس نے جمعہ کے روز وضو کیا اس نے بہت اچھا کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے جمعہ کے روز وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر جمعہ کے لیے گیا اس نے خطبہ سنا اور خاموش رہا تو اللہ تعالیٰ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور اس سے تین دن زائد کے گناہ بخش دیتا ہے (3)۔ جو کنکریوں سے کھیلتا رہا اس نے لغو عمل کیا۔ یہ نص ہے۔ موطا شریف میں ہے: ایک آدمی جمعہ کے روز مسجد میں داخل ہوا جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ آنے والے نے کہا: میں نے وضو کرنے کے سوا کوئی زائد عمل نہیں کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا: صرف وضو؟ جبکہ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ غسل کا حکم ارشاد فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کا حکم تو دیا مگر اسے واپس جانے کا حکم ارشاد نہیں فرمایا۔ یہ بھی اس پر دلیل ہے کہ غسل کرنا مستحب ہے اب یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ سنت کی طرف لوٹتے جبکہ وہ فرض (جمعہ میں حاضر ہونا اور خطبہ سننا) کی ادائیگی میں شروع ہو چکے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارد گرد اور مسجد نبوی میں جلیل القدر صحابہ اور مہاجرین تشریف فرما تھے۔

مسئلہ نمبر 11۔ عید کے روز جمعہ ہو جائے تو نماز جمعہ ساقط نہیں ہوگی جبکہ امام احمد بن حنبل اس سے اختلاف کرتے ہیں انہوں نے کہا: جب عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جائے گی کیونکہ عید کی نماز جمعہ کی نماز سے پہلے ہوتی ہے اور عید کی مشغولیت کی وجہ سے لوگ جمعہ سے غافل ہو جاتے ہیں۔ آپ نے اس میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے عوالی (4) کے باسیوں کو اجازت دی کہ وہ نماز جمعہ کے لیے نہ آئیں۔ صحابہ میں سے ایک کا قول کوئی حجت نہیں جب اس کی مخالفت بھی ہو اور اس پر کوئی اتفاق نہ کیا گیا ہو۔ عید کے روز جمعہ کے لیے غسل کا حکم اسی طرح متوجہ ہوتا ہے جس طرح باقی ایام میں متوجہ ہوتا ہے (5)۔

صحیح مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین اور جمعہ میں قراءت کیا کرتے تھے (6)۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ (الاعلیٰ) اور هَلْ أَتٰىكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝ (الغاشیہ) جب عید اور جمعہ ایک ہی دن میں جمع ہو جاتے تو دونوں نمازوں میں ان دونوں سورتوں کی قراءت کیا کرتے تھے۔ اسے ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے (٭)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1808
2۔ ایضاً
3۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، کراہیۃ مس الحصیٰ، جلد 1، صفحہ 283
4۔ مدینہ طیبہ سے ایک میل کی مسافت پر ایک جگہ تھی۔
5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1809
6۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، جلد 1، صفحہ 288
٭ جامع ترمذی، باب ما جاء فی القراءۃ فی العیدین، حدیث نمبر 490، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

میں کہتا ہوں: یہ امام شافعی کا مذہب ہے کیونکہ آپ کے نزدیک بیع منعقد ہو جاتی ہے، وہ فسخ نہیں ہوتی۔ زمخشری نے اپنی تفسیر میں کہا: عام علماء کی رائے ہے کہ بیع فسخ نہ ہوگی (1)۔ انہوں نے کہا: بیع بالذات حرام نہیں لیکن اس میں مشغول ہونے سے ایک واجب سے غفلت ثابت ہوتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جس طرح مغصوبہ زمین اور مغصوبہ کپڑے میں نماز پڑھی جائے اور مغصوبہ پانی سے وضو کیا جائے۔ بعض علماء سے یہ منقول ہے کہ یہ بیع فاسد ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ ایسی بیع فاسد اور فسخ شدہ ہے (2) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کل عمل لیس علیہ امرنا فہو رد ہر ایسا عمل جس بارے میں ہمارا امر نہ ہو تو وہ مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

"پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے رہا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ امر کا صیغہ اباحت کے لیے ہے جس طرح اس آیت وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا (المائدہ: 2) میں امر اباحت کے لیے ہے۔ فرمان ہے: جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو تجارت کے لیے اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے زمین میں پھیل جاؤ۔ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ اس کا رزق تلاش کرو۔ عراک بن مالک کا معمول تھا جب وہ نماز پڑھ چکتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوتے تو عرض کرتے: اے اللہ! میں نے تیری دعوت کو قبول کیا، تیرے عائد کردہ فریضہ کو بجا لایا اور زمین میں پھیل گیا جس طرح تو نے مجھے حکم دیا (3)۔ اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرما تو بہترین رزق دینے والا ہے۔ جعفر بن محمد نے وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ کی یہ وضاحت کی: مراد عمل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد طلب علم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد نفل نماز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: دنیا کی کسی شے کو طلب کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اس سے مراد مریضوں کی عیادت، نماز جنازہ میں حاضر ہونا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بھائی سے ملاقات کرنا ہے۔

وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا اطاعت کرتے اور زبان سے اس کا شکر بجا لاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرض کے بجا لانے کی توفیق دی اس انعام پر شکر بجا لاؤ۔ لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ یہاں لعل، کی کے معنی میں ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا، جس نے اس کی اطاعت نہ کی وہ ذکر کرنے والا نہیں اگرچہ وہ بہت زیادہ تسبیح کرتا ہو۔ سورۂ بقرہ میں اس بارے میں مرفوع روایت گزر چکی ہے۔

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 536	2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1806	3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 10

مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ۝

"اور (بعض لوگوں نے) جب دیکھا کسی تجارت یا تماشا کو تو بکھر گئے اس کی طرف اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا (اے حبیب! انہیں) فرمایئے کہ جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں لہو اور تجارت سے، اور اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے"۔

اس میں سترہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے روز کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو شام سے ایک تجارتی قافلہ آ گیا لوگ اس قافلہ کی طرف چلے گئے یہاں تک کہ صرف بارہ افراد مسجد میں رہ گئے (1)۔ ایک روایت میں ہے: میں بھی ان میں سے ایک تھا تو یہ آیت جو سورۂ جمعہ میں ہے نازل ہوئی۔ ایک روایت میں ہے: ان بارہ افراد میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق بھی تھے۔ کلبی اور دوسرے علماء نے کہا: جو اس تجارتی قافلہ کو لایا تھا وہ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی تھے۔ جو شام سے یہ قافلہ لائے جبکہ زمانہ سخت بھوک اور مہنگائی کا تھا۔ ان کے پاس تمام وہ مال و اسباب تھا جس کی لوگوں کو ضرورت تھی جیسے گندم، آٹا وغیرہ۔ وہ مدینہ طیبہ کی منڈی احجار زیت میں اترے اور طبل بجایا تاکہ لوگوں کو اپنے آنے کی خبر دے تو لوگ ان کے پاس چلے گئے صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ کلبی نے کہا: وہ خطبہ جمعہ دے رہے تھے سارے چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس صرف آٹھ افراد رہ گئے۔ ثعلبی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا۔

دار قطنی نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث سے نقل کی ہے: اسی اثناء میں کہ جمعہ کے روز رسول اللہ ﷺ ہمیں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک تجارتی قافلہ آیا جس کے پاس کھانے کا سامان تھا وہ بقیع میں اترا۔ لوگ اس قافلہ کی طرف متوجہ ہونے اس کی طرف چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ دیا آپ کے ساتھ چالیس آدمی رہ گئے میں بھی ان میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر اس آیت کو نازل فرمایا (2)۔ اس اسناد میں علی بن عاصم جو حصین سے روایت نقل کرتے ہیں نے ہی چالیس افراد کا ذکر کیا ہے۔ حصین کے دوسرے اصحاب نے اس کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا: نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف بارہ افراد باقی رہ گئے۔ نبی کریم ﷺ سے یہ روایت مروی ہے: والذی نفسی بیدہ لو خرجوا جمیعا لاضطرم اللہ علیہم الوادی نارا (3) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر سب کے سب نکل جاتے تو اللہ تعالیٰ ان پر اس وادی کو آگ سے بھر دیتا؛ زمخشری نے اسے ذکر کیا۔

ایک حدیث مرسل میں ان بارہ افراد کے نام ذکر کیے گئے ہیں۔ اسے اسد بن عمرو نے جو اسد بن موسیٰ بن اسد کے والد ہیں نے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، جلد 1، صفحہ 284　　2۔ سنن دار قطنی، کتاب الجمعۃ، ذکر العدد فی الجمعۃ، جلد 2، صفحہ 4، حدیث 5

3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 536

ہے۔ سنن ابن ماجہ، دار قطنی اور بیہقی کی دلائل النبوۃ میں عبد الرحمن بن کعب بن مالک سے مروی ہے کہا: جب میرے والد کی نظر جاتی رہی تو میں اپنے والد کو ساتھ لے کر جاتا۔ جب میں انہیں جمعہ کے لیے لے کر چلا تو انہوں نے آذان کی آواز سنی تو حضرت ابو امامہ کے لیے دعا اور استغفار کی۔ کافی عرصہ تک ان کا یہی معمول رہا (1)۔ وہ جمعہ کی آذان سنتے تھے مگر وہ یہی عمل کرتے۔ میں نے ان سے عرض کی: اے میرے ابا جان! جب بھی آپ جمعہ کی اذان سنتے ہیں تو آپ حضرت ابو امامہ کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: اے بیٹے! یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حرہ بنی بیاضہ (2) میں نقیع الخضمات کہتے اس کی پست جگہ میں مدینہ طیبہ میں پہلا جمعہ پڑھایا تھا۔ میں نے پوچھا: اس وقت تمہاری تعداد کتنی تھی؟ فرمایا: چالیس۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: طریقہ یہ چلتا آ رہا ہے ہر تین افراد میں ایک امام ہو اور ہر چالیس یا اس سے زائد افراد میں جمعہ، عید قربان اور عید فطر ہو (3)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جماعت ہیں: اسے دار قطنی نے روایت کیا ہے۔

ابوبکر احمد بن سلیمان نجاد نے روایت نقل کی ہے: عبد الملک بن محمد رقاشی پر یہ روایت پڑھی گئی جبکہ میں قریب تھا تو کہا گیا رجاء بن سلمہ نے حدیث بیان کی وہ اپنے باپ سے وہ روح بن غطیف ثقفی سے وہ زہری سے وہ ابو سلمہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کتنے افراد پر جمعہ واجب ہوتا ہے؟ فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی تعداد پچاس ہو گئی تو حضور ﷺ نے انہیں جمعہ کی نماز پڑھائی۔ عبد الملک بن محمد کو یہ روایت سنائی گئی جبکہ میں سن رہا تھا کہ ربیع بن مسلم، ہشام بن عمار سلمی سے وہ جعفر بن زبیر سے وہ قاسم سے وہ حضرت ابو امامہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جمعہ پچاس افراد پر واجب ہوتا ہے اس سے کم افراد پر واجب نہیں ہوتا"(4)۔

ابن منذر نے کہا: حضرت عمر بن عبد العزیز نے یہ فرمان جاری کیا جس بستی میں پچاس آدمی جمع ہو جائیں وہ جمعہ کی نماز پڑھیں۔ زہری نے ام عبد اللہ دوسیہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جمعہ ہر بستی والوں پر واجب ہے اگرچہ ان میں چار افراد ہی ہوں"(5)۔ یہاں قریٰ سے مراد شہر ہیں۔ یہ زہری سے ثابت نہیں۔ ایک روایت میں ہے: "جمعہ ہر بستی والوں پر واجب ہے اگرچہ ان میں تین افراد ہوں اور چوتھا ان کا امام ہو"(6)۔ زہری کا سماع ام عبد اللہ سے ثابت نہیں اس کی سند میں حکم نامی شخص متروک ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ جمعہ امام کی اجازت اور اس کی موجودگی کے بغیر بھی صحیح ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: اس کی شرطوں میں سے ایک شرط امام یا خلیفہ کا ہونا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ولید بن عقبہ جو کوفہ کا والی تھا ایک روز اس نے دیر کی تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت کے بغیر لوگوں کو نماز جمعہ پڑھا دی۔ یہی روایت بیان کی جاتی ہے کہ جن دنوں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تھا ان دنوں میں حضرت علی شیر خدا نے نماز جمعہ پڑھائی تھی۔ یہ منقول نہیں کہ حضرت علی نے حضرت

1۔ سنن دار قطنی، کتاب الجمعہ، ذکر العدد فی الجمعہ، جلد 2، صفحہ 6
2۔ مدینہ طیبہ سے ایک میل کی مسافت پر جگہ ہے۔
3۔ سنن دار قطنی، کتاب الجمعہ، ذکر العدد فی الجمعہ، جلد 2، صفحہ 4
4۔ ایضاً
5۔ کنز العمال، جلد 7، صفحہ 723، حدیث 21099
6۔ ایضاً صفحہ 725، حدیث 21115

عثمان سے اس کی اجازت طلب کی تھی۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ سعید بن عاص جو والی مدینہ تھے جب مدینہ طیبہ سے باہر گئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے لوگوں کو نماز جمعہ پڑھائی جبکہ اجازت طلب نہیں کی تھی۔ امام مالک نے کہا: اللہ کی زمین میں اللہ کے فرائض ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ضائع نہیں کرتا والی اس کی ذمہ داری اٹھائے یا نہ اٹھائے۔

مسئلہ نمبر 4۔ ہمارے علماء نے کہا: اس کی ادائیگی کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس کے لیے چھت والی مسجد ہونی چاہیے۔ ابن عربی نے کہا: میں اس کی وجہ نہیں جانتا (1)۔ میں کہتا ہوں: اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ (الحج: 26) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ (النور: 36) بیت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دیواروں اور چھت والا ہو۔ یہی عرف ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا جب خطیب خطبہ دے تو وہ منبر پر کھڑا ہو (2)۔ علقمہ نے کہا: حضرت عبداللہ سے پوچھا گیا: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے؟ فرمایا: کیا تو وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا نہیں پڑھتا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ مسجد میں داخل ہوئے جبکہ عبدالرحمن بن ام الحکم بیٹھے خطبہ دے رہا تھا۔ فرمایا: اس خبیث کو دیکھو بیٹھ کر خطبہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا (3)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے۔ جو آدمی آپ کو یہ بتائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تو اس نے جھوٹ بولا۔ اللہ کی قسم! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو ہزار سے زائد نمازیں پڑھی ہیں (4)۔ جمہور فقہاء اور ائمہ کا یہی نقطہ نظر ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: خطبہ میں قیام شرط نہیں۔ یہ روایت کی جاتی ہے جس نے سب سے پہلے بیٹھ کا خطبہ دیا وہ حضرت امیر معاویہ تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا یہاں تک کہ رقت طاری ہوگئی تو آپ نے بیٹھ کر خطبہ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑھاپے کی وجہ سے بیٹھ کر خطبہ دیتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے پھر بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے اور بیٹھنے کے دوران کوئی گفتگو نہ کرتے۔ حضرت جابر بن سمرہ نے اسے ہی روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر سے بھی بخاری میں اسی طرح مروی ہے (5)۔

مسئلہ نمبر 6۔ خطبہ جمعہ کے انعقاد میں شرط ہے، اس کے بغیر نماز جمعہ صحیح نہیں ہوتی؛ جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ مستحب ہے (6)۔ ابن ماجشون نے بھی اسی طرح کہا ہے: یہ سنت ہے فرض نہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ ظہر کی دو رکعتوں کے قائم مقام ہے۔ جب وہ خطبہ ترک کر دے اور نماز جمعہ ادا کرے تو نماز ظہر کی دو رکعتوں کو ترک کیا۔ اس کے وجوب پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا یہ مذمت ہے۔ شرعاً واجب کے ترک کرنے والے کی

1۔ احکام القرآن لابن العربی جلد 4، صفحہ 1803

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجمعہ، ما جاء فی الخطبۃ یوم الجمعۃ، جلد 2، صفحہ 78

3۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، جلد 1، صفحہ 284

4۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 283

5۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، الخطبۃ قائما، جلد 1، صفحہ 125

6۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 168

نعوذ به من شرور انفسنا (1)۔

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں، ہم اس کی مدد چاہتے ہیں، ہم اس سے بخشش طلب کرتے ہیں، ہم اپنے نفوس کی شر سے اس کی پناہ چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کے حق میں وہ گمراہی مقدر کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ ہم گواہی دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قیامت سے پہلے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ ہدایت پا جاتا ہے اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ جو ہمارا رب ہے سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں اور اس کی ناراضگی سے اجتناب کرتے ہیں ہم اس کے ساتھ ہیں اور اسی کے لیے ہیں"۔

ان سے یہ بھی مروی ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ جب آپ ﷺ خطبہ دیتے تو ارشاد فرماتے: "ہر آنے والی چیز قریب ہے اور جو آنے والی ہے وہ کوئی دور نہیں اللہ تعالیٰ کسی کی جلد بازی کے لیے اسے جلدی نہیں لاتا اور لوگوں کی وجہ سے تخفیف نہیں کرتا وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے نہ کہ وہ جو لوگ چاہیں ایک امر ہے جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے اور ایک امر وہ ہے جس کا لوگ ارادہ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اگرچہ لوگ ناپسند کریں۔ اللہ تعالیٰ جسے قریب کرے اسے دور کرنے والا کوئی نہیں، اللہ تعالیٰ جسے دور کرے اسے قریب کرنے والا کوئی نہیں، اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شی واقع ہونے والی نہیں" (2)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم ﷺ جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرماتے اللہ تعالیٰ کی حمد اور انبیاء پر درود پڑھنے کے بعد آپ فرماتے: "اے لوگو! تمہارے لیے علامتیں ہیں اپنی علامتوں کی طرف چلو تمہارے لیے انتہائیں ہیں اپنی انتہا کی طرف چلو، بے شک بندہ مومن دو خوفوں کے درمیان ہے۔ ان خوفوں میں سے ایک اجل ہے جو گزر چکی ہے وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کیا فیصلہ فرمانے والا ہے اور ایک اجل ہے جو باقی ہے وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس میں اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے پس بندے کو چاہیے کہ اپنی ذات میں سے اپنی ذات کے لیے لے اور اپنی دنیا سے آخرت کے لیے حصہ بنائے، اپنی جوانی سے اپنے بڑھاپے کے لیے اور اپنی زندگی سے اپنی آخرت کے لیے حصہ بنائے۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! موت کے بعد رضا کے طلب کرنے کا موقع نہیں اور دنیا کے بعد کوئی دار نہیں مگر جنت ہے یا جہنم۔ میں یہ کہتا ہوں اور اپنے لیے اور تمہارے لیے بخشش کا طالب ہوں"۔ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا وہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ جو خطبہ کو سنے اس پر خطبہ کے لیے خاموش رہنا واجب ہے سنت یہ ہے کہ جو اسے سنے اور جو نہ سن سکے وہ اس کے لیے خاموش رہے انشاء اللہ دونوں اجر میں برابر ہیں۔ جس نے اس وقت گفتگو کی اس نے لغو عمل کیا اس کے

1۔ سنن ابی داؤد، باب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 157
2۔ ایضاً، صفحہ 7

ظالم امام ہو وہ اس کی تحقیر کرتا ہو یا اس کا انکار کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی جمعیت کو قائم نہ رکھے اور اس کے معاملہ میں برکت نہ رکھے خبردار! اس کی کوئی نماز نہیں، اس کی کوئی زکوٰۃ نہیں، اس کا کوئی حج نہیں، اس کا کوئی روزہ نہیں اور اس کی کوئی نیکی نہیں یہاں تک کہ وہ توبہ کرے جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس پر نظر رحمت فرماتا ہے۔ خبردار! کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرائے، کوئی بدو کسی مہاجر کی امامت نہ کرائے اور کوئی فاجر کسی مومن کی امامت نہ کروائے مگر یہ کہ حاکم اس پر جبر کرے جس کی تلوار اور کوڑے سے وہ اپنی خوف محسوس کرتا ہو''۔

میمون بن ابی شبیب نے کہا: میں نے کوفہ کے ساتھ جمعہ کا ارادہ کیا۔ میں نے جانے کا ارادہ کیا۔ پھر میں نے کہا: میں کہاں جاؤں گا؟ کیا میں اس فاجر کے پیچھے نماز پڑھوں گا؟ ایک دفعہ کہتا: میں جاؤں گا اور ایک دفعہ کہتا: میں نہیں جاؤں گا۔ میں نے جانے پر پختہ ارادہ کر لیا تو گھر کی جانب سے مجھے ایک ندا کرنے والے نے ندا کی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ۔

مسئلہ نمبر 7 ۔ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ اس میں دو وجوہ ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری نماز کا جو ثواب ہے وہ تمہاری لہو کی لذت اور تمہاری تجارت کے نفع سے زیادہ ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے ہاں جو تمہارا رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حق میں مقدر کیا ہے یہ اس سے بہتر ہے جو تم نے لہو اور تجارت سے حاصل کیا ہے۔ ابو رجا عطاردی نے قراءت کی: قل ما عند اللہ خیر من اللهو ومن التجارة للذین آمنوا۔

وَ اللّٰهُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۠ جو بھی کسی کو کوئی چیز عطا کرتا ہے ان سب سے اللہ تعالیٰ بہتر ہے، اسی سے طلب کرو اور اس کی طاعت کے ذریعے اس چیز کو حاصل کرنے میں مدد لو اس کے پاس جو ہے وہ دنیا و آخرت سے بہتر ہے۔

منافق کی طرف لوٹنے کا۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایمان سے مراد تصدیق قلبی ہے اور حقیقی کلام دل کی کلام ہوا کرتی ہے۔ جو آدمی کوئی بات کرے اور اس کے برعکس کا اعتقاد رکھے تو وہ جھوٹا ہے۔ سورۂ بقرہ کے شروع میں یہ بات گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی قسموں میں جھوٹا قرار دے دیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَ مَا هُمْ مِّنْكُمْ (التوبہ: 56)۔

اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

"انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اس طرح روکتے ہیں اللہ کی راہ سے، بیشک یہ لوگ بہت برا کرتے تھے جو یہ کر رہے ہیں"۔

اس میں تین مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً۔ جُنَّةً کا معنی پردہ ہے (1)۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ کی طرف راجع نہیں یہ آیت کے سبب کی طرف راجع ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جس طرح امام بخاری اور امام ترمذی نے ابن ابی کے بارے میں روایت نقل کی۔ اس نے قسم اٹھائی کہ اس نے یہ بات نہیں کی حالانکہ اس نے یہ بات کی تھی۔ ضحاک نے کہا: اس نے اللہ کے نام کی قسم اٹھائی تھی کہ وہ تمہیں میں سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی ایمان سے مراد وہ ہے جو ان کے رب نے ان کے بارے میں سورۂ براءۃ آیت 74 میں خبر دی ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا۔

مسئلہ نمبر 2۔ جس نے کہا: اقسم باللہ، اشہد باللہ، اعزم باللہ، احلف باللہ، اقسمت باللہ، اشہدت باللہ، اعزمت باللہ، حلفت باللہ۔ سب میں فرمایا: باللہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ قسم ہے۔ اسی طرح امام مالک اور آپ کے اصحاب کا نقطۂ نظر ہے۔ اگر کوئی کہے: اقسم، اشہد، اعزم، احلف اور باللہ کے الفاظ نہ کہے اگر وہ ارادہ کرے تو قسم ہوگی اگر وہ باللہ کا ارادہ نہ کرے تو یہ قسم نہ ہوگی۔ الکیا نے امام شافعی سے یہ بیان کیا ہے۔ امام شافعی نے کہا: جب ایک آدمی نے کہا: اشہد باللہ اور قسم کی نیت کی تو وہ قسم ہی ہوگی (2)۔ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب نے کہا: اگر اس نے کہا اشہد باللہ لقد کان کذا تو وہ قسم ہوگی (3)۔ اگر اس نے کہا: اشہد لقد کان کذا نیت نہ کی تو اس آیت کی وجہ سے وہ قسم ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کو ذکر کیا پھر فرمایا: اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً امام شافعی کے نزدیک وہ قسم نہ ہوگی اگرچہ وہ قسم کی نیت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان قَالُوْا نَشْهَدُ کی طرف نہیں لوٹ رہا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا جو سورۂ براءۃ میں ہے کی طرف لوٹ رہا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ انہوں نے اعراض کیا۔ یہ صدود سے مشتق ہے یا مومنین کو پھیر دیا کہ وہ منافقوں پر اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کریں جیسے قتل کرنا، قیدی بنانا اور مال چھین لینا۔ یہ صد سے مشتق ہے یا انہوں نے لوگوں کو جہاد سے روکا کہ وہ پیچھے رہیں اور دوسرے لوگ بھی ان کی اقتدا کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے یہودیوں اور مشرکوں کو

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 727　　2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 159 (مفہوم)　　3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 539

کے حلیف کے ساتھ جھگڑا ہو گیا جسے سنان کہتے تھے۔ جھگڑا ایک چشمہ پر ہوا جسے مشلل کہتے۔ جہجاہ نے مہاجرین کو بلایا اور سنان نے انصار کو بلایا۔ جہجاہ نے سنان کو تھپڑ مارا۔ عبداللہ بن ابی نے کہا: کیا انہوں نے ایسا کیا ہے؟ اللہ کی قسم! ہماری اور ان کی مثال اس کی طرح ہے جس طرح پہلے نے کہا: اپنے کتے کو موٹا کرو تا کہ وہ تجھے کھا جائے۔ اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹے تو عزت والا ذلیل کو نکال دے گا (عزت والے سے مراد اس نے اپنی ذات اور اذل سے مراد اس نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات لی) پھر اپنی قوم سے کہا: اپنے کھانے کو آپ سے روک لو جو آپ کے پاس ہیں ان پر کھانا خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ بکھر جائیں اور چھوڑ جائیں۔ حضرت زید بن ارقم نے کہا جبکہ وہ عبداللہ کے ساتھیوں میں سے تھے: اللہ کی قسم! تو ذلیل ہے اپنی قوم میں پست اور بے وقعت ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمان کی جانب سے عزت سے سرفراز ہیں اور مسلمانوں کی جانب سے محبت سے سرفراز ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اس کے بعد تجھ سے کلام نہیں کروں گا۔ عبداللہ منافق نے کہا: خاموش رہو، میں تو دل لگی کی بات کر رہا تھا۔ حضرت زید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی تو عبداللہ بن ابی نے قسم اٹھائی کہ اس نے یہ عمل کیا اور نہ ہی یہ بات کہی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی معذرت قبول کر لی۔ حضرت زید نے کہا: مجھے بڑا دکھ ہوا اور لوگوں نے مجھے ملامت کی تو سورۃ منافقون حضرت زید کی تصدیق اور عبداللہ کی تکذیب میں نازل ہوئی۔ عبداللہ بن ابی سے کہا گیا: تیرے بارے میں شدید آیات نازل ہوئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو تا کہ اپنے بارے میں بخشش کا طلب گار ہو تو اس نے اپنا سر ہلا دیا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے اسی معنی کی روایت نقل کی ہے۔ سورت کے آغاز میں وہ گزر چکی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ کا معنی ہے نفاق سے توبہ کی دعا کریں کیونکہ توبہ یہ معنی بھی متضمن ہے۔

وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ ۝ وہ رسول اللہ سے اعراض کرتے ہیں اور تکبر سے اعراض کرتے ہیں۔ نافع نے تخفیف کے ساتھ لووا پڑھا ہے باقی قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ کہا: یہ جماعت کا فعل ہے۔ نحاس نے کہا: یہ درست نہیں کیونکہ یہ عبداللہ بن ابی کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب اسے کہا گیا: آ! تیرے لیے رسول اللہ مغفرت طلب کریں تو اس نے استہزاء کے طریقے پر اپنا سر ہلا دیا۔ اگر یہ کہا جائے: جماعت کے فعل کے ساتھ اس کے بارے میں کیوں خبر دی گئی؟ اسے کہا جائے گا: عرب اسی طرح کرتے ہیں جب وہ کسی انسان کے بارے میں کنایۃً بات کرتے ہیں۔

سیبویہ نے حضرت حسان کا شعر پڑھا:

ظننتم بأن يخفى الذي قد صنعتم   وفينا رسول عنده الوحي واضعه

تو گمان کرتا ہے کہ جو تو نے کیا ہے وہ مخفی رہے گا جبکہ ہمارے درمیان اللہ کے رسول ہیں ان کے پاس وحی آتی ہے۔

حضرت حسان بن ثابت نے ابن ابیرق سے خطاب کیا جس نے مکہ مکرمہ میں چوری کی اس کا واقعہ مشہور ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ اس کے بارے میں خبر دی ہو اور جس نے اس جیسا فعل کیا ہو اس کے بارے میں خبر دی ہو۔ ایک قول یہ

سورۃ التغابن

اکثر علماء کے قول میں یہ سورت مدنی ہے۔ ضحاک نے کہا: یہ مکی ہے(1)۔ کلبی نے کہا: یہ مکی اور مدنی ہے(2)۔ اس کی اٹھارہ آیات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مگر آخری آیات حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں اپنے اہل اور اولاد کی بے رخی کی شکایت کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ سورت کے آخر تک۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کوئی بچہ جنم نہیں لیتا مگر اس کے سر کے جوڑے (بالوں) میں سورۃ تغابن کی پہلی پانچ آیات لکھی ہوئی ہیں"(3)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ ۫ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝

"اللہ ہی کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر چیز جو زمین میں ہے، اسی کی حکومت ہے اور اسی کے لئے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مومن ہیں، اور اللہ تعالیٰ، جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے"۔

پہلی آیت کی تفسیر پہلے کئی دفعہ گزر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو مومن اور کافر پیدا کیا قیامت کے روز انہیں مومن، کافر کی حیثیت سے دوبارہ اٹھائے گا(4)۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت نقل کی گئی ہے کہا: نبی کریم ﷺ نے پچھلے پہر ایک دفعہ خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں آئندہ ہونے والے امور کے بارے میں ذکر کیا(5)۔ فرمایا: "لوگ مختلف طبقات میں جنم لیتے ہیں ایک آدمی مومن کی حیثیت میں پیدا ہوتا ہے، مومن کی حیثیت میں زندہ رہتا ہے اور مومن کی حیثیت میں مر جاتا ہے۔ ایک آدمی کافر کی حیثیت میں جنم لیتا ہے، کافر کی حیثیت میں زندہ رہتا ہے اور کافر کی حیثیت میں مر جاتا ہے"۔ حضرت ابن

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 20 | 2۔ ایضاً | 3۔ تفسیر ابن ابی حاتم، جلد 8، صفحہ 3538

4۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 63 | 5۔ جامع ترمذی، باب الفتن، جلد 2، صفحہ 42

آئے گی۔ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ اسی کی طرف سب کا لوٹنا ہے وہ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④

"وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے نیز وہ جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو اور جسے تم ظاہر کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے"۔

اس آیت کی تفسیر کئی مواقع پر گزر چکی ہے وہ عالم غیب و شہادت ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑤

"کیا نہیں آئی تمہارے پاس ان کی خبر جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے پس چکھ لیا انہوں نے اپنے کام (یعنی کفر) کا وبال اور ان کے لیے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے"۔

خطاب قریش کو ہے یعنی کیا تمہارے پاس گزری ہوئی امتوں کے کفار کی خبر نہیں پہنچی۔ انہیں دنیا میں بھی ان کے اعمال پر سزا دی گئی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑥

"اس کی وجہ یہ تھی کہ آتے رہے ان کے پاس ان کے پیغمبر روشن نشانیاں لے کر پس انہوں نے کہا: کیا انسان ہماری رہبری کریں گے، پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ بھی (ان سے) بے نیاز ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور سب خوبیاں سراہا ہے"۔

انہیں یہ عذاب اس وجہ سے آیا کہ انہوں نے ان رسولوں کا انکار کیا جو ان کے پاس واضح دلیل لائے انہوں نے انکار کر دیا کہ رسول بشر بھی ہو سکتا ہے بشر مبتدا ہونے کی حیثیت میں مرفوع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل مضمر ہے اور اس میں جمع کا معنی ہے اسی وجہ سے یَهْدُوْنَنَا ارشاد فرمایا۔ یَهْدِیْنَا نہیں فرمایا بعض اوقات واحد جمع کے معنی میں ہوتا ہے تو وہ اسم جنس ہوتا ہے اس کا واحد انسان ہے لفظوں میں اس کا کوئی واحد نہیں۔ بعض اوقات جمع واحد کے معنی میں آتا ہے جس طرح فرمایا: مَا هٰذَا بَشَرًا (یوسف: 31) انہوں نے اس قول اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا کے ساتھ انکار کیا۔ انہوں نے یہ قول ان کے چھوٹے پن کو ظاہر کرنے کے لئے کیا تھا۔ انہیں علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے رسولوں کا انکار کیا ہر طرف سے روگردانی کی اور ایمان و نصیحت سے اعراض برتا۔

اللہ تعالیٰ اپنی بادشاہت کی وجہ سے بندوں کی طاعت سے مستغنی ہے اسے بندوں کی طاعت کی کوئی ضرورت نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو برہان ظاہر کی ہے اور جس امر کو واضح کیا ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان

موجود ہے۔ گویا فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے گا جس دن تمہیں جمع کرے گا یا اذکر فعل جو مضمر ہے وہ اس میں عامل ہے۔
غبن کا معنی نقص ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: غبنہ غبنا جب کم قیمت کے ساتھ وہ کوئی چیز لے۔ عام قراءت یجمعکم ہے کیونکہ اللہ
تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (الحدید) اس کے بارے میں خبر دی اور اللہ تعالیٰ کا نام پہلے ذکر کیا ہے اس
لئے ضمیر اس کے مناسب ہے۔

نصر، ابن ابی اسحاق، جحدری، یعقوب اور سلام نے نجمعکم پڑھا ہے یہ قراءت وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا کی موافقت کا اعتبار
کرتے ہیں۔ یوم الجمع سے مراد وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ اولین و آخرین، انسانوں، جنوں، آسمان والوں اور زمین والوں
کو جمع کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس روز اللہ تعالیٰ ہر بندے اور اس کے عمل کو جمع کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:
یوم الجمع اس لیے فرمایا کیونکہ اس میں وہ ظالم اور مظلوم کو جمع فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ ہر نبی
اور اس کی امت کو جمع فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ اہل طاعت کے ثواب اور اہل معصیت کے
عقاب کو جمع فرمائے گا۔

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ یہ قیامت کا دن ہے (1)۔ جس طرح کہا:

الا انما الراحات یوم التغابن   خبردار! راحتیں قیامت کے دن ہی ہوں گی۔

یوم قیامت کو یوم تغابن کا نام دیا کیونکہ اس میں جنتی، جہنمیوں سے غبن کریں گے یعنی جنتی جنت لے لیں گے اور جہنمی جہنم کو
لے لیں گے۔ یہ مبادلہ کے طریقہ پر ہوگا۔ غبن اس پر واقع ہوگا کیونکہ انہوں نے خیر کو شر کے بدلے، عمدہ کو ردی اور نعیم کو عذاب کے
بدلے بدلا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: غبنت فلانا جب تو اس کے ہاتھ بیچے یا اس سے خریدے اور نقص و کمی اس پر واقع ہو اور
غلبہ تیرے لیے ہو یہی کیفیت اہل جنت اور اہل نار کی ہوگی جس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: غبنت
الثوب وخبنته جب وہ تیری مقدار اور قد سے لمبا ہو اور اس سے کسی چیز کو کم کر دے تو یہ بھی نقصان ہے۔ مغابن بدن جانچے اور
ران میں سے وہ جگہ جو چھپی ہو جائے جس طرح ابطین (بغلیں) اور فخذین (دونوں رانیں)۔ مفسرین نے کہا: مغبون اسے کہتے
ہیں جنت میں جس کے اہل اور منازل میں غبن واقع ہو جائے۔ اس روز ایمان کے ترک کرنے کی وجہ سے ہر کافر خسارے
میں ہوگا اور ہر مومن کا نقصان احسان میں کوتاہی اور دنوں کو ضائع کرنے کی وجہ سے ظاہر ہوگا۔ زجاج نے کہا: جنت میں جس
کی منزل بلند ہوگی وہ کم مرتبہ سے غبن کرنے والا ہوگا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اگر یہ کہا جائے: وہ کون سا معاملہ ہے جو ان دونوں کے درمیان واقع ہوا یہاں تک کہ اس میں غبن واقع
ہوا؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بیع و شراء میں غبن میں مجاز کا قاعدہ جاری ہوا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى (البقرۃ:16) جب یہ فرمایا کہ کفار نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے حاصل کر لیا اور
انہوں نے تجارت میں کوئی نفع حاصل نہ کیا بلکہ انہوں نے نقصان اٹھایا تو یہ بھی ذکر کیا کہ ان کے ساتھ غبن کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 23

کے کا مقصد قبول کرنا (پیغام) پہنچانا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں پس اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔

مصائب کو اپنے دور رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھو اور سنت پر عمل کرنے میں اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم اطاعت سے روگردانی کرو گے تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف پیغام حق پہنچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے سوا کوئی خالق نہیں اس پر بھروسہ کرو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

"اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور تمہارے بعض بچے دشمن ہیں تمہارے پس ہوشیار رہو ان سے۔ اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔"

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت مدینہ طیبہ میں حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی بیوی اور اولاد کی جفا کی شکایت کی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ طبری نے عطا بن یسار سے روایت نقل کی ہے کہ سورۂ تغابن پوری کی پوری مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مگر یہ آیات حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئیں (1)۔ وہ اہل و اولاد والے تھے۔ جب حضرت مالک جہاد پر جانے کا ارادہ کرتے تو یہ رونے لگتے اور انہیں نرم کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ کہتے: آپ ہمیں کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں؟ تو حضرت مالک بھی ان کے لیے نرم ہو جاتے اور اپنے گھر میں ہی رہ جاتے تو یہ آیت ان کے حق میں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ باقی آیات سورت کے آخر تک مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: ایک آدمی نے آپ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: یہ کچھ لوگ تھے جو اہل مکہ میں سے تھے وہ مسلمان ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا تو ان کی بیویوں اور بچوں نے انکار کر دیا کہ وہ انہیں چھوڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں۔ جب وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ دین میں کافی تفقہ حاصل کر چکے ہیں تو انہوں نے ارادہ کیا کہ بیویوں اور اولادوں کو سزا دیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (2)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: یہ عداوت کی حقیقت ہے [illegible] یہ فرق ہے کیونکہ دشمن اپنی ذات کی وجہ سے

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 140

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 165۔ ایضاً، حدیث نمبر 3239، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

طرف ہجرت کر جاؤں گا جو مجھے اس سے منع کرتے تھے اور میں یہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ مجاہد نے اس آیت کے بارے میں کہا: انہوں نے دنیا میں ان سے کوئی دشمنی نہیں کی لیکن ان کی محبت نے انہیں اس امر پر برانگیختہ کیا کہ وہ ان کے لیے حرام مال حاصل کریں اور انہیں دے دیں۔ آیت ہر معصیت کو عام ہے۔ انسان اپنے دین اور مال کی وجہ سے ان کا ارتکاب کرتا ہے۔ سبب نزول کا خصوص، حکم کے عموم کے مانع نہیں۔

إِنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَأَوْلَٰدُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَٱللَّهُ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾

"بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر عظیم ہے"۔

إِنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَأَوْلَٰدُكُمْ فِتْنَةٌ فتنہ سے مراد آزمائش اور امتحان ہے جو تمہیں حرام چیز کے کمانے اور اللہ تعالیٰ کے حق کو روکنے پر برانگیختہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی معصیت کرتے ہوئے ان کی اطاعت نہ کرو۔ حدیث میں ہے: یوتی برجل یوم القیامۃ فیقال اکل عیالہ حسناتہ (1) قیامت کے روز ایک آدمی لایا جائے گا اسے کہا جائے گا: اس کے عیال اس کی نیکیاں کھا گئے ہیں۔ بعض سلف صالحین سے مروی ہے: عیال طاعات کے لیے گھن ہے۔ قتیبی نے کہا: فتنہ کا معنی ہے والہ ہونا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: فتن الرجل بامرأۃ مرد عورت کی محبت میں مبتلا ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فتنہ کا معنی امتحان ہے اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

لقد فتن الناس فی دینہم "لوگ اپنے دین میں امتحان میں پڑ گئے"۔

حضرت ابن مسعود نے کہا: تم میں سے کوئی یہ نہ کہے: اے اللہ! مجھے فتنہ سے محفوظ رکھ کیونکہ تم میں سے کوئی بھی اپنے دین، مال اور اولاد کی طرف نہیں لوٹتا مگر وہ فتنہ پر مشتمل ہوتا ہے بلکہ وہ یہ کہے: اللھم انی اعوذبک من مضلات الفتن اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے فتنوں سے جو گمراہ کرنے والے ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: من ازواجکم میں من تبعیض کے لیے ہے کیونکہ وہ سارے کے سارے دشمن نہیں (2)۔ إِنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَأَوْلَٰدُكُمْ فِتْنَةٌ میں من ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ دونوں چیزیں فتنہ اور دل کی مشغولیت سے خالی نہیں۔

امام ترمذی وغیرہ نے عبداللہ بن بریدہ سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آئے جبکہ ان پر سرخ قمیصیں تھیں۔ وہ چل رہے تھے اور لڑکھڑا رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نیچے اترے ان دونوں کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھا لیا پھر فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا: تمہارے اموال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔ میں نے ان دونوں بچوں کو چلتے ہوئے اور لڑکھڑاتے ہوئے دیکھا تو میں صبر نہ کر سکا یہاں تک کہ میں نے اپنی گفتگو کو قطع کیا اور ان دونوں کو اٹھا لیا" (3)۔ پھر آپ خطبہ میں شروع ہو گئے۔

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 550 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 184

3۔ جامع ترمذی، کتاب المناقب، مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما، جلد 2، صفحہ 218۔

ایضاً، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 935، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 3589، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

یہ معاملہ ان پر شدید ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ان پر منسوخ کر دیا اور اس آیت کے بدلے دوسری آیت لایا اور وہ آیت یہ ہے
فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ محکم ہے اس میں کوئی نسخ نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ منسوخ نہیں لیکن حَقَّ تُقٰتِهٖ کا معنی یہ ہے: وہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہاد کرے جیسے جہاد کرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے
بارے میں ملامت کرنے والے کی ملامت انہیں گرفت میں نہیں لیتی، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے انصاف کے لئے اٹھ کھڑے
ہوتے ہیں خواہ انصاف ان کے خلاف ہو ان کے آباء کے خلاف ہو اور ان کے بیٹوں کے خلاف ہو۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اگر یہ کہا جائے: جب یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا فرمان جو سورۂ تغابن میں ہے
فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ کا کیا معنی ہے تو یہ کیسے جائز ہوگا کہ اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آل عمران: 102) اور فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا
اسْتَطَعْتُمْ جمع ہو جائیں جبکہ اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ایسا امر ہے جو بغیر کسی خصوص کے ثابت ہے اور ان میں کوئی شرط بھی نہیں
اور فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ایسا امر ہے جو شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ تو اسے کہا جائے گا: اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا
اسْتَطَعْتُمْ اس سے مختلف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاتَّقُوا
اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ کا معنی ہے: اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تاڑ میں رہو ان چیزوں میں جو تمہارے لئے فتنہ بنا دی گئی ہیں
وہ تمہارے مالوں میں سے ہو اور تمہاری اولاد سے ہو کہ کہیں وہ فتنہ تم پر غالب ہی نہ آ جائے اور اللہ تعالیٰ کے لئے جو تم پر
واجب ہے اس سے تمہیں روک نہ دے جیسے کفر کے علاقہ سے اسلام کی سرزمین کی طرف ہجرت کی۔ جس قدر تم طاقت رکھتے
ہو تو تم ہجرت کو ترک کر دو، معنی ہے تم ہجرت کی طاقت رکھتے ہو۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کو معذور جانا ہے
جو ہجرت کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا
كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُھَاجِرُوْا فِيْھَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ
مَصِيْرًا ۝ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝ فَاُولٰۗىِٕكَ
عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْھُمْ (النساء: 99)

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ جو آدمی یہ نہیں رکھتا اور دار شرک میں رہنے کی وجہ سے کوئی راہ نہیں پاتا تو اسے معافی ہے۔ اسی
طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ بھی ہجرت کے بارے میں ہے کہ دار شرک سے دار اسلام کی طرف
ہجرت کرو تو تم اپنے اموال اور اولاد کے فتنہ کی وجہ سے ترک کر دو؛ جو چیز اس کی صحت پر دال ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ جو يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ کے بعد آیا ہے۔

قرآن حکیم کی تاویل کرنے والے اہل علم اسلاف میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیت ایسے افراد کے بارے میں نازل
ہوئی جنہوں نے دار شرک سے دار اسلام کی طرف ہجرت کرنے میں تاخیر کی کیونکہ ان کی اولاد نے انہیں روک لیا تھا جس
طرح پہلے گزر چکا ہے۔ یہ سب طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ سے مراد ہے یہ
نفلی عبادات اور صدقہ کے بارے میں ہے کیونکہ جب اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آل عمران: 102) آیت نازل ہوئی تو یہ حکم قوم

سورۃ الطلاق

﴿ آیاتہا ۱۲ ﴾ ﴿ ۶۵ سورۃ الطلاق مدنیۃ ۹۹ ﴾ ﴿ رکوعاتہا ۲ ﴾

تمام کے قول میں یہ سورت مدنی ہے اس کی گیارہ یا بارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝

"اے نبی (مکرم!) (مسلمانوں سے فرما دو) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور شمار کرو عدت کو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے۔ نہ نکالو انہیں ان کے گھروں سے اور نہ وہ خود نکلیں بجز اس کے کہ وہ ارتکاب کریں کسی کھلی بے حیائی کا، اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں، اور جو تجاوز کرتا ہے اللہ کی حدوں سے تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ تجھے کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے"۔

اس میں چودہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے جمع کے لفظ کے ساتھ خطاب تعظیم اور تکریم کے لئے ہے۔ سنن ابن ماجہ میں سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ کو طلاق دی تو وہ اپنے اہل میں آ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ آپ ﷺ سے کہا گیا: اس سے رجوع کر لیں کیونکہ وہ بڑی عبادت گزار اور روزے رکھنے والی ہے وہ جنت میں بھی آپ کی بیویوں میں سے ہے (1)۔ ماوردی، قشیری اور ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے (2)۔ قشیری نے یہ اضافہ کیا ہے: ان کے اپنے گھر والوں کی طرف جانے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ نازل ہوا۔ کلبی نے کہا: اس آیت کے نزول کا سبب رسول اللہ ﷺ کا حضرت حفصہ پر ناراض ہونا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے حفصہ سے راز والی بات کی تھی تو حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بات کی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ کو طلاق دے

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، صفحہ 146
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 28

دی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

سدی نے کہا: یہ آیت حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں ایک طلاق دی، رسول اللہ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ اس سے رجوع کرے پھر اسے روکے رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر حائضہ ہو اور پھر پاک ہو جائے جب وہ اسے طلاق دینے کا ارادہ کرے تو جب وہ پاک ہو تو جماع سے پہلے اسے طلاق دے دے، یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے عورتوں کو طلاق دی جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کچھ لوگوں نے اسی طرح کا عمل کیا جیسا عمل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کیا ان میں سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت عمرو بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور عتبہ بن غزوان تھے (1) یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن عربی نے کہا: یہ سب اقوال اگرچہ صحیح نہیں تاہم پہلا قول زیادہ اچھا ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ ایک نیا حکم شرعی بیان کرنے کے لئے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے مراد آپ کی امت ہے۔ یہ کلام دونوں حاضر اور غائب میں تبدیل ہونے والی ہے۔ یہ فصیح لغت ہے جس طرح فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ (یونس: 22) تقدیر کلام یہ ہے: یایھا النبی قل لہم اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن۔ یہ ان کا قول ہے کہ خطاب تو صرف آپ ﷺ کو ہے اور معنی آپ کو اور مومنوں سب کو شامل ہے جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خطاب کیا تو اس قول کے ساتھ ملاطفت فرمائی یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جب خطاب لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے آپ ﷺ کو تھا تو فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ (المائدہ: 41) میں کہتا ہوں: اس قول کی صحت پر حضرت اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ کے بارے میں عدت کا حکم بھی دلالت کرتا ہے۔ اس کے متعلق ابوداؤد کی کتاب میں ہے (2) کہ انہیں نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں طلاق دی گئی جبکہ مطلقہ کے لئے کوئی عدت نہ تھی جب حضرت اسماء کو طلاق دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے طلاق کی عدت کا حکم نازل فرمایا۔ یہ وہ پہلی عورت تھیں جن کے بارے میں طلاق کی عدت کا حکم نازل ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی عظمت شان کی خاطر ندا کی گئی پھر نئے سرے سے کلام کی گئی۔ فرمایا: اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ (المائدہ: 90) مومنین کا ذکر تکریم کے لئے ہے۔ پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ (المائدہ: 90)

مسئلہ نمبر 2۔ ثعلبی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان من ابغض الحلال الی اللہ الطلاق۔ (3) اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال چیزوں میں سب سے مبغوض طلاق ہے۔ حضرت علی شیر خدا نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں: تزوجوا ولا تطلقوا فان الطلاق یھتز منہ العرش تم شادیاں کرو طلاق نہ دو کیونکہ طلاق سے عرش ہل جاتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1823

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 311

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر 2007، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عورتوں کو طلاق نہ دو مگر تہمت کی وجہ سے بے شک اللہ تعالیٰ مزا چکھنے کے لیے نکاح کرنے والے مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں فرماتا"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "طلاق کی قسم یا اس کا مطالبہ منافق ہی کرتا ہے"(1)۔ ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام کی اسناد اپنی کتاب میں ذکر کر دی ہیں۔ دارقطنی نے روایت کی ہے ابو عباس محمد بن موسیٰ بن علی دولابی اور یعقوب بن ابراہیم دونوں حسن بن عرفہ سے وہ اسماعیل بن عیاش سے وہ حمید بن مالک لخمی سے وہ مکحول سے وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: "اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر غلام آزاد کرنے سے بہتر کوئی چیز پیدا نہیں کی اور روئے زمین پر طلاق سے بڑھ کر کوئی ناپسندیدہ چیز پیدا نہیں کی۔ جب کوئی آقا اپنے مملوک کو کہے: انت حر ان شاء اللہ وہ آزاد ہوگا کوئی استثناء نہ ہوگی جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو کہے انت طالق ان شاء اللہ تو استثناء درست ہوگی اور اسے کوئی طلاق نہ ہوگی"۔

محمد بن موسیٰ بن علی، حمید بن ربیع سے وہ یزید بن ہارون سے وہ اسماعیل بن عیاش سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں(2)۔ عثمان بن احمد دقاق، اسحاق بن ابراہیم بن سنین سے وہ عمر بن ابراہیم بن خالد سے وہ حمید بن مالک لخمی سے وہ مکحول سے وہ مالک بن یخامر سے وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو حلال نہیں فرمایا جو طلاق سے بڑھ کر اس کی بارگاہ میں مبغوض ہو جس نے طلاق دی اور استثناء کی تو و استثناء کا اعتبار ہوگا"۔ ابن منذر نے کہا: طلاق اور آزادی میں استثناء ذکر کرنے کی صورت میں علماء نے اختلاف کیا ہے ایک طائفہ نے کہا: یہ جائز ہے۔ ہم نے یہ قول طاؤس سے روایت کیا ہے۔ حماد کوفی، امام شافعی، ابو ثور اور اصحاب رائے نے یہی کہا ہے۔ امام مالک اور اوزاعی کے قول میں طلاق میں استثناء جائز نہیں: طلاق میں یہ قتادہ کا قول ہے۔ ابن منذر نے کہا: پہلا قول میں کرتا ہوں۔

مسئلہ نمبر 3۔ دارقطنی نے عبدالرزاق کی حدیث نقل کی ہے میرے چچا وہب بن نافع عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ طلاق کی چار صورتیں ہیں دو صورتیں حلال ہیں اور دو صورتیں حرام ہیں(3)۔ جہاں تک حلال کا تعلق ہے کہ خاوند بیوی کو طلاق دے ایسے طہر میں جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو اور اسے طلاق دے جبکہ وہ حاملہ ہو اور اس کا حمل ظاہر ہو۔ جہاں تک حرام کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ وہ اسے طلاق دے جبکہ وہ حائضہ ہو یا جماع کرنے کے بعد اسے طلاق دے عورت کو یہ علم نہ ہو کہ اس کا رحم بچے پر مشتمل ہے یا نہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کتاب ابی داؤد میں حضرت اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ سے روایت مروی ہے کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں طلاق دی گئی جبکہ اس وقت مطلقہ کے لیے کوئی عدت لازم نہ تھی جب حضرت اسماء کو طلاق دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے طلاق کی عدت کا حکم نازل کیا۔ یہ وہ پہلی عورت تھیں جن کے بارے میں طلاق کی عدت کا حکم نازل ہوا(4)۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔

1۔ سنن دارقطنی، باب الطلاق، والمختلع، جلد 4، صفحہ 35 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، فی عدۃ المطلقۃ، جلد 1، صفحہ 311

سے الگ رائے قائم کی ہے اور بہت اچھے انداز میں رائے قائم کی ہے؛ اس کی وضاحت کسی اور جگہ ہے۔ ہم نے اس کا ذکر المقتبس من شرح موطا مالک بن انس میں کیا ہے۔ سعید بن مسیب اور تابعین کی ایک جماعت کا نقطہ نظر ہے جس نے طلاق میں سنت کی خلاف ورزی کی اور اسے حیض میں واقع کیا یا تین طلاقیں اکٹھی دیں تو وہ واقع (1) نہ ہوں گی اور انہوں نے اسے اس آدمی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کو طلاق سنت کا وکیل بنایا گیا اور اس نے مخالفت کی۔

مسئلہ نمبر 8۔ جرجانی نے کہا: لِعِدَّتِهِنَّ میں لام فی کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ (الحشر: 2) لِاَوَّلِ الْحَشْرِ یعنی فی اول الحشر ہے۔ لِعِدَّتِهِنَّ کا قول فی عدتھن کے معنی میں ہے۔ یعنی ایسے زمانہ میں جو ان کی عدت کے شمار کرنے کے مناسب ہو۔ اس پر اجماع ہے کہ حیض میں طلاق ممنوع ہے اور طہر میں اس کی اجازت ہے اس میں یہ دلیل ہے کہ قرء سے مراد طہر ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کا معنی ہے فی قبل عدتھن یا لقبل عدتھن یعنی اس کے ابتدائی حصہ میں اور یہ حالت طہر میں ہوگا۔ یہ نبی کریم ﷺ کی قراءت ہے جس طرح صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے۔ جمہور کا قول ہے: بقبل العدۃ سے مراد طہر کا آخری حصہ ہے یہاں تک کہ قرء سے مراد حیض ہوگا۔ اسے کہا جائے گا: امام مالک کی یہ واضح دلیل ہے اور جس نے بھی آپ جیسا قول کیا کہ اقراء سے مراد طہر ہیں۔ اگر مراد وہ ہوتی جو احناف کہتے ہیں اور جو ان کی پیروی کرتے ہیں تو ضروری تھا کہ یہ قول کیا جاتا: جس نے طہر کے شروع میں طلاق دی تو اس عورت کو حیض سے پہلے طلاق نہ ہوگی کیونکہ ابھی حیض کا آغاز ہونے والا نہیں نیز حیض کا آنا حیض کے داخل ہونے کے ساتھ ہوتا ہے اور طہر کے ختم ہونے کے ساتھ حیض کا آنا متحقق نہیں ہوتا۔ اگر کسی شی کا آنا اس کی ضد کے ادبار کے ساتھ ہو تو روزے دار سورج کے غروب ہونے سے پہلے افطار کرنے والا ہو کیونکہ رات دن کے پلٹنے کے ساتھ آنے والی ہوتی ہے ابھی دن ختم نہیں ہوتا پھر جب اس نے طہر کے آخر میں طلاق دی تو باقی ماندہ طہر قرء ہوگا۔ بعض طہر کو بھی قرء کہتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ (البقرہ: 197) وہ شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کا کچھ حصہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرۃ: 203) وہ دوسرے دن کے بعض میں کوچ کرتا ہے۔ یہ بحث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ یہاں مراد مدخول بہا ہے (2) کیونکہ جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے گئے ہوں اس پر عدت لازم نہیں ہوتی۔ اگر اس نے تین طلاقوں سے کم طلاقیں دی ہیں تو عدت کے ختم ہونے سے قبل رجوع کر سکتا ہے بعد میں وہ ایک دعوت نکاح دینے والے کی طرح ہوگا۔ اگر تین طلاقیں دی گئی ہوں تو کسی اور خاوند کے بعد ہی وہ عورت اس سابقہ خاوند پر حلال ہوگی۔

مسئلہ نمبر 10۔ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ اس کا معنی ہے اسے یاد رکھو (3) یعنی اس وقت کو یاد رکھو جس میں طلاق واقع ہوئی

1۔ یہ قول قابل ترجیح نہیں کیونکہ جب صریح احادیث سے ثابت ہے کہ [illegible] تو تیسیر تسلیم کیا گیا جس طرح اسی بحث میں روایات گزر چکی ہیں اس [illegible]۔

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 29

3۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1828

دی گئی ہو۔ امام شافعی نے اس عورت کے بارے میں کہا: جسے طلاق رجعی دی گئی تھی وہ دن کے وقت نکلے اور رات کے وقت نکلے جسے طلاق بائنہ دی گئی ہو وہ دن کے وقت نکل سکتی ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: یہ حکم اس عورت کے لیے ہے جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو جہاں تک مطلقہ کا تعلق ہے وہ نہ رات کو اور نہ ہی دن کو نکل سکتی ہے جبکہ حدیث ان کا رد کرتی ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت ابو عمرو بن حفص، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن کی طرف نکلے (1)۔ انہوں نے اپنی بیوی حضرت فاطمہ بنت قیس کو طلاق بھیج دی جو باقی تھی اس کے لیے حضرت حارث بن ہشام اور حضرت عیاش بن ابی ربیعہ کو اس کے نفقہ کے بارے میں حکم دیا۔ دونوں نے اس سے کہا: اللہ کی قسم! تیرے لیے کوئی نفقہ نہیں مگر اس صورت میں کہ تو حاملہ ہو۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان کا قول ذکر کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تیرے لیے کوئی نفقہ نہیں"۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہاں سے منتقل ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اسے اجازت دے دی۔ عرض کی: یا رسول اللہ کہاں؟ فرمایا: "ابن ام مکتوم کے ہاں"۔ وہ نابینا تھے۔ وہ اپنے کپڑے وہاں اتار لیتی اور وہ اسے دیکھ نہ پاتے۔ جب اس کی عدت گزر گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح حضرت اسامہ بن زید سے کر دیا۔ مروان نے قبیصہ بن ذویب کو حضرت فاطمہ کی طرف بھیجا کہ اس سے حدیث پوچھے تو حضرت فاطمہ نے اسے حدیث بیان کی۔ مروان نے کہا: ہم نے یہ حدیث صرف ایک عورت سے سنی ہے۔ ہم اسی میں احتیاط و حفاظت پاتے ہیں جس پر ہم نے لوگوں کو پایا ہے۔ جب مروان کا قول حضرت فاطمہ کو پہنچا تو اس نے کہا: میرے اور تمہارے درمیان قرآن حکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ کہا: یہ حکم اس عورت کے بارے میں ہے جس کے بارے میں خاوند کو رجوع کا حق ہو۔ تین طلاقوں کے بعد کیا امر واقع ہوگا؟ تم کیسے کہتے ہو: اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں؟ جب وہ حاملہ نہ ہو تو پھر تم اسے کیوں گھروں میں محبوس رکھتے ہو؟ الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ آیت گھر سے نکالنے اور گھر سے نکلنے کی حرمت صرف طلاق رجعی کی صورت میں ہے۔ اسی طرح حضرت فاطمہ نے استدلال کیا ہے کہ وہ آیت جو اس کے بعد ہے وہ مطلقہ رجعیہ کی نہی کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے کیونکہ امکان ہے کہ جس سے طلاق دی ہے عدت کے اندر وہ رجوع کے بارے میں رائے بنائے گویا وہ ہر وقت اپنے خاوند کے زیر تصرف ہے جہاں تک اس عورت کا تعلق ہے جس کو طلاق بتہ دی گئی ہو تو اس کے لیے کوئی امکان موجود نہیں جب اسے کوئی مجبوری ہو کہ وہ اپنے گھر سے باہر نکلے یا اسے اس گھر میں بے پردگی کا خوف لاحق ہو جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دی۔

مسلم شریف میں ہے حضرت فاطمہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں (2)، مجھے خوف ہے کہ وہ بغیر اجازت مجھ پر داخل ہو جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا تو حضرت فاطمہ وہاں سے منتقل ہو گئیں۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ایک الگ تھلگ مکان میں تھیں تو اس کے ایک طرف ہونے کی وجہ سے ان کے بارے میں خوف لاحق تھا اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رخصت دی (3)۔ یہ تمام

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 484　　2۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 485

3۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب قصۃ فاطمۃ بنت قیس، جلد 2، صفحہ 802

لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ یعنی وہ امر جو اللہ تعالیٰ پیدا فرمادے گا۔ اس سے مراد ہے اس کے دل میں بغض کی بجائے محبت، اعراض کی بجائے رغبت اور طلاق کے پختہ عزم کی بجائے شرمندگی پیدا فرمادے گا تو وہ اس سے رجوع کرے گا۔ تمام مفسرین نے کہا: یہاں امر سے مراد رجوع میں رغبت پیدا کرنا ہے۔ پہلے یہ قول گزر چکا ہے۔ ایک طلاق پر برانگیختہ کا اور تین طلاقوں سے منع کرنا مقصود ہے کیونکہ جب وہ تین طلاقیں دے چکے گا تو فراق پر شرمندگی کے وقت اور رجوع میں رغبت کے وقت اپنے آپ کو نقصان پہنچائے گا اور رجوع کی کوئی صورت نہیں پائے گا۔ مقاتل نے کہا: بَعْدَ ذٰلِكَ یعنی ایک طلاق یا دو طلاقوں کے بعد اَمْرًا یعنی رجوع کرنا۔ اس قول میں کوئی اختلاف نہیں۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝

"پھر جب وہ پہنچنے لگیں اپنی میعاد کو تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ یا جدا کردو انہیں بھلائی کے ساتھ اور گواہ مقرر کرلو دو معتبر آدمی اپنے میں سے اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے لئے دو، ان باتوں سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر اور جو شخص ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے بنا دیتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کا راستہ اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کے لیے وہ کافی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے، مقرر کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ"۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ جب وہ عدت کے ختم ہونے کے قریب پہنچ جائیں (1) جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ (البقرۃ: 231) یعنی عدت کے ختم ہونے کے قریب پہنچ جائیں۔ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ معروف طریقہ سے مراجعت ہے۔ مقصد تکلیف دینے کے لیے رجوع کرنا نہ ہو کہ عدت کو طویل کیا جائے بلکہ مقصود وہی ہو جس طرح سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ ان کی عدت ختم ہو جائے تو وہ اپنی ذاتوں کے مالک بن جائیں۔ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ میں ایسی دلیل موجود ہے جو اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ عدت کے ختم ہونے میں قول عورت کا معتبر ہوگا جب وہ اس کا دعویٰ کرے جیسے کہ ہم نے سورۂ بقرہ میں آیت 228، وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ کے ضمن میں بیان کر دیا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 30

ذکر کرتے ہوئے کہا: خود وہ دعویٰ کرتا صحیح نہ ہوگا جس نے کل رجوع کیا تھا اور آج رجعت کے اقرار پر گواہ بناتا ہوں جس نے رجعت کے لیے گواہ بنانا شرط قرار دیا ہے اس کے نزدیک اس کے بغیر رجعت صحیح نہ ہوگی (1)۔ یہ قول فاسد ہے اور اس امر پر مبنی ہے کہ رجعت میں گواہ بنانا امر تعبدی ہے۔ ہم اس میں اور نکاح میں تسلیم نہیں کرتے کہ ہم یہ کہیں یہ باہم مقصود کا محل فوت ہے یا اقرار میں موجود ہے جس طرح انشاء میں موجود ہے۔

عدت گزرنے کے بعد دوران عدت رجوع کے بارے میں بتانا

مسئلہ نمبر 4۔ جس نے عدت گزرنے کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ اس نے عدت میں رجوع کر لیا تھا اگر عورت نے اس کی تصدیق کر دی تو رجوع جائز ہو جائے گا اور اگر وہ انکار کر دے تو وہ قسم اٹھائے گی۔ اگر مرد نے گواہ پیش کر دیے کہ خاوند نے عدت میں رجوع کر لیا تھا اور عورت کو علم نہ ہوا تو عورت کی جہالت اس میں کوئی نقصان نہ پہنچائے گی۔ وہ اس خاوند کی بیوی ہی رہے گی۔ اگر اس عورت نے کسی اور مرد سے شادی کر لی اور ابھی تک نئے خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے تھے تو پہلا خاوند رجوع پر گواہیاں پیش کر دے تو اس بارے میں امام مالک سے دو روایتیں ہیں: 1۔ پہلا خاوند اس کا زیادہ حقدار ہے۔ 2۔ دوسرا خاوند اس عورت کا زیادہ حقدار ہے۔ اگر دوسرے خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کر لیے تھے تو پہلے خاوند کے لیے کوئی صورت نہ رہے گی۔

گواہ مرد ہوں گے

مسئلہ نمبر 5۔ ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد مسلمان ہیں (2)۔ قتادہ سے مروی ہے: تم میں سے جو آزاد ہیں یہ اس امر کو واجب کرتی ہے کہ گواہی جو رجوع کے بارے میں ہو وہ مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتیں گواہ نہیں بن سکتیں کیونکہ ذوی عدل کا لفظ مذکر ہے اسی وجہ سے ہمارے علماء نے کہا: اموال کے علاوہ میں عورتوں کی گواہی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ یہ بحث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

گواہی میں تبدیلی جائز نہیں

مسئلہ نمبر 6۔ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے گواہی صحیح طریقہ سے دو جب گواہی کی ضرورت ہو اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے۔ سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ کے تحت گزر چکی ہے۔

ذٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ یہاں یوعظ، یرضی کے معنی میں ہے مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ جہاں تک غیر مومن کا تعلق ہے تو وہ ان نصیحتوں سے نفع حاصل نہیں کرتا۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا۔ نبی کریم ﷺ سے عرض کی گئی: جو آدمی تین یا ہزار طلاق دیتا ہے کیا اس کے لیے کوئی راہ ہے؟ تو حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی (3)۔ حضرت ابن عباس، حضرت امام شعبی اور ضحاک نے کہا: یہ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1835 | 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 169 | 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 555

طلاق میں خاص ہے۔ یعنی جس نے اس طریقہ سے طلاق دی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا تھا تو عدت کے اندر اس کے لیے خلاصی کی کوئی صورت ہوگی اور عدت کے بعد اس کی حیثیت ایک دعوت نکاح دینے والے کی حیثیت ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا سے مراد ہے دنیا و آخرت میں اسے ہر کرب سے نجات عطا فرمائے گا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مخرج سے مراد ہے اللہ تعالیٰ نے اسے جو رزق دیا ہوگا اس پر اسے قناعت عطا کرے گا؛ یہ علی بن صالح کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: جو مصیبت کے وقت صبر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا آگ سے جنت کی طرف جانے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس سے اسے منع کیا ہے اس سے نکلنے کی کوئی راہ بنا دے گا۔ ابو العالیہ نے کہا: ہر شدت سے نکلنے کی کوئی راہ بنا دے گا(2)۔ ربیع بن خثیم نے کہا: یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ہر اس شی سے نکلنے کی راہ بنا دے گا جو لوگوں کے لیے تنگی کا باعث ہو۔ حسین بن فضل نے کہا: جو فرائض کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ عقوبت سے بچنے کی کوئی راہ بنا دے گا۔

وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ اللہ تعالیٰ اسے ثواب عطا کرے گا جہاں سے اسے گمان تک نہ تھا یعنی جو اسے دیا ہے اس میں برکت رکھ دے گا۔ سہل بن عبد اللہ نے کہا: جو اتباع سنت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ بدعتیوں کی عقوبت سے اسے محفوظ رکھے گا اور ایسے طریقہ سے جنت عطا فرمائے گا جہاں سے اس کا گمان تک نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو رزق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ کفایت کے ساتھ اس کے لیے کوئی راہ پیدا فرما دے گا۔ عمر بن عثمان صوفی نے کہا: جو حدود پر رک گیا، معاصی سے اجتناب کرتا رہا اللہ تعالیٰ اسے حرام سے حلال کی طرف، تنگی سے وسعت کی طرف اور جہنم سے جنت کی طرف نکالے گا اور اسے وہاں سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے اسے امید ہی نہ تھی۔ ابن عیینہ نے کہا: اس سے مراد رزق میں برکت ہے۔ حضرت ابو سعید خدری نے کہا: جو آدمی اپنے اردگرد اور اپنی قوت سے برات کا اظہار کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنی مدد کے ساتھ اس کے لیے ان چیزوں سے نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر دیتا ہے جن کا اس نے اسے مکلف بنایا تھا۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت مسروق نے آیت کی تاویل عموم کے ساتھ کی ہے۔ حضرت ابوذر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں اگر لوگ اسے پکڑ لیں تو وہ انہیں کافی ہو جائے“(3) پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ آپ اسے بار بار پڑھتے رہے اور اس کا اعادہ کرتے رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا فرمایا: ”دنیا کے شبہات، موت کی سختیوں اور یوم قیامت کی شدائد سے کوئی راہ پیدا فرما دے گا“۔

اکثر مفسرین نے کہا: جو شعبی نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئی۔ کلبی نے ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عوف بن مالک اشجعی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 402
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 556۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الورع والتقویٰ، حدیث نمبر 4209، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

میں حاضر ہوئے عرض کی: یا رسول اللہ! میرے بیٹے کو دشمن نے قید کر لیا ہے اور اس کی ماں جزع فزع کر رہی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: یہ آیت حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئی (1)۔ مشرکوں نے ان کے بیٹے کو قید کر لیا تھا جسے سالم کہتے، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فاقہ کی شکایت کی۔ عرض کی: دشمن نے میرے بیٹے کو قید کر لیا ہے اور اس کی ماں جزع فزع کر رہی ہے، آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صبر کرو۔ میں تجھے اور اسے حکم دیتا ہوں کہ تم دونوں کثرت سے لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کرو۔ حضرت عوف اپنے گھر کی طرف لوٹے اور اپنی بیوی سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور تجھے یہ حکم دیا ہے کہ کثرت سے لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کریں۔ ان کی بیوی نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کتنی اچھی بات کا حکم دیا ہے۔ وہ دونوں پڑھنے لگے۔ دشمن ان کے بیٹے سے غافل ہوا، اس نے ان کے ریوڑ کو ہانکا اور اسے اپنے باپ کے پاس لے آیا۔ یہ چار ہزار بکریاں تھیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے وہ تمام بکریاں انہیں دے دیں (2)۔ ایک روایت میں ہے: وہ آیا اور اس نے دشمنوں کے اونٹ ہانکے، وہ تنگ دست تھا۔ کلبی نے کہا: اس نے بکریاں اور سامان پا لیا تھا۔ ایک روایت میں ہے: اس کا بیٹا قید سے نکل آیا اور قوم کی اونٹنی پر سوار ہوا اور راستے میں ان کے جانوروں کے پاس سے گزرا جو چر رہے تھے تو ان سب کو ہانک لیا۔ مقاتل نے کہا: اس نے ریوڑ اور سامان پایا اور نبی کریم ﷺ سے عرض کی: کیا میرے لیے حلال ہے کہ میں اسے کھا لوں؟ فرمایا: "ہاں" تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت حسن بصری نے عمران بن حصین سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے تمام تعلق توڑ کر اللہ تعالیٰ سے ناطہ جوڑ لیا اللہ تعالیٰ اس کی ہر حاجت کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور اسے وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا اور جو دنیا کی طرف ہی تمام توجہات کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا کے سپرد کر دیتا ہے" (3)۔ زجاج نے کہا: جب وہ تقویٰ اختیار کرتا ہے، حلال کو ترجیح دیتا ہے اور صبر کرتا ہے، اگر وہ تنگ دست ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے رزق کے دروازے کھول دیتا ہے اور اسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے کثرت سے استغفار کی، اللہ تعالیٰ ہر غم سے اس کے لیے کشادگی پیدا فرما دیتا ہے، ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ عطا فرما دیتا ہے اور اسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا" (4)۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ جس نے اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اللہ تعالیٰ اس کی تمام مشکلات کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرے، معاصی سے اجتناب کرے، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اللہ تعالیٰ آخرت میں اسے ثواب عطا فرمائے گا جو اس کے لیے کافی ہوگا، یہاں دنیا والا ثواب نہیں کیونکہ توکل

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 271
2۔ تفسیر طبری
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 170
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی الاستغفار، حدیث نمبر 1297۔ سنن ابن ماجہ، باب الاستغفار، حدیث نمبر 3808، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

" انہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود سکونت پذیر ہو اپنی حیثیت کے مطابق انہیں ضرر نہ پہنچاؤ تاکہ تم انہیں تنگ کرو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ بچہ جنیں۔ پھر اگر وہ (بچے کو) دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو تم انہیں ان کی اجرت دو اور (اجرت کے بارے میں) آپس میں مشورہ کر لیا کرو دستور کے مطابق اور اگر تم آپس میں طے نہ کر سکو تو اسے کوئی دوسری دودھ پلائے "۔

اس میں چار مسائل ہیں :

عدت کے دوران عورت کی رہائش، نفقہ اور کسوہ کے احکام

مسئلہ نمبر 1 ۔ أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے: وہ خاوند خود وہاں سے نکل جائے اور اسے اس گھر میں چھوڑ دے (1) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَسْكِنُوهُنَّ اگر مرد نے اس کے ساتھ رہنا ہوتا تو یہ ارشاد نہ فرماتا۔ أَسْكِنُوهُنَّ ابن نافع نے کہا: امام مالک نے اللہ تعالیٰ کے فرمان أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم کے بارے میں کہا: مراد وہ مطلقہ عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں سے جدا ہو گئیں اب خاوندوں کو ان سے رجوع کا حق نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ حاملہ ہوں۔ انہیں رہائش کا حق ہے نفقہ اور کسوہ کا حق نہیں کیونکہ وہ اپنے خاوند سے جدا ہو چکی ہے۔ وہ باہم وارث نہیں بنیں گے اور نہ ہی مرد کو اس کے ساتھ رجوع کا حق ہو گا۔ اگر وہ حاملہ ہو تو اسے رہائش، نفقہ اور کسوہ (لباس) کا حق بھی ہو گا یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے۔ وہ عورت جسے طلاق بائنہ ہو وہ ان مردوں کی بیویاں نہیں ہوں گی وہ ایک دوسرے کے وارث بھی نہیں بنیں گے (اگر عدت کے دوران کوئی فوت ہو جائے) جب تک وہ عدت میں ہوں گی وہ خاوندوں کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائیں گی۔ مردوں کو ان کو رہائش دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ یہ ان کے خاوندوں پر لازم ہے۔ ساتھ ہی ساتھ نفقہ اور لباس بھی لازم ہو گا، وہ حاملہ ہوں یا حاملہ نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے رہائش کا حکم ان عورتوں کے بارے میں دیا ہے جو اپنے خاوندوں سے جدا ہو چکی ہیں (یعنی جنہیں طلاق بائنہ ہو چکی ہے) ساتھ ہی ساتھ ان کا نفقہ بھی لازم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اللہ تعالیٰ نے حاملہ عورتوں کے لیے رہائش اور نفقہ کا حکم دیا ہے جن کو خاوندوں سے طلاق بائنہ ہو چکی۔ ابن عربی نے کہا: اس کی وضاحت اور تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سکنیٰ کا ذکر کیا اسے ہر مطلقہ کے لیے مطلق ذکر فرمایا۔ جب نفقہ کا ذکر کیا تو اسے حمل کے ساتھ مقید کیا تو یہ اس امر پر دال ہے کہ وہ عورت جسے طلاق بائنہ حاصل ہے اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں۔ یہ عظیم مسئلہ ہے۔ ہم نے قرآن و سنت اور حکمت و معنی کے اعتبار سے اختلافی مسائل کے جو اصول بیان کیے ہیں قرآن حکیم میں سے یہی آیت اس کا ماخذ ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئیں ہوں اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب ہے: اس کے لیے رہائش تو ہے نفقہ نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا نقطہ نظر ہے: اس کے لیے رہائش اور نفقہ دونوں ہیں۔ امام احمد، اسحاق اور ابو ثور کا مذہب ہے: اس کے لیے کوئی نفقہ اور رہائش نہیں۔ وہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1839

لیے ہوتا ہے جس کو طلاق رجعی دی گئی ہو۔ تیسری وجہ یہ ہے: وہ خاوند کے حق کی وجہ سے محبوس ہے۔ وہ نفقہ کی مستحق ہے جس طرح بیوی نفقہ کی مستحق ہوتی ہے۔ امام مالک نے اسی کو لیا ہے۔ وَ اِنْ كُنَّ اُولٰتِ حَمْلٍ جس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ یہ قول بھی کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے مطلقہ رجعیہ اور اس کے احکام کو سورت کے شروع سے ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ تک ذکر کیا پھر اس کے بعد ایسے حکم کا ذکر کیا جو تمام مطلقہ عورتوں کو عام ہے جیسے مہینوں وغیرہ کی عدت۔ یہ حکم ہر مطلقہ میں عام ہے۔ اس کے بعد جو احکام ہیں وہ مطلقہ عورت کی طرف راجع ہیں۔

وجد کا معنی و مفہوم

مسئلہ نمبر 2۔ مِّنْ وُّجْدِكُمْ یعنی اپنی وسعت کے مطابق۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے(1): وجدت فی المال اجدُ وجدا، وجدًا و وجدۃ۔ وجد کا معنی طاقت و قدرت ہے۔ عام قراءت واؤ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ اعرج اور زہری نے واؤ کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ یعقوب نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ تمام اس میں لغات ہیں۔

عورت کو نقصان دینے سے مراد

مسئلہ نمبر 3۔ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ مجاہد نے کہا: مسکن میں تنگ کرنا مراد ہے۔ مقاتل نے کہا: نفقہ میں تنگی مراد ہے(2)۔ یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ ابو الضحیٰ سے مروی ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ اسے طلاق دے جب عدت میں سے دو دن رہ جائیں تو اس سے رجوع کرے پھر اسے طلاق دے۔

حاملہ کا نفقہ اور سکنی

مسئلہ نمبر 4۔ وَ اِنْ كُنَّ اُولٰتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں کہ وہ عورت جو حاملہ ہو اسے تین طلاقیں دی جائیں یا اس سے کم طلاقیں دی جائیں اس کے لیے نفقہ اور رہائش واجب ہے یہاں تک کہ اس کا وضع حمل ہو جائے۔ جہاں تک اس حاملہ کا تعلق ہے جس کا خاوند فوت ہو جائے تو حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین، شریح، امام نخعی، امام شعبی، حماد، ابن ابی لیلیٰ، سفیان اور ضحاک رحمہم اللہ نے کہا: تمام مال میں سے اس پر خرچ کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کا حمل وضع ہو جائے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم، امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا نقطہ نظر ہے: وہ وراثت میں سے جو اس کا حصہ بنتا ہے اس میں سے اس پر خرچ کیا جائے گا۔ سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ میں چار مسائل ہیں:

مطلقہ عورت کا دودھ پلانا

مسئلہ نمبر 1۔ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ مراد مطلقہ عورتیں ہیں۔ اگر مطلقہ عورتوں میں سے کوئی تمہارے بچوں کو دودھ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 404
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 6، صفحہ 34

اسے اللہ تعالیٰ نے بیان کیا۔ ابن عامر، حفص، حمزہ اور کسائی نے اسے یاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی احکام کے تم محتاج ہوتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے انہیں بیان کرتا ہے۔ پہلی صورت حضرت ابن عباس کی قرأت ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ (آل عمران: 118) لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے موجود تھا مِنَ الظُّلُمٰتِ یعنی کفر سے اِلَى النُّوْرِ نور سے مراد ہدایت اور ایمان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت اہل کتاب کے مومنوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اخراج کی نسبت رسول کی طرف کی کیونکہ ایمان رسول کی اطاعت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ نافع اور ابن عامر نے نون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس کے لیے وسیع رزق بنا دیا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

"اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین کو بھی انہی کی مانند، نازل ہوتا رہتا ہے حکم ان کے درمیان تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے"۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت ہے وہ دوبارہ اٹھانے اور محاسبہ کرنے پر قادر ہے۔ آسمانوں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں وہ سات ہیں ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہیں۔ اس پر معراج کا واقعہ اور دوسری چیزیں دال ہیں۔ پھر فرمایا: وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یعنی سات زمین (1)۔ ان کے بارے میں اختلاف ہے اور دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے اور یہی جمہور کا قول ہے (2) کہ زمینیں سات ہیں ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہیں۔ ہر دو زمینوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جتنی مسافت دو آسمانوں کے درمیان ہے اور ہر زمین میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ ضحاک نے کہا: وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یعنی سات زمینیں۔ وہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں ان میں کوئی مسافت نہیں لیکن آسمانوں کا معاملہ مختلف ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ ترمذی اور نسائی میں ایسی روایات ہیں جو اس قول پر دلالت کرتی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔ ابو نعیم، محمد بن علی بن حبیش سے وہ اسماعیل بن اسحاق سراج الثقفی (دوسری سند) ابو محمد بن حیان سے وہ عبد اللہ بن محمد بن زکریا سے وہ سوید بن سعید سے وہ حفص بن میسرہ سے وہ موسیٰ بن عقبہ سے وہ عطا بن ابی مروان سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں (3) کہ کعب نے ان کے سامنے قسم اٹھائی، اس ذات کی قسم! جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر کو پھاڑا کہ حضرت صہیب نے اسے حدیث بیان کی کہ حضرت محمد

1۔ [illegible] جلد 5، صفحہ 36
2۔ [illegible]
3۔ المحرر الوجیز، جلد 1، صفحہ 448

متوجہ ہے: کوئی بستی نہ دیکھتے جس میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے مگر جب دیکھتے تو یہ کہتے: اللھم رب السموات وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین انا نسألک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا ونعوذ بک من شرھا وشر اھلھا وشر ما فیھا۔ اے اللہ! اے آسمانوں اور جن کو یہ سایہ کیے ہوئے ہیں ان کے رب! اور سات زمینوں اور جن کو یہ اٹھائے ہوئے ہیں ان کے رب! اور اے شیاطین اور جن کو یہ گمراہ کیے ہوئے ہیں ان کے رب! اے ہواؤں اور جن کو یہ بکھیرتی ہیں ان کے رب! ہم تجھ سے اس بستی کی خیر اور اس کے اہل کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور اس بستی کے شر، اس کے اہل کے شر اور اس میں موجود چیزوں کے شر کی پناہ چاہتے ہیں۔

ابو نعیم نے کہا: یہ حدیث ثابت ہے جو موسیٰ بن عقبہ سے مروی ہے اور عطاء سے روایت کرنے میں منفرد ہے۔ ابن ابی زناد اور دوسرے علماء نے ان سے یہ روایت کی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت سعید بن زید سے مروی ہے (1) کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: من اخذ شبرا من الارض ظلما فانہ یطوقہ یوم القیامۃ من سبع ارضین جس نے بالشت بھر زمین ظلماً لی قیامت کے روز سات زمینوں سے اس کے برابر اس کے گلے میں طوق کے طور پر ڈالا جائے گا۔ ماوردی نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر کہ یہ سات زمینیں ہیں ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہیں (2)، اہل اسلام کی دعوت اوپر والی زمین کے مکینوں کے ساتھ خاص ہے۔ دوسری زمینوں پر جو ہیں ان کو دعوت دینا ان پر لازم نہیں اگرچہ ان زمینوں میں ایسی مخلوق بھی ہو جو عقل رکھتی ہو اور ممتاز مخلوق ہو۔ اس کا تعلق ہو ان کا آسمان کا مشاہدہ کرنا اور اس سے روشنی حاصل کرنا، اس میں دو قول ہیں۔ (1) وہ اپنی زمین کی ہر جانب سے آسمان کا مشاہدہ کرتے ہیں اور آسمانوں سے روشنی حاصل کرتے ہیں؛ یہ اس کا قول ہے جس نے زمین کو مبسوط قرار دیا ہے۔ (2) دوسرا قول ہے: وہ آسمان کا مشاہدہ نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے روشنی کو پیدا کر دیا ہے جس سے وہ فائدہ حاصل کرتے ہیں؛ یہ اس کا قول ہے جو زمین کو گول قرار دیتے ہیں۔ آیت میں تیسرا قول بھی ہے: کلبی نے ابو صالح سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ سات زمینیں ہیں جو پھیلی ہوئی ہیں وہ ایک دوسرے کے اوپر نہیں، ان کے درمیان سمندر حائل ہیں۔ آسمان ان سب پر سایہ فگن ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر ایک زمین سے لوگ دوسری زمین تک نہ پہنچ سکیں تو اسلام کی دعوت اسی زمین کے لوگوں کے لیے خاص ہوگی۔ اگر اس زمین کے لوگ دوسری زمین کے لوگوں تک پہنچ سکیں تو یہ احتمال ہے کہ جہاں تک پہنچنا ممکن ہے ان تک اسلام کی دعوت پہنچانا لازم ہے کیونکہ سمندروں کا حائل ہونا جب انہیں پانا ممکن ہے تو دعوت کے لزوم سے کوئی چیز مانع نہیں جس طرح حکم عام ہے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ انہیں اسلام کی دعوت لازم نہ ہو کیونکہ اگر یہ دعوت لازم ہوتی تو اس کے بارے میں کوئی نص بھی وارد ہوتی اور نبی کریم ﷺ کو اس کے بارے میں حکم ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے علم کو اپنی ذات کے ساتھ خاص کیا ہے وہ اس کے بارے میں بہتر جانتا ہے اور مخلوق پر جو مخفی ہو چکا ہے اس میں جو درست ہے اسے بھی وہی بہتر جانتا ہے۔ پھر فرمایا: یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ مجاہد نے کہا: امر

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم الظلم، جلد 2، صفحہ 33　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 36

کہا: جب حضور ﷺ تیرے پاس تشریف لائیں۔ آپ ﷺ ضرور تیرے قریب تشریف لائیں گے تو آپ ﷺ سے عرض کرنا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے مغافیر کھائے ہیں؟ آپ ﷺ فرمائیں گے: نہیں۔ تو عرض کرنا: یہ بو کیسی ہے؟ رسول اللہ ﷺ بو سے سخت نفرت کرتے۔ آپ ﷺ فرمائیں گے: حفصہ نے مجھے شہد کا شربت پلایا ہے۔ تو عرض کرنا: شہد کی مکھی نے عرفط کو چوسا ہوگا۔ میں بھی یہی بات عرض کروں گی اور اے صفیہ! تو بھی یہ بات کرنا۔ جب رسول اللہ ﷺ حضرت سودہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! جو بات تو نے مجھے کہی تھی میں اسے اس وقت ہی کرنے والی تھی جبکہ آپ ﷺ دروازے پر تھے۔ یہ صرف تیری ملامت کے ڈر کی وجہ سے تھا (کہ میں نے ذکر کی) جب رسول اللہ ﷺ قریب تشریف لائے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے مغافیر کھائے ہیں؟ فرمایا: "نہیں"۔ عرض کی: یہ بو کیسی ہے؟ فرمایا: "حفصہ نے مجھے شہد کا شربت پلایا ہے"۔ عرض کی: اس کی مکھی نے عرفط کو چوسا ہوگا۔ جب آپ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے بھی اسی کی مثل عرض کی۔ پھر آپ ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے بھی اسی کی مثل بات کی۔ جب رسول اللہ ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ عرض کی: یا رسول اللہ! کیا میں آپ ﷺ کو شہد نہ پلاؤں؟ فرمایا: "مجھے حاجت نہیں"۔ کہا: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں: سبحان اللہ! ہم نے آپ ﷺ کو اس سے روک دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے حضرت سودہ کو کہا: چپ رہو۔ اس روایت میں ہے جس کے ہاں شہد پیا گیا وہ حضرت حفصہ تھیں۔ پہلی روایت میں ہے وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ ابن ابی ملیکہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ اسے اسباط نے سدی سے روایت نقل کیا ہے۔ یہ عطاء بن ابی مسلم سے روایت کی ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ سب جہالت ہے اور علم کے بغیر تصورات ہیں (2)۔ دوسری عورتوں نے اس وجہ سے حسد اور غیرت کی بنا پر کہا: ہم تو آپ ﷺ سے مغافیر کی بو پاتے ہیں۔ مغافیر ہمزی ہے یا گوند ہے جس کی خوشبو اچھی نہیں ہوتی۔ اس میں مٹھاس ہوتی ہے۔ اس کی واحد مغفور ہے۔ جوہری نے کہا: یہ عرفط جیسا ایک ایک بوٹی ہے جس کی بو شراب کی بو جیسی ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ یہ پسند کرتے تھے کہ آپ سے عمدہ خوشبو پائی جائے یا آپ ﷺ مناجات پائیں اور فرشتہ سے کلام کرنے کی وجہ سے بو کو ناپسند کرتے تھے۔ یہ ایک قول ہے۔

ایک دوسرا قول بھی ہے: مراد وہ عورت ہے جس نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ پر پیش کیا (3)۔ حضور ﷺ نے ازواج مطہرات کی وجہ سے اسے قبول نہ کیا۔ یہ حضرت ابن عباس اور عکرمہ کا قول ہے۔

تیسرا قول ہے: حضور ﷺ نے حضرت ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کیا تھا جو مقوقس، شاہ اسکندریہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجی تھی۔ ابن اسحاق نے کہا: یہ انصنا علاقے کے ایک ایسے شہر سے تھی جسے حفن کہتے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ان کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے تھے۔ دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے انہوں نے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 39
2۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1845
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 38

یہ بھی کہا گیا: یہ واقعہ شہد کے بارے میں ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش کے ہاں پیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے اس مسئلہ میں ایک دوسرے کی مدد کی تو واقعہ ہوا جو ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے قسم اٹھا دی کہ اسے نہ پئیں گے اور اسے حرام کر لیا۔ یہ آیت ان تمام کے بارے میں نازل ہوئی۔

مرد مطلقاً حرمت کا قول کرے تو اس کا اطلاق کس پر ہوگا؟

مسئلہ نمبر 3۔ لِمَ تُحَرِّمُ نبی کریم ﷺ نے حرام کیا اور قسم اٹھائی تو ہمارے نزدیک یہ قسم نہیں (1)۔ مرد کا یہ قول: علیّ حرام، بیوی کے سوا کسی چیز کو حرام نہیں کرتا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: جب اس نے اسے مطلق ذکر کیا تو اس کا اطلاق کھانے اور پینے والی چیزوں پر ہوگا لباس پر نہیں ہوگا۔ یہ قسم ہوگی اور کفارہ کو واجب کرے گی۔ امام زفر نے کہا: یہ تمام چیزوں میں قسم ہوگی یہاں تک کہ حرکت وغیرہ میں بھی قسم ہوگی (2)۔

مخالف نے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شہد کو حرام کیا تو آپ ﷺ پر کفارہ لازم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ (التحریم: 2) اللہ تعالیٰ نے اسے قسم قرار دیا ہے۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا (المائدہ: 87) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝ (یونس) اللہ تعالیٰ نے حلال چیز کو حرام قرار دینے پر مذمت کی ہے اس پر کفارہ کو واجب قرار نہیں دیا۔ زجاج نے کہا: کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس چیز کو حرام قرار دے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہو اور نبی کریم ﷺ کی یہ شان نہیں کہ کسی چیز کو حرام قرار دیں مگر اسے حرام قرار دے سکتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے جس نے اپنی بیوی یا لونڈی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے اور طلاق کی نیت نہ کی۔ یہ لفظ کفارہ یمین کو واجب کرے گا۔ اگر اس نے اس لفظ کے ساتھ بیویوں اور لونڈیوں کی ایک جماعت کو خطاب کیا تو سب پر ایک کفارہ ہوگا۔ اگر اس نے اپنی ذات پر کھانا یا کوئی اور چیز حرام کی تو امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ حضرت ابن مسعود، امام ثوری اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک کفارہ واجب ہوگا۔

مرد کا اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینا

مسئلہ نمبر 4۔ علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ ایک مرد اپنی بیوی کو کہتا ہے: تو مجھ پر حرام ہے۔ اس بارے میں اٹھارہ اقوال ہیں۔

اس پر کچھ بھی لازم نہیں

(1) اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا (3)۔ امام شعبی، مسروق، ربیعہ، ابو سلمہ اور اصبغ نے یہی کہا ہے۔ یہ ان کے نزدیک پانی اور کھانے کو حرام کرنے کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1846 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 1845

یہ طلاق رجعی ہے

(۶) یہ طلاق رجعی ہے (1)؛ یہ حضرت عمر بن خطاب بنی‌ٹنہ، زہری، عبدالعزیز بن ابی سلمہ اور ابن ماجشون کا قول ہے۔

یہ طلاق بائنہ ہے

(۷) یہ طلاق بائنہ ہے (2)؛ یہ حماد بن ابی سلیمان اور حضرت زید بن ثابت کا قول ہے۔ اسے ابن خویز منداد نے امام مالک سے نقل کیا ہے۔

یہ طلاق مغلظہ ہے

(۸) یہ تین طلاقیں ہیں (3)؛ یہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔

مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کے بارے میں حکم مختلف ہے

(۹) جس بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوئے ہوں اس کو تین طلاقیں ہو جائیں گی (4) اور جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے۔ اس میں نیت کرے گا؛ یہ حضرت حسن بصری، علی بن زید اور حکم کا قول ہے۔ یہ امام مالک کا مشہور مذہب ہے۔

ہر حال میں یہ طلاق مغلظہ ہے

(۱۰) یہ تین طلاقیں ہوں گی کسی صورت میں بھی نیت نہ کرے اور کسی محل میں نیت نہ کرے (5)۔ اگرچہ اس نے حقوق زوجیت ادا نہ کیے ہوں؛ یہ عبد الملک کا قول ہے جو مبسوط میں ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے یہی کہا ہے۔

مدخول بہا کو تین جب کہ غیر مدخول بہا کو ایک طلاق ہوگی

(۱۱) جس سے دخول نہیں کیا اس میں ایک طلاق ہے (6) اور جس کے ساتھ دخول کیا ہوا ہے اس کو تین طلاقیں ہیں؛ یہ ابو مصعب اور محمد بن عبد الحکم کا قول ہے۔

احناف کا نقطہ نظر

(۱۲) اگر اس نے طلاق کی نیت کی یا ظہار کی نیت کی تو وہ واقع ہوگا جو اس نے نیت کی (7)۔ اگر طلاق کی نیت کی تو ایک بائنہ ہوگی مگر اس صورت میں تین واقع ہو جائیں گی جب وہ تین کی نیت کرے۔ اگر دو کی نیت کرے تو ایک واقع ہوگی۔ اگر کوئی نیت نہ کی تو وہ قسم ہوگی۔ مرد اپنی بیوی سے ایلا کرنے والا ہوگا۔ یہ امام ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب کا نقطہ نظر ہے۔ اس کی مثل امام زفر کا قول ہے مگر زفر نے کہا: جب وہ دو کی نیت کرے تو ہم اسے لازم کر دیں گے۔

ابن قاسم کا نقطہ نظر

(۱۳) ظہار کی نیت اسے کوئی نفع نہ دے گی (8)۔ یہ طلاق ہوگی؛ یہ ابن قاسم کا قول ہے۔

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1847-1848 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً 7۔ ایضاً 8۔ ایضاً

میں کوئی نص یا ظاہر صحیح ہے جس پر اس مسئلہ میں اعتماد کیا جاسکے۔ اس وجہ سے علماء نے اس بارے میں اپنی اپنی رائے قائم کی۔ جس نے برأت اصلیہ سے تمسک کیا اس نے کہا: کوئی حکم نہیں۔ اس سے کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔ جس نے کہا: یہ قسم ہے تو اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے قسم کا نام دیا ہے۔ جس نے کہا: اس میں کفارہ واجب ہوگا اور یہ قسم نہیں اس کی بنیاد دو امور میں سے ایک امر پر ہے۔ (1) اس نے گمان کیا: اللہ تعالیٰ نے اس میں کفارہ واجب کیا ہے اگرچہ یہ قسم نہیں۔ (2) ان کے نزدیک یمین کا معنی حرام کرنا ہے تو کفارہ معنی کے اعتبار سے واقع ہوا۔ جس نے کہا: یہ طلاق رجعی ہے اس نے لفظ کو اقل وجوہ پر محمول کیا ہے۔ طلاق رجعی بھی وطی کو حرام کرتی ہے تو لفظ کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ یہ امام مالک کو لازم ہوگا کیونکہ آپ فرماتے ہیں: طلاق رجعی وطی کو حرام کردیتی ہے۔ اسی طرح جس نے کہا: یہ تین طلاقیں ہیں اس کی توجیہ یہ ہے کہ اس نے اسے سب سے غلیظ صورت پر محمول کیا۔ وہ تین طلاقیں ہیں۔ جس نے کہا: یہ ظہار ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ تحریم کے درجات میں سے سب سے کم درجہ کی تحریم ہے کیونکہ یہ ایسی تحریم ہے جو نکاح کو ختم نہیں کرتی۔ جس نے کہا: یہ طلاق بائنہ ہے اس نے اس بنا پر کہا کہ طلاق رجعی مطلقہ کو حرام نہیں کرتی اور طلاق بائنہ اسے حرام کرتی ہے۔ جہاں تک یحییٰ بن عمر کے قول کا تعلق ہے انہوں نے اس میں احتیاط کی ہے کہ اسے طلاق بنائیں جب وہ اس سے رجوع کرے تو اس میں احتیاط کی کہ کفارہ لازم کریں۔ ابن عربی نے کہا: یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ تو دو متضاد چیزوں کو جمع کرنا ہے کیونکہ ایک لفظ کے حق میں ظہار اور طلاق جمع نہیں ہوسکتے تو جس کا اجتماع دلیل میں صحیح نہیں اس میں احتیاط کی کوئی وجہ نہیں۔

جس نے کہا: جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے گئے اس میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ ایک طلاق اسے جدا کردیتی ہے اور شرعاً اسے حرام کردیتی ہے یہی اجماع ہے۔ اسی طرح کہا: جس نے نیت کا اعتبار کرتے ہوئے کوئی حکم نہ دیا۔ دخول سے پہلے ایک طلاق بھی حرمت ثابت کرتی ہے یہی اجماع ہے کہ اقل جس پر سب کا اتفاق ہے اس کو اپنا لینا کافی ہے۔ جس نے کہا: دونوں میں یہ تین طلاقیں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حکم اعظم کو لیا ہے کیونکہ اگر وہ تین کی تصریح کرتا تو جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے گئے اس میں بھی یہ تینوں نافذ ہوجاتیں جس طرح اس میں نافذ ہوجاتی ہیں جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے گئے ہیں۔ ضروری ہے کہ معنی اسی کی مثل ہو وہ تحریم ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یہ سب بیوی کے بارے میں ہے۔ جہاں تک لونڈی کا تعلق ہے تو ان میں سے کوئی چیز لازم نہ ہوگی مگر امام مالک کے نزدیک جب وہ آزادی کی نیت کرے۔ عام علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس پر کفارہ یمین ہوگا۔ ابن عربی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ ایک طلاق ہے کیونکہ اگر وہ طلاق کا ذکر کرتا تو یہ کم سے کم ہی واقع ہوتی وہ ایک ہی ہے مگر اس صورت میں کہ اسے متعدد کر کرے(1)۔ اسی طرح جب تحریم کا ذکر کیا تو کم سے کم واقع ہوگی مگر جب وہ اکثر کا ذکر کرے جس طرح وہ کہے: انت علی حرام الا ابعد زوج و اصابۃ یہ مراد پانا ہے۔

میں کہتا ہوں: اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت حضرت حفصہ کے بارے میں نازل ہوئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1850

نے کہا: قرآن میں جہاں بھی لفظ عبادات کا ذکر ہے اس سے مراد توحید ہے۔ سٰٓئِحٰتٍ روزے دار، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری اور ابن جبیر کا قول ہے۔ زید بن اسلم اور ان کے بیٹے عبدالرحمن اور یمان نے کہا: مراد ہے ہجرت کرنے والیاں۔ زید نے کہا: حضرت محمد ﷺ کی امت میں سیاحت ہجرت ہی ہے۔ سیاحت سے مراد زمین میں گھومنا پھرنا ہے۔ فراء اور دوسرے علماء نے کہا: روزے دار کو سائح کہتے کیونکہ سائح کا زاد راہ نہیں ہوتا جہاں سے وہ کھا پا سکے کھا لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں دور تک جانے والیاں ہیں۔ یہ ساح الماء سے مشتق ہے جس کا معنی ہے پانی چلا گیا۔ سورۂ براءت میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ

ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ان میں سے کچھ شوہر دیدہ ہوں گی اور کچھ باکرہ ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شادی شدہ کو ثیبہ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ اپنے خاوند کی طرف لوٹنے والی ہے (1)، اگر وہ اس کے پاس رہتی یا دوسرے خاوند کی طرف لوٹنے والی ہے اگر وہ اس سے جدا ہو جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے: کیونکہ وہ اپنے والدین کے گھر کی طرف لوٹنے والی ہے یہ قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ ہر شادی شدہ خاوند کی طرف لوٹنے والی نہیں ہوتی۔ جہاں تک بکر کا تعلق ہے وہ کنواری ہے۔ اسے بکر کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ پہلی والی حالت پر ہوتی ہے جس پر اسے پیدا کیا گیا ہوتا ہے۔ کلبی نے کہا: ثیبہ سے مراد حضرت آسیہ ہے جو فرعون کی بیوی تھی اور بکر سے مراد حضرت مریم ہے جو عمران کی بیٹی تھی (2)۔

میں کہتا ہوں: یہ اس آدمی کے قول پر تفسیر ہوگی جو یہ کہتا ہے: بے شک تبدیلی اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کے لیے وعدہ ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ ان بیویوں کو دنیا میں طلاق دے دیتے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں آپ کی زوجیت میں ان سے بہتر عورتیں دے دیتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝

"اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند خو سخت مزاج ہیں نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجا لاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے"۔

انسان کا اپنی ذات اور اپنے اہل کو آگ سے بچانا

اس میں ایک مسئلہ ہے۔ وہ انسان کا اپنی ذات اور اپنے اہل کو آگ سے بچانا۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے اپنے نفسوں کو بچاؤ جبکہ تمہارے اہل اپنے نفسوں کو آگ سے بچائیں (3)۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: اپنے نفسوں کو بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو ذکر اور دعا کا حکم دو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے انہیں بچائے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 42 | 2۔ ایضاً | 3۔ ایضاً، جلد 8، صفحہ 44

بتاتی لوگوں کو آپ علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں بتاتی تھی۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: کسی نبی کی بیوی نے کبھی بھی بدکاری نہیں کی۔ قشیری نے ذکر کیا ہے: اس پر مفسرین کا اجماع ہے: ان کی خیانت دین کے معاملہ میں تھی۔ وہ دونوں مشرک تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ دونوں منافق تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان دونوں کی خیانت چغل خوری تھی۔ جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان دونوں انبیاء کی طرف وحی کی جاتی تو یہ دونوں مشرکوں کے لیے ظاہر کر دیتیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا طریقہ یہ تھا جب کوئی مہمان آتا تو وہ دھواں دکھاتی تاکہ اس کی قوم کو معلوم ہو جائے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس مہمان آیا ہے کیونکہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے حضور بڑے محترم تھے اس کے باوجود ان کی بیویوں نے جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے۔ یہاں اس بات پر آگاہ کرنا مقصود ہے کہ عذاب کو طاعت کے ذریعے دور کیا جا سکتا ہے کسی اور ذریعہ سے دور نہیں کیا جا سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفار مکہ نے استہزا کیا اور کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری سفارش کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس امر کو واضح کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کفار مکہ کو کچھ نفع نہ دے گی اگرچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی شفاعت ان کی بیوی کو کوئی نفع نہ دے گی اور حضرت لوط علیہ السلام کی شفاعت ان کی بیوی کو کوئی نفع نہ دے گی جبکہ وہ دونوں ان انبیاء کے قریبی تھیں۔ وہ ان دونوں کا کفر ہے۔ ان دونوں بیویوں کو کہا جائے گا کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ جس طرح کفار مکہ اور دوسرے کفار کو کہا جائے گا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ: یہ بھی جائز ہے کہ امْرَاَتَ نُوْحٍ یہ مَثَلًا سے بدل ہو اور مضاف محذوف ہو، تقدیر کلام یہ ہوگی: ضرب اللہ مثلا مثل امراۃ نوح یہ بھی جائز ہے کہ دونوں مفعول ہوں۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

"اور اس طرح اللہ نے اہل ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال پیش فرمائی جبکہ اس نے دعا مانگی: اے میرے رب! بنا دے میرے لیے اپنے پاس ایک گھر جنت میں اور بچا لے مجھے فرعون اور اس کے کافرانہ عمل سے اور مجھے اس ستم پیشہ قوم سے نجات دے۔"

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ فرعون کی بیوی کا نام حضرت آسیہ بنت مزاحم تھا(2)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: یہ ارشاد ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس لیے بیان فرمائی جس کے ساتھ وہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ کو متنبہ کرنا چاہتا ہے جب انہوں نے ایک معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے خلاف باہم تعاون کیا تھا۔ پھر ان دونوں کے لیے فرعون کی بیوی اور حضرت مریم بنت عمران کی مثال بیان فرمائی۔ مقصود یہ تھا کہ دونوں ازواج مطہرات کو طاعت میں تمسک

سورۃ الملک

آیاتہا 30 ۔ سورۃ الملک مکیۃ 77 ۔ رکوعاتہا 2

تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، اسے واقیہ اور منجیہ بھی کہتے ہیں، اس کی تیس آیات ہیں۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے ایک قبر پر خیمہ لگایا وہ یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ یہ قبر ہے یہ ایسے انسان کی قبر تھی جو سورۂ ملک پڑھتا یہاں تک کہ اسے ختم کرتا (1)۔ خیمہ لگانے والا صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے قبر پر اپنا خیمہ لگایا میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ یہ قبر ہے کیا دیکھتا ہوں کہ یہ انسان کی قبر ہے جو سورۂ ملک کی قرأت کر رہا ہے یہاں تک کہ اس نے اسے ختم کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ مانعہ ہے، یہ منجیہ ہے جو عذاب قبر سے نجات دینے والی ہے" کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں پسند کرتا ہوں کہ سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ہر مومن کے دل میں ہو" ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کتاب اللہ میں سے ایک سورت ہے وہ صرف تیس آیات ہیں وہ انسان کی شفاعت کرتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز اسے جہنم سے نکال دے گی اور جنت میں اسے داخل کرے گی یہ سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِیْ ہے (2)" امام ترمذی نے اس کی ہم معنی حدیث نقل کی ہے اس بارے میں کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: جب میت کو اس کی قبر میں رکھا جائے گا تو اس کے قدموں کی جانب سے آیا جائے گا اور کہا جائے گا: تمہیں اس پر کوئی اختیار نہیں کیونکہ یہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر سورۂ ملک پڑھا کرتا تھا، پھر اس کے سر کی جانب سے آیا جائے گا تو اس کی زبان کہے گی: اس پر کوئی اختیار نہیں وہ مجھ سے سورۂ ملک کی تلاوت کیا کرتا تھا، پھر فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مانع ہے یہ سورت تورات میں بھی سورۂ ملک ہے جس نے رات میں اسے پڑھا تو اس نے بہت زیادہ عمل کیا اور بہت اچھا عمل کیا۔ یہ روایت کی گئی ہے: جس نے اسے ہر رات پڑھا فتان اسے کوئی نقصان نہیں دے سکے گا (3)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ٘ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُۙ۝۱

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فی سورۃ الملک، جلد 2، صفحہ 580

2۔ سنن ابی داؤد، باب فی عدد الآی، حدیث نمبر 1192۔ سنن ابن ماجہ، باب ثواب القرآن، حدیث نمبر 3775، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ مذکورہ کتاب، تفسیر جلد 1، صفحہ 211

"عزت والا برتر ہے وہ جس کے قبضہ میں (سب جہانوں کی) بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے"۔

تَبٰرَكَ یہ برکت سے تفاعل کے وزن پر ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی تقدس ہے یعنی وہ پاک ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہمیشہ رہنے والا ہے پس وہ ایسا دائم ہے جس کے وجود کا اول نہیں اور اس کے دوام کا آخر نہیں۔ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ دنیا و آخرت میں، زمین و آسمان کی بادشاہی اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کے قبضہ قدرت میں بادشاہی ہے جسے چاہتا ہے عزت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت عطا فرماتا ہے، وہ زندگی عطا کرتا ہے، وہ موت عطا کرتا ہے، وہ غنی کرتا ہے، وہی فقر دیتا ہے، وہ عطا فرماتا ہے، وہی روک لیتا ہے۔ محمد بن اسحاق نے کہا: اسی کے قبضہ قدرت میں نبوت کی بادشاہی ہے جس کے ساتھ اتباع کرنے والوں کو عزت عطا فرماتا ہے اور مخالفت کرنے والوں کو ذلت دیتا ہے (2)۔ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وہ انعام کرنے اور انتقام لینے پر قادر ہے۔

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝

"جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے، اور وہی دائمی عزت والا، بہت بخشنے والا ہے"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

موت اور حیات کی تخلیق کا معنی

مسئلہ نمبر 1۔ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تمہیں موت اور زندگی کے لئے پیدا کیا، یعنی دنیا میں موت کے لئے اور آخرت میں زندگی کے لئے پیدا کیا (3)۔ موت کو زندگی پر مقدم کیا کیونکہ موت صفت قہر کے زیادہ قریب ہے جس طرح بنات کو بنین پر مقدم کیا فرمایا: يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا (الشوریٰ: 49) ایک قول یہ کیا گیا ہے: موت کو اس لئے مقدم کیا کیونکہ یہ زندگی سے پہلے ہے کیونکہ اشیاء ابتداء میں موت کے حکم میں تھیں جس طرح نطفہ، مٹی وغیرہ۔

قتادہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے: "اللہ تعالیٰ نے انسان کو موت کے ساتھ ذلیل کیا، دنیا کو زندگی کا گھر بنایا پھر موت کا گھر بنایا اور آخرت کو جزا کا گھر پھر بقا کا گھر بنایا" (4)۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لولا ثلاث ما طأطأ ابن آدم رأسه الفقر والمرض والموت وانه مع ذلك لوثاب اگر تین چیزیں نہ ہوں تو انسان اپنا سر نہ جھکائے فقر، مرض اور موت اس کے باوجود وہ چھلانگ لگانے والا اور جلد باز ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ موت کو حیات پر مقدم کیا کیونکہ جو انسان موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے اسے عمل کی طرف دعوت میں یہ سب سے قوی داعی (سبب) ہے؛ اسے مقدم کیا کیونکہ جس غرض کے لئے آیت چلائی گئی ہے وہ زیادہ اہم ہے۔ علماء نے کہا: موت سے مراد عدم محض اور فنائے صرف نہیں بلکہ موت سے مراد روح کا بدن سے جو تعلق ہے اس کا انقطاع اور اس کی مفارقت ہے، دونوں کے درمیان کسی چیز کا حائل ہونا، ایک حال سے دوسرے حال میں بدل جانا اور ایک دار سے

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 6، صفحہ 49   2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 49   3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 49-50   4۔ ایضاً، جلد 50

برابری میں کمی کی وجہ سے خلل واقع ہو جائے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول دلالت کرتا ہے فرمایا: معنی ہے من تفرق۔ ابو عبیدہ نے کہا: تفاوت الشیء کا معنی ہے جب وہ چیز فوت ہو جائے پھر حکم دیا کہ اس کی تخلیق میں تم غور و فکر کرو تاکہ اس سے عبرت حاصل کرو اور اس کی قدرت میں غور و فکر کرو تو فرمایا: فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ یعنی نظر آسمان کی طرف لوٹاؤ۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: قلب البصر فی السماء اس نے آسمان کی طرف نظر دوڑائی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اجهد بالنظر الی السماء۔ معنی قریب قریب ہے۔ فَارْجِعِ ارشاد فرمایا اور واحد کا ذکر کیا اس سے پہلے فعل مذکور نہیں ہے فرمایا: ما ترٰی معنی ہے دیکھئے پھر نظر کو لوٹائیے کیا آپ اس میں کوئی کمی دیکھتے ہیں؟ یہ قتادہ کا قول ہے۔ فطور کا معنی پھٹن ہے۔ یہ مجاہد اور ضحاک سے مروی ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے خلل یعنی نقص (2)۔ سدی نے کہا: معنی ہے کوئی شگاف (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے کمزوری۔ یہ تفطر اور انفطار سے ماخوذ ہے جس کا معنی انشقاق ہے۔ شاعر نے کہا:

بنى لكم بلا عمد سماء وزينها فما فيها فطور

بغیر ستونوں کے تمہارے لئے آسمان بنایا اور اسے مزین کیا اس میں پھٹن نہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

شققت القلب ثم ذررت فيه هواك فليم فالتأم الفطور

تو نے دل کو پھاڑا پھر تو نے اس میں اپنی محبت کا بیج بویا پھر اسے جوڑ دیا گیا تو شگاف مندمل ہو گئے۔

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝

''جس نے بنائے ایک ساتھ آسمان اوپر نیچے تمہیں نظر نہیں آئے گا (تہ در تہ) رحمٰن کی آفرینش میں کوئی خلل۔ پھر نگاہ اٹھا کر دیکھو کیا تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے''۔

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ، کرتین مفعول مطلق ہے کیونکہ اس کا معنی دوبارہ لوٹانا ہے۔ معنی یکے بعد دیگرے دوبارہ دیکھنے کا حکم دیا کیونکہ انسان جب کسی چیز کو ایک دفعہ دیکھتا ہے تو اس کا عیب نہیں پاتا جب تک دوسری دفعہ نہ دیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی: اگرچہ وہ دوبارہ دیکھتا تب بھی کوئی عیب نہ پاتا بلکہ دیکھنے کے ساتھ متحیر ہو گئے کی وجہ سے فرمایا: يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا یعنی آنکھ لوٹے گی عاجز ہوئی درماندہ اور کوئی عیب پانے سے دور۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: خسأت الكلب تو نے اسے دور کر دیا اور خسأ الكلب بنفسه کتا خود دور ہو گیا۔ یہ متعدی اور غیر متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ انخسأ الكلب یہ جملہ بھی بولا جاتا ہے: خسأ البصر خسأ وخسوءا اس کی آنکھ تھک گئی۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: خاسی اسے کہتے ہیں جو کسی چیز کو نہ دیکھے جس کی وہ خواہش کرتا تھا۔ وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ وہ تھکاوٹ میں انتہا کو پہنچ گئی۔ حسیر اسم فاعل کے معنی میں ہے یہ حسور سے مشتق ہے جس کا معنی تھکاوٹ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حسرہ بعد الشیء سے اسم مفعول کے معنی میں ہو۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا معنی ہے: اس کی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 51 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

معاملہ میں آہستہ بات کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام اقوال آہستہ سے کیا کرو یا اعلانیہ کیا کرو۔ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ یہ دلوں میں جو کچھ ہے اسے وہ جانتا ہے۔ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ سے مراد صاحب الصدور ہے جس طرح عورت کا بچہ جب جنین ہو تو اسے ذو بطنها کہتے ہیں۔ پھر فرمایا: اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وہ ذات پاک جس نے سینہ کو پیدا کیا۔ وہ سینہ کو نہیں جانتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں نے دل میں راز کو پیدا کیا ہے کیا بندوں کے دلوں میں جو کچھ ہے میں اسے نہیں جانتا۔ علماء معانی نے کہا: اگر تو چاہے تو مَنْ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات لے لے تو معنی یہ ہوگا کیا خالق اپنی مخلوق کو نہیں جانتا اگر چاہے تو تو اس سے مراد مخلوق لے لے یعنی اسے مفعول بنا لے تو معنی ہوگا کیا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو نہیں جانتا۔ ضروری ہے کہ خالق اسے جانتا ہو جس کو اس نے پیدا کیا ہے اور جسے پیدا کرے گا۔ ابن مسیب نے کہا: اس اثنا میں کہ ایک آدمی رات کے وقت گھنے درختوں میں بیٹھا ہوا تھا تیز ہوا چلی تو انسان کے دل میں خیال پیدا ہوا: بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ ان گرنے والے پتوں کو جانتا ہے؟ تو گھنے درخت جانب سے بڑی عظیم آواز آئی: کیا وہ ذات اپنی مخلوق کو نہیں جانتی جبکہ وہ لطیف و خبیر ہے۔

استاذ ابو اسحاق اسفرائینی نے کہا: صفات ذات کے اسماء میں سے جو علم کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان میں سے ایک علیم ہے اس کا معنی ہے تمام معلومات کو عام ہے۔ ان میں سے ایک خبیر ہے۔ یہ خاص ہے کہ جو چیز وقوع پذیر ہونے والی ہے اس کے واقع ہونے سے پہلے وہ باخبر ہے۔ ان میں سے ایک حکیم ہے۔ اس سے مراد ہے وہ اوصاف کے حقائق کو جانتا ہے۔ ان میں سے ایک شہید ہے۔ یہ اس کے ساتھ خاص ہے کہ وہ غائب و حاضر کو جانتا ہے۔ اس کا معنی ہے اس سے کوئی شی غائب نہیں۔ ان میں سے ایک حافظ ہے۔ یہ اس کے ساتھ خاص ہے کہ وہ بھولتا نہیں۔ ان میں سے ایک محصی ہے۔ یہ اس کے ساتھ خاص ہے کہ کثرت اسے علم سے غافل نہیں کرتی جس طرح نور کی روشنی، ہوا کا سخت ہونا، پتوں کا گرنا۔ اس اعتبار سے ہر پتے کی حرکت کے اجزاء کو بھی جانتا ہے۔ وہ کیسے نہ جانے جبکہ اسی نے پیدا کیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۝

"وہی تو ہے جس نے نرم کر دیا ہے تمہارے لیے زمین کو پس (اطمینان سے) چلو اس کے راستوں پر اور کھاؤ اس کے (دیے ہوئے) رزق سے اور اسی کی طرف تم کو (قبروں سے) اٹھ کر جانا ہے"۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا یعنی نرم جس پر تم قرار پذیر ہوتے ہو۔ ذلول ایسے مطیع کو کہتے ہیں جو تیرے لیے نرمی کرتا ہے اس کا مصدر ذل ہے جس کا معنی نرمی اور اطاعت کرنا ہے یعنی زمین کو ایسا نہیں بنایا کہ اس کی سختی کی وجہ سے اس میں چلنا ممکن نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے پہاڑوں کے ساتھ مضبوط کر دیا تا کہ وہ اپنے مکینوں کے ساتھ جھک نہ جائے۔ اگر یہ ایک طرف جھکنے والی ہوتی تو یہ ہمارے لیے مطیع نہ ہوتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں کھیتی کاشت کرنا، درخت لگانا، چشموں کا پھوٹ پڑنا، نہریں نکالنا اور کنویں کھودنا ممکن ہے۔

فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا امر، اباحت کے لیے ہے اس میں احسان کرنے کا اظہار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خبر ہے جو امر کے لفظ کی صورت میں ہے یعنی تاکہ تم اس کی اطراف، اس کے چھوٹے پہاڑوں اور اس کے بڑے پہاڑوں پر چلو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور بشیر بن کعب نے کہا: **فِیْ مَنَاكِبِهَا** سے مراد اس کے پہاڑ ہیں (1)۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت بشیر بن کعب کی ایک لونڈی تھی۔ آپ نے اسے فرمایا: اگر تو مجھے بتا دے کہ زمین کے مناکب کیا ہیں تو تو آزاد ہے۔ اس نے جواب دیا: زمین کے مناکب سے مراد اس کے پہاڑ ہیں تو وہ آزاد ہو گئی۔ حضرت بشیر بن کعب نے اس سے نکاح کا ارادہ کیا اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ نے فرمایا: جو تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ دے اور اسے اپنا جو تجھے شک میں نہ ڈالے (☆)۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے اس کے اطراف، منکب الرجل سے مراد بندے کی دونوں اطراف ہیں۔ مجاہد سے یہی مروی ہے: اس کے راستوں اور تنگ راستوں میں؛ یہی سدی اور حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: مراد اس کی اطراف ہیں (2)۔ منکبہا کا اصل معنی جانب ہے، اسی سے منکب الرجل ہے۔ انسان کا کندھا۔ اسی سے ایک لفظ ریح نکباء ہے یعنی ٹیڑھی چلنے والی ہوا ہے۔ تنکب فلان عن فلان فلاں، فلاں سے ایک طرف ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جہاں تم چاہو تم چلو میں نے اسے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔ اب یہ تمہارے لیے تنگ نہیں۔ قتادہ نے ابو الجلد سے روایت نقل کی ہے: زمین چوبیس ہزار فرسخ ہے۔ حبشیوں کے لیے بارہ ہزار فرسخ، رومیوں کے لیے آٹھ ہزار فرسخ، ایرانیوں کے لیے تین ہزار فرسخ اور عربوں کے لیے ایک ہزار فرسخ (3)۔ **وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ** اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو شے حلال کی ہے اسے کھاؤ؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں سے کھاؤ جو میں نے تمہیں دیا ہے۔ **وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ** اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ ذات جس نے آسمان کو کسی کے بغیر پیدا کیا اور زمین کو مطیع بنایا وہ تمہیں دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ۝

”کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا تم اس کے عذاب سے امن میں ہو جو آسمان میں ہے اگر تم اس کی نافرمانی کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے: أأمنتم من فی السماء قدرته وسلطانه وعرشه ومملكته کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے جس کی قدرت، سلطان، عرش اور مملکت آسمان میں ہے۔ یہاں آسمان کو خاص کیا ہے اگرچہ اس کی مملکت عام ہے اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے کہ الٰہ وہ ہے جس کی قدرت آسمانوں میں نافذ ہے نہ کہ وہ الٰہ ہے جس کی تم زمین میں عظمت بیان کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ملائکہ کی طرف اشارہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبرئیل امین کی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 54

2۔ ایضاً

3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 179

☆۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث نمبر 2442، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

طرف اشارہ ہے کیونکہ حضرت جبرائیل امین وہ فرشتہ ہے جس کے ذمہ عذاب دینا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال موجود ہے کہ معنی ہو کیا تم بے خوف ہو گئے اس خالق سے جس نے پیدا کیا ہے ان چیزوں کو جو آسمان میں ہیں کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے جس طرح اس نے قارون کو زمین میں دھنسایا تھا۔

فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ یعنی وہ جائے گی اور آئے گی۔ مور کا معنی آنے اور جانے میں اضطراب ہے۔

شاعر نے کہا:

رَمَیْنَ فَاَقْصَدْنَ الْقُلُوْبَ وَلَنْ تَرٰی ۔۔۔ دَمًا مَائِرًا اِلَّا جَرٰی فِی الْحَیَازِمِ

انہوں نے تیر مارے اور انہوں نے دلوں کا قصد کیا تو ہرگز چلنے والے خون کو نہیں دیکھے گا مگر یہ کہ وہ سینے کے وسط میں چلتا ہے۔

حیازم یہ حیزوم کی جمع ہے۔ وہ سینہ کا وسط ہے جب انسان کو دھنسایا جاتا ہے تو زمین اس پر گھوم جاتی ہے۔ یہی مور ہے۔ محققین کہتے ہیں: کیا تم بے خوف ہو اس سے جو آسمانوں سے بھی اوپر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ (التوبہ: 2) یعنی جو آسمان سے اوپر ہے اس کا خوف مس کرنے سے نہیں اور نہ ہی اسے مکان بنانے سے ہے بلکہ وہ اس پر غلبہ رکھتا ہے اور تدبیر فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے امنتم من علی السماء جس طرح وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ (طٰہٰ: 71) فی، علی کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی ہوگا اس کا مدبر اور اس کا مالک ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان علی العراق والحجاز یعنی فلاں عراق اور حجاز کا والی اور اس کا امیر ہے۔ اس باب میں اخبار بہت زیادہ ہیں، صحیح ہیں، مشہور و معروف ہیں، بلندی کی طرف اشارہ کرنے والیاں ہیں، ان کا انکار صرف ملحد یا معاند جاہل ہی کر سکتا ہے۔ ان سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت اور پستی سے آپ کی پاکی بیان کرنا ہے۔ اس کی علو اور عظمت کے ساتھ صفت یہ اماکن، جہات اور حدود کے اعتبار سے نہیں کیونکہ یہ اجسام کی صفات ہیں۔ دعا کے موقع پر ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے کیونکہ آسمان وحی کا مہبط ہے، بارش وہاں سے نازل ہوتی ہے، پاکیزگی کا محل ہے اور پاکیزہ فرشتوں کا معدن ہے، بندوں کے اعمال اس کی طرف بلند کیے جاتے ہیں۔ آسمانوں سے اوپر اس کا عرش اور اس کی جنت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو دعا اور نماز کا قبلہ بنا دیا ہے۔ ایک وجہ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے امکنہ کو پیدا کیا ہے، وہ امکنہ کا محتاج نہیں، وہ مکان اور زمان کے پیدا کرنے سے پہلے ازل میں تھا۔ اس کا کوئی مکان اور زمان نہیں تھا، وہ اب بھی اسی طرح ہے جس طرح وہ پہلے تھا۔ قنبل نے ابن کثیر سے النشور و امنتم پڑھا ہے۔ پہلے ہمزہ کو واؤ اور دوسرے میں تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ کوفیوں، بصریوں اور اہل شام نے ابو عمرو اور ہشام کے علاوہ دونوں ہمزوں میں تحقیق کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ۝

"کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے"۔

حاصباً یعنی آسمان سے پتھر برسنے جس طرح اس نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور اصحاب فیل پر پتھر برسائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسی ہوا بھیجے جس میں پتھر اور سنگریزے ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا بادل بھیجے جس میں پتھر ہوں۔ نذیر، انذار کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نذیر، منذر کے معنی میں ہے۔ مراد حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے تو تم عنقریب آپ ﷺ کی صداقت اور جھٹلانے کا انجام دیکھو گے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝

"اور جو لوگ ان سے پہلے گزرے انہوں نے بھی جھٹلایا (تو دیکھ لو) کہ (ان پر) میرا عذاب کتنا سخت تھا"۔

اسم موصول سے مراد دشمنوں کے کفار ہیں جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، قوم عاد، قوم ثمود، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم، اصحاب مدین، اصحاب رس اور قوم فرعون۔

نکیر بھی انکار کے معنی میں ہے یائے متکلم محذوف ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ورش نے نذیری اور نکیری میں یا کو وصل میں ثابت رکھا ہے۔ یعقوب نے دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے باقی قراء نے مصحف کی اتباع میں حذف کر دیا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ۝

"کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر (اڑتے) کبھی نہیں دیکھا پر پھیلائے ہوئے اور کبھی پر سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ نہیں روکے ہوئے انہیں کوئی (فضا میں) بجز رحمن کے، بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے"۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ جس طرح اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسان کے لیے مسخر کیا ہے اس طرح پرندوں کے لیے ہوا کو مسخر کیا ہے۔ صافات کا معنی باسطات ہے یعنی وہ اڑنے کے وقت فضا میں اپنے پروں کو پھیلا لیتے ہیں کیونکہ جب وہ انہیں پھیلاتے ہیں تو ان کے اوپر (والے پر) کو صف در صف کر لیتے ہیں۔ وَيَقْبِضْنَ انہیں اپنے پہلوؤں سے مارتے ہیں۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: پرندہ جب اپنے پروں کو پھیلاتا ہے تو اسے صاف کہتے ہیں اور جب انہیں ملاتا ہے تو اسے قابض کہتے ہیں کیونکہ اس وقت وہ پروں کو قبض کر لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے پروں کو پھیلانے کے بعد قبض کر لیتے ہیں جب وہ اڑنے سے رک جاتے ہیں۔ اس کا عطف صافات پر ہے۔ فعل مضارع کا عطف اسم فاعل پر ہے جس طرح اسم فاعل کا عطف فعل مضارع پر ہے۔ یقصد فی اسوقہا وجائر میں جائر کا عطف یقصد پر ہے۔

مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ۝ پرندے جب فضا میں اڑ رہے ہوتے ہیں تو فضا میں انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں روک سکتا۔

أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ جُندٌ لَّكُمْ يَنصُرُكُم مِّن دُونِ الرَّحْمَٰنِ ۚ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي

غُرُوْرٍ ۝

"(اے منکرو!) کیا تمہارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کرے (خداوند) رحمن کے علاوہ، بے شک منکرین دھوکے میں مبتلا ہیں"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جُنْدٌ کا معنی حزب اور منعۃ کیا ہے(1)، یعنی ایسی جماعت جو تمہارا دفاع کرے گی۔ اللہ تعالیٰ جس کا تمہارے بارے میں ارادہ کرے گا اگر تم اس کی نافرمانی کرو۔ لفظ جند واحد ہے اسی وجہ سے فرمایا: هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یہ استفہام انکاری ہے یعنی تمہارے پاس کوئی لشکر نہیں جو تمہارا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے دفاع کرے۔ دون، سوا کے معنی میں ہے۔ کافر شیطان کی جانب سے دھوکہ میں مبتلا ہیں۔ وہ انسان کو دھوکہ دیتا ہے کہ کوئی عذاب نہیں کوئی حساب نہیں۔

أَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ۝

"کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں رزق پہنچائے اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کر لے لیکن یہ لوگ سرکشی اور حق سے نفرت میں بہت دور نکل گئے ہیں"۔

کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں دنیا کے منافع عطا کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہارے معبودوں میں سے کوئی ایسا ہے جو تم پر بارش نازل فرمائے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق روک لے بلکہ انہوں نے سرکشی کی اور سرکشی میں اور حق سے دور بھاگنے میں اصرار کیا۔

أَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ أَهْدٰٓى أَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

"کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا پڑتا چلا جا رہا ہے وہ راہ راست پر ہے یا وہ جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے"۔

أَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کی مثال بیان فرمائی ہے مُكِبًّا وہ اپنے سر کو جھکائے ہوئے ہے وہ نہ سامنے دیکھ سکتا ہے نہ دائیں دیکھ سکتا ہے اور نہ بائیں دیکھ سکتا ہے۔ وہ لڑکھڑانے اور منہ کے بل گرنے سے امن میں نہیں ہوتا جس طرح وہ آدمی جو سیدھا اعتدال سے چلتا ہے جبکہ وہ سامنے، دائیں جانب اور اپنی بائیں جانب دیکھ رہا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ دنیا میں ہے۔ یہ جائز ہے کہ مراد اندھا ہو جو راستہ کی طرف ہدایت نہیں پاتا تو وہ بھٹک جاتا ہے وہ ہمیشہ منہ کے بل گرتا رہتا ہے۔ وہ اس آدمی کی طرح نہیں جو سیدھا صحیح قدموں والا صحیح دیکھنے والا ہے اور راستے میں چلتا ہے اور ہدایت پا جاتا ہے۔ قتادہ نے کہا: مراد کافر ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر منہ کے بل گرا رہتا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل ہی گرائے گا۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور کلبی نے کہا: أَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ سے مراد ابوجہل ہے اور اس کی مثل سویًّا سے مراد حضرت ابو بکر صدیق ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت حمزہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کافر و مومن کو عام ہے یعنی کافر

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 422

سورۃ ن والقلم

﴿ آیاتہا 52 ﴾ ﴿ 68 سورۃ القلم مکیۃ 2 ﴾ ﴿ رکوعاتہا 2 ﴾

حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطاء اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: اول سے لے کر سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝ تک مکی ہے اور اس کے بعد سے لے کر اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ تک مدنی ہے۔ اس کے بعد سے يَكْتُبُوْنَ ۝ تک مکی ہے اور اس سے لے کر مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ تک مدنی ہے اور باقی ماندہ مکی ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝

"ن، قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں، اور یقیناً آپ کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔"

نٓ وَالْقَلَمِ ابوبکر، مفضل، ہبیرہ، ورش، ابن محیصن، ابن عامر، کسائی اور یعقوب نے دوسری نون کو واؤ میں مدغم کیا ہے؛ باقی قراء نے اظہار کیا ہے۔ عیسیٰ بن عمر نے ن کو فتح کے ساتھ پڑھا ہے، گویا فعل کو مضمر مانا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، نصر اور ابن ابی اسحاق نے حرف قسم کو مضمر ماننے کے ساتھ اسے مکسور پڑھا ہے۔ ہارون، محمد بن سمیقع اور معاویہ بن قرہ نے مبنی ہونے کی وجہ سے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اپنے باپ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں کہ فرمایا: "نٓ نور کی ایک لوح ہے" (2)۔ ثابت بنانی نے روایت کیا ہے کہ نٓ سے مراد دوات ہے (3)؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ ولید بن مسلم نے روایت کی ہے کہ مالک بن انس، مکی سے جو ابوبکر کے غلام ہیں (4)، وہ ابو صالح سمان سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا پھر نون کو پیدا کیا، یہ دوات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: نٓ وَالْقَلَمِ سے یہی مراد ہے پھر اسے فرمایا: لکھ! اس نے عرض کی: میں کیا لکھوں؟ فرمایا: جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب لکھ، خواہ وہ عمل ہو، اجل ہو، رزق ہو یا اثر ہو۔ قیامت تک جو ہونے والا تھا قلم اس میں جاری ہو گیا۔ پھر قلم کے منہ پر مہر لگا دی گئی پھر اس نے نہ کچھ لکھا اور نہ قیامت

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 59
2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 345
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 181
4۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1855

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الروم)۔ امام جعفر صادق نے کہا: یہ جنت کی نہروں میں سے ایک نہر ہے جسے نون کہتے ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا: یہ حروف تہجی میں سے ایک ہے کیونکہ اگر یہ کوئی اور چیز ہوتی تو یہ معرب ہوتا۔ ابونصر عبدالرحیم قشیری نے اسے پسند کیا ہے۔ فرمایا: ن حرف ہجا ہے اس پر اعراب نہیں۔ اگر یہ مکمل کلمہ ہوتا تو اس پر اسی طرح اعراب ہوتا جس طرح قلم پر اعراب دیا جاتا ہے۔ یہ حرف تہجی ہے جس طرح باقی سورتوں کے آغاز میں ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے: یہ سورت کا نام ہے یعنی یہ سورۂ نون ہے پھر فرمایا: وَالْقَلَمِ۔ قلم کی قسم اٹھائی کیونکہ اس کے ذریعے ہی وضاحت کی جاتی ہے جس طرح زبان کے ساتھ وضاحت کی جاتی ہے۔ اس کا اطلاق ہر اس قلم پر ہوتا ہے جس کے ساتھ لکھا جاتا ہے خواہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو۔ اسی معنی میں ابوالفتح بستی کا قول ہے:

كَفَى قَلَمَ الْكُتَّابِ عِزًّا وَ رِفْعَةً　　مَدَى الدَّهْرِ أَنَّ اللهَ أَقْسَمَ بِالْقَلَمِ

کاتبوں کے قلم کے لیے ہمیشہ زمانہ تک یہ عزت و رفعت میں کافی ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم اٹھائی ہے۔

شعراء کے بے شمار ایسے الفاظ ہیں جن میں قلم کو تلوار پر فضیلت دی گئی ہے۔ جس کو ہم نے ذکر کیا ہے وہ ان سب سے اعلیٰ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ اس قلم کی قسم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا تو قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا اس نے وہ لکھ دیا۔ کہا: یہ قلم نور کا ہے اس کی لمبائی اتنی ہے جتنی آسمان اور زمین کے درمیان مسافت ہے (2)۔ یہ کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر اس کی طرف دیکھا تو اس میں شق پیدا ہو گیا فرمایا: چل پڑ۔ قلم نے عرض کی: اے میرے رب! میں کس کے ساتھ جاری ہوں؟ فرمایا: قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھنے کے ساتھ چل پڑ۔ تو وہ لوح محفوظ پر جاری ہو گیا۔ ولید بن عبادہ بن صامت نے کہا: میرے والد نے اپنے وصال کے موقع پر وصیت کی اور کہا: اے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے ڈر اور جان لو! تو کبھی بھی متقی نہیں بنے گا اور علم تک نہیں پہنچ سکے گا یہاں تک کہ تو اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لائے اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے (3)۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: "اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا ہے اسے فرمایا: لکھ۔ اس نے عرض کی: میں کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر لکھ۔ قلم اس لمحہ لکھنے لگی جو کچھ ہو چکا تھا اور ابد تک کے لئے جو کچھ ہونے والا تھا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا اور اسے حکم دیا جو کچھ ہونے والا ہے اسے لکھتا جائے اس نے جو کچھ لکھا اس میں یہ بھی لکھا تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ۔ قتادہ نے کہا: قلم بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اول قلم کو پیدا کیا جو کچھ ہونے والا تھا اس نے لکھ دیا (4) اسے اپنے عرش پر اپنے پاس رکھ دیا پھر دوسرے قلم کو پیدا کیا تاکہ اس کے ساتھ زمین میں لکھے جس کی وضاحت سورۂ اقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ میں آ رہی ہے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 93　　تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 424

3۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، جلد 5، صفحہ 166　　4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1855

وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ اور جو وہ لکھتے ہیں، مراد فرشتے ہیں جو انسانوں کے اعمال لکھتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول
ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو لوگ لکھتے ہیں اور جس کے ذریعے ایک دوسرے کی بات سمجھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس
رضی اللہ عنہما کا قول ہے: وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ کا معنی ہے جو وہ جانتے ہیں۔ ما موصولہ ہے یا مصدریہ ہے مراد مسطور ہے یا سطر ہے، مراد
ہوگا جو کوئی لکھتا ہے یا جسے حفظہ فرشتے لکھتے ہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝ یہ جواب
قسم ہے اور جملہ منفیہ ہے۔ مشرک نبی کریم ﷺ کے بارے میں کہا کرتے تھے: یہ مجنون ہے، اس کا ایک شیطان ہے۔ ان لوگوں
کا یہ قول تھا: يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝ (الحجر) اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے
اور ان کے قول کی تکذیب کرتے ہوئے اس آیت کو نازل فرمایا۔ یہاں نعمت رحمت کے معنی میں ہے یعنی آپ ﷺ اپنے
رب کی رحمت کے ساتھ مجنون نہیں۔ دوسری تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ یہاں نعمت قسم کے معنی میں ہو تقدیر کلام یہ ہوگی تیرے
رب کی نعمت کی قسم! آپ مجنون نہیں کیونکہ واؤ اور باء حروف قسم میں سے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام اسی طرح ہے
جس طرح تو کہتا ہے: ما انت بمجنون والحمد للہ (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام کا معنی ہے ما انت بمجنون والنعمۃ
لربک جس طرح ان کا قول ہے: سبحانک اللہم وبحمدک یعنی والحمد للہ۔ اسی معنی میں لبید کا یہ شعر ہے:

وأُفْرِدْتُ في الدنيا بفقد عشيرتي ... وفارقني جارٌ بأربدَ نافعُ

اس شعر میں بأربد، وهو أربد کے معنی میں ہے۔ نابغہ کا شعر ہے:

لم يُحْرَموا حُسْنَ الغذاء وأُمُّهم ... طفحت عليك بناتقٍ مذكارِ

اس میں بھی بناتق، وهو ناتق کے معنی میں ہے۔ بنعمۃ ربک مجنون کے متعلق ہے جس کی نفی کی گئی ہے جس طرح کلام
مثبت میں عاقل کے متعلق ہے۔ تیرا قول ہے: انت بنعمة ربك عاقل اس کا محل نصب ہے۔ یہ حال ہے گویا فرمایا: ما انت
بمجنون منعما عليك بذلك۔ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا آپ کے لیے ثواب ہے کیونکہ آپ نبوت کے بوجھ کو اٹھائے ہوئے ہیں۔
غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝ وہ نہ ختم ہوگا اور نہ اس میں کمی کی جائے گی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: مننت الحبل جب تو رسی کو کاٹ دے
حبل منین جب وہ مضبوط نہ ہو۔ شاعر نے کہا:

غُبْسًا كواسبَ لا يُمَنُّ طعامُها

یہاں بھی لا یمن، لا ینقطع کے معنی میں ہے۔ ان کا کھانا ختم نہیں ہوتا۔ مجاہد نے کہا: غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝ کا معنی ہے اس کا
کوئی حساب نہ ہوگا (4)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اسے احسان جتا کر گدلا نہ کیا جائے گا۔ ضحاک نے کہا: بغیر عمل کے اجر
ہوگا (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بغیر تعداد کے ہوگا (6)۔ یہ فضل و احسان ہے کیونکہ اجر جزا سے ہوتی ہے اور فضل اور
احسان اعمال کے بغیر ہوتا ہے۔ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے: یہ مجاہد کے قول کا معنی ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 60 | 2۔ ایضاً | 3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 425
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 61 | 5۔ ایضاً | 6۔ ایضاً

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝

"بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

خلق سے مراد

مسئلہ نمبر 1۔ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: علی خلق سے مراد ہے دینوں میں سے عظیم دین پر۔ اللہ تعالیٰ کو اس دین سے بڑھ کر کوئی دین محبوب اور پسندیدہ نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے: آپ کا خلق قرآن ہے(1)۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور عطیہ نے کہا: اس سے مراد ادب قرآن ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے لیے نرم دل ہونا اور ان کو اکرام سے نوازنا ہے۔ قتادہ نے کہا: مراد ہے اللہ تعالیٰ جس کا حکم دے اس کو بجا لاتا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے اس سے رک جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم طبع کریم پر ہیں۔ ماوردی نے کہا: یہی معنی ظاہر ہے(3)۔ لغت میں خلق کا حقیقی معنی یہ ہے ھو ما یاخذ بہ الانسان نفسہ من الادب انسان اپنے نفس کے لیے جو ادب اپناتا ہے اسے خلق کہتے ہیں کیونکہ یہ چیز اس میں خلقت کی طرح ہو جاتی ہے۔ جس ادب پر انسان پیدا کیا جاتا ہے اسے خیم کہتے ہیں جس کا معنی سجیۃ اور طبیعۃ ہے۔ لفظوں میں اس کا کوئی واحد نہیں۔ خیم پہاڑ کا نام ہے۔ خلق ایسی فطرت ہے جس میں تکلف ہو اور خیم ایسی فطرت ہے جو پیدائشی ہو۔ اعشیٰ نے اسے اپنے شعر میں واضح کیا ہے:

واذا ذو الفضول ضن علی المو [illegible] ل و عادت لخیمها الاخلاق

جب مالدار مال پر بخل کرنے لگیں تو اخلاق اپنی طبع کی طرف لوٹ آتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جو قول ذکر کیا ہے جو صحیح مسلم میں موجود ہے وہ تمام اقوال سے اصح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ سے دس آیات کو پڑھا۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اخلاق میں کوئی اچھا نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور گھر والوں میں سے کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بلایا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا: لبیک۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ کوئی خلق محمود ذکر نہیں کیا گیا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں وافر حصہ تھا۔ جنید بغدادی نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کو عظیم کہا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی کوئی ہمت نہ تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کو عظیم نام دیا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں مکارم اخلاق جمع ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادب سکھایا اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعت کی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ۝ (الاعراف) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مجھے میرے رب نے اچھا ادب سکھایا کیونکہ ارشاد فرمایا: خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 256　　2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 426　　3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 61

کی عبادت کریں گے۔ یہ بارہ اقوال ہیں۔ ابن عربی نے کہا: مفسرین نے اس میں دس کے قریب اقوال ذکر کیے ہیں۔ سب لغت اور معنی پر لوٹنے والے ہیں (1)۔ ان میں سے ان کا یہ قول ہے: ودوا لوتکذب فیکفرون، وودوا لو تکفر فیکفرون۔

میں کہتا ہوں: سب ان شاء اللہ صحیح ہیں لغت اور معنی کے موافق ہیں کیونکہ ادھان کا معنی نرمی کرنا، اور نرم رویہ اپنانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ادھان کا معنی دشمن سے حسن سلوک کرنا اور اس سے دوستی کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں قرب ظاہر کرنا اور قول میں نرمی کرنا۔

مفضل نے کہا: اس سے مراد نفاق اور باہم نصیحت کو ترک کرنا ہے (2)۔ اس توجیہ کی صورت میں یہ مذموم ہے اور پہلی توجیہ کی صورت میں مذموم نہیں۔ ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں۔ مبرد نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے ادھن فی دینہ وداھن فی أمرہ یعنی اس نے اس میں خیانت کی اور جو چیز چھپائے ہوئے تھا اس کے خلاف ظاہر کیا۔ ایک قوم نے کہا: فَيُدْهِنُوْنَ کو عطف کے طریقہ پر چلایا ہے (3)۔ اگر نہی کے جواب کے طریقہ پر آتا تو اسے فیدھنوا ارشاد فرماتا۔ بے شک یہ ارادہ کیا انہوں نے تمنا کی اگر آپ ایسا کریں تو وہ بھی آپ کی مثل کریں گے۔ یہ عطف کے طور پر ہے۔ جزا اور مکافات کے طریقہ پر نہیں، یہ تمثیل و تنظیر ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝

"اور بات نہ مانئے کسی (جھوٹی) قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی جو بہت نکتہ چینی، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، سخت منع کرنے والا بھلائی سے، حد سے بڑھ جانے والا بدکار ہے: تند مزاج ہے اس کے علاوہ بد اصل ہے"۔

امام شعبی، سدی اور ابن اسحاق کے قول میں اخنس بن شریق مراد ہے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اسود بن عبد یغوث یا عبد الرحمن بن اسود ہے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ولید بن مغیرہ ہے (5)۔ اس نے نبی کریم ﷺ کو مال کی پیشکش کی اور اس نے قسم اٹھائی کہ اگر آپ ﷺ دین سے رجوع کر لیں تو وہ یہ مال انہیں دے دے گا، یہ مقاتل کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد ابو جہل بن ہشام ہے۔ حلاف سے مراد بہت زیادہ قسمیں اٹھانے والا۔ مھین سے مراد جس کا دل کمزور ہو؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد بہت جھوٹا اور جھوٹ بولنے والا ذلیل ہوتا ہے (6)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شر میں بہت زیادہ آگے بڑھنے والا؛ یہ قول حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کیا ہے۔ کلبی نے کہا: مراد حقیر، فاجر اور عاجز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں حقیر۔ ابن شجرہ نے کہا: وہ ذلیل ہے۔ رمانی نے کہا: حقیر و پست کیونکہ وہ بہت زیادہ قبیح عمل کرتا ہے۔ یہ مہانہ سے فعیل کا وزن ہے جس کا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1855
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 63
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1856
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 63
5۔ ایضاً
6۔ ایضاً

معنی قلت ہے۔ یہاں ہمزہ اور تمیز میں قلت ہے یا یہ فعیل مفعول کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی مہان (ذلیل کیا گیا) ہے۔

هَمَّازٍ ابن زید نے کہا: ہماز سے مراد وہ آدمی ہے جو اپنے ہاتھ سے لوگوں کی چٹکی لیتا ہے اور انہیں مارتا ہے اور لماز جو زبان سے دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جو مجلس میں لوگوں کے عیب ذکر کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هُمَزَةٍ (الہمزہ: 1)(1) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہماز سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کے سامنے ان کی برائی ذکر کرتا ہے اور لماز اسے کہتے ہیں جو ان کی عدم موجودگی میں ان کی برائی ذکر کرتا ہے؛ یہ ابو العالیہ، عطا بن ابی رباح اور حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ مقاتل نے اس کلام کی ضد میں کلام کی ہے: ہمزہ اسے کہتے ہیں جو عدم موجودگی میں غیبت کرتا ہے اور لمزہ اسے کہتے ہیں جو سامنے برائی کرتا ہے۔ مرہ نے کہا: دونوں برابر ہیں۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عدم موجودگی میں عیب جوئی کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ سے اسی کی مثل مروی ہے۔ شاعر نے کہا:

تُدْلِي بِوُدٍّ إِذَا لَاقَيْتَنِي كَذِبًا ... وَإِنْ أُغَيَّبْ فَأَنْتَ الْهَامِزُ اللُّمَزَةُ(2)

جب تو ملتا ہے تو جھوٹ موٹ کی محبت کا اظہار کرتا ہے اور اگر میں غائب ہوں تو تو عیب جوئی کرنے والا ہے۔

مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ لوگوں میں چغل خوری کرتا ہے تا کہ ان میں فساد برپا کر دے۔ یہ بولا جاتا ہے: نَمَّ يَنِمُّ نَمًّا و نَمِيمًا و نَمِيمَة جب وہ چغل خوری کرے اور فساد برپا کر دے۔ صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہیں یہ خبر پہنچی کہ فلاں آدمی چغل خوری کرتا ہے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "جنت میں کوئی چغل خور داخل نہیں ہوگا" (3)۔ شاعر نے کہا:

ومولى كبيت النمل لا خير عنده ... لمولاه إلا سعيه بنميم(4)

غلام چیونٹی کے گھر کی طرح ہے۔ اس کے ہاں آقا کے لیے کوئی خیر نہیں سوائے اس کے کہ وہ چغل خوری کرتا ہے۔

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ وہ مال کو روکنے والا ہے کہ اسے بھلائی کے راستوں میں خرچ کیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنی اولاد اور قبیلہ کو اسلام سے روکتا ہے (5)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ انہیں کہتا ہے تم میں سے جو بھی (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہوا میں اسے کبھی بھی کسی چیز کا فائدہ نہیں دوں گا (6)۔ مُعْتَدٍ وہ لوگوں پر ظلم کرنے والا ہے، حد سے تجاوز کرنے والا ہے، باطل کا ساتھی ہے۔ اَثِيمٍ گناہ گار ہے اس کا معنی اثوم ہے۔ یہ فعیل کا وزن ہے اور فعول کے معنی میں ہے۔ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ عتل یعنی وہ کفر میں بہت سخت ہے۔ کلبی اور فراء نے کہا: وہ باطل میں سخت خصومت کرنے والا ہے (7)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لوگوں سے خصومت کرتا ہے اور انہیں قید یا عذاب کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ عتل سے ماخوذ ہے جس کا معنی کھینچنا ہے؛ اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ (الدخان: 47) [illegible] عتلت

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 183
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 63
3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 70
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 64
5۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 88
6۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 84
7۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 430

الرجل، نعتلہ واعتلہ جب تو اسے سختی سے کھینچے۔ رجل معتل، وہ گھوڑے کی تعریف کرتا ہے:

نقرعہ فرعا ولسنا نعتلہ　ہم اسے سختی سے روکتے ہیں اور ہم اسے کھینچتے نہیں۔

ابن سکیت نے کہا: عتلہ وعتنہ دونوں طرح یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ عُتُلٍّ کا معنی سخت دل۔ عُتُلٍّ کا معنی یہ کیا ہے سوائے یہ ہے: رجل عتل ایسا آدمی جو برائی کی طرف جلدی جانے والا ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: لا انعتل معک یعنی میں اپنی جگہ سے نہ ہلوں گا۔ عبید بن عمیر نے کہا: العتل سے مراد بہت زیادہ کھانے والا، بہت زیادہ پینے والا، قوی اور شدید اسے میزان میں رکھا جائے تو ایک جو کا وزن بھی نہ ہو۔ فرشتہ ایک دھکے سے ایسے ستر ہزار آدمیوں کو جہنم میں دھکیل دے گا۔ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت حسن بصری نے کہا: عُتُلٍّ سے مراد فحش گوئی کرنے والا اور برے اخلاق والا۔ معمر نے کہا: اس سے مراد فحش گوئی کرنے والا اور کمینہ ہے (1)۔ شاعر نے کہا:

بعتل من الرجال زنیم　غیر ذی نجدۃ وغیر کریم (2)

لوگوں میں سے ترش رو، بداصل، وہ بلند مقام سے عاری ہے، وہ لائق تحسین اور نہ ہی معزز ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت حارث بن وہب سے روایت مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "کیا میں تمہیں اہل جنت کے بارے میں باخبر نہ کروں؟" (3) صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں؟ فرمایا: "ہر کمزور جسے لوگ کمزور جانیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر کسی امر کے بارے میں قسم اٹھا دے تو وہ اس قسم کو پورا کر دے۔ کیا میں تمہیں جہنمیوں کے بارے میں باخبر نہ کروں؟" صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں؟ فرمایا: "ہر ترش رو، سخت دل، مال جمع کرنے والا اور متکبر"۔ ایک روایت میں ہے: "ہر مال جمع کرنے والا، بداصل اور متکبر" (4)۔

جواظ سے مراد مال جمع کرنے والا اور خرچ کرنے سے روکنے والا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زیادہ گوشت والا اور چال میں تکبر کرنے والا۔ ماوردی نے شہر بن حوشب سے وہ عبدالرحمن بن غنم سے روایت نقل کرتے ہیں (5)، اسے حضرت ابن مسعود نے روایت نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا یدخل الجنۃ جواظ ولا جعظری ولا العتل الزنیم ایک آدمی نے عرض کی: جواظ اور جعظری کیا ہوتا ہے اور عتل زنیم سے کیا مراد ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جواظ اسے کہتے ہیں جو مال جمع کرتا ہے اور اسے روک لیتا ہے، جعظری سے مراد سخت دل اور عتل زنیم سے مراد مضبوط جسم والا، زیادہ پینے والا، صحت مند، خوب کھانے پینے والا، کھانے کو پانے والا اور لوگوں پر ظلم کرنے والا"۔ ثعلبی نے اسے شداد بن اوس سے نقل کیا ہے: "جنت میں جواظ، جعظری اور عتل زنیم داخل نہیں ہوگا"۔ میں نے یہ باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں۔ میں نے عرض کی: جواظ کون ہے؟ فرمایا: "مال جمع کرنے والا اور اسے روکنے والا"۔ میں نے پوچھا: جعظری کیا ہے؟ فرمایا: "ترش رو سخت دل"۔ میں نے عرض کی: عتل زنیم کیا ہے؟ فرمایا: "بڑے پیٹ والا"۔ بھرے گوشت والا، خوب

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 430　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 84

3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفتہ، باب النار یدخلہا الجبارون، جلد 2، صفحہ 382　4۔ ایضاً　5۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 65

کھانے پینے والا وہ ظالم"۔

میں کہتا ہوں: یہ تفسیر نبی کریم ﷺ سے عتل کے بارے میں ہے جو مفسرین کے اقوال پر فوقیت رکھتی ہے۔ بخاری کی کتاب میں جو قول تفسیر میں ہے اس سے مراد ترش رو اور سخت دل ہے۔ یہ حارثہ بن وہب خزاعی کی حدیث میں ہے اور صحیح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا یدخل الجنة الجواظ ولا الجعظری (1)۔ جواظ اور جعظری جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ کہا: جواظ سے مراد ترش رو اور سخت دل ہے۔ اس بارے میں دو اور تفسیریں ہیں جو مرفوع روایت میں بیان ہوئیں ان کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد سخت دل ہے۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝ کی تفسیر میں کہتے ہیں (2) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "آسمان اس آدمی کی حرکتوں سے روتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جسم کو درست کیا اس کے پیٹ کو بڑا کیا اور دنیا میں سے بہت کچھ دیا تو وہ لوگوں پر ظلم کرتا ہے۔ یہی وہ عتل زنیم ہے اور آسمان اس بدکار بوڑھے کی وجہ سے روتا ہے جس کو زمین اٹھائے ہوئے ہے"۔

زنیم اسے کہتے ہیں جو کسی قوم کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا ہو اور جس کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہو۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ شاعر نے کہا:

زنیم تداعاہ الرجال زیادۃ

وہ غیر ہے جسے لوگ بطور زائد چیز کے دعویٰ کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ قریش کا ایک فرد تھا اس کا ایسا زنمہ تھا جس طرح بکری (کے کانوں یا گردن) میں ایک معلق گوشت لٹک رہا ہوتا ہے (3)۔ ابن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ شر میں یوں معروف تھا جس طرح بکری اس گوشت کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے (4)۔ عکرمہ نے کہا: مراد ایسا کمینہ فرد ہے جو اپنی کمینگی کی وجہ سے معروف ہو جس طرح بکری اس گوشت کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے (عیب) کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد ظلوم ہے۔ یہ چھ اقوال ہیں۔ مجاہد نے کہا: زنیم جس کے ہاتھ میں چھ انگلیاں تھیں اور ہر انگوٹھے میں ایک انگلی زائد تھی۔ ان میں سے شعبی اور سعید بن مسیب اور عکرمہ سے بھی یہ مروی ہے: اس سے مراد ولد الزنا ہے جو نسب میں کسی قوم کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہو۔ ولید قریش میں دعی (جس کا دعویٰ کیا گیا ہو) تھا وہ ان کی اصل سے نہ تھا اس کے والد نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد اس کے بیٹے ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ شاعر نے کہا:

زنیم لیس یعرف من أبوہ بغی الأم ذو حسب لئیم

وہ بد اصل ہے اس کا باپ معروف نہیں اس کی ماں بدکار تھی وہ کمینے حسب والا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ بعینہ پہلا قول ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا: اس سے مراد وہ ہے جس کی اصل نہ ہو۔ معنی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی حسن الخلق، جلد 2، صفحہ 305

2۔ تفسیر ابن عباس، جلد 2، صفحہ 895

3۔ تفسیر طبری، جز 29، صفحہ 31

4۔ ایضاً

ایک ہی ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جنت میں ولد زنا، اس کا بچہ اور اس کے بیٹے کا بچہ داخل نہیں ہوگا“ (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ولد زنا قیامت کے روز بندروں اور خنزیروں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے“۔ حضرت میمونہ نے کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”میری امت بھلائی میں رہے گی جب تک اس میں ولد زنا عام نہیں ہوں گے اور جب ان میں ولد زنا عام ہو جائیں گے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب عام کر دے“۔ عکرمہ نے کہا: جب ولد زنا کی کثرت ہو جاتی ہے تو بارش کم ہو جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں: جہاں تک پہلی اور دوسری حدیث کا تعلق ہے میں ان کی ایسی سند گمان نہیں کرتا جو صحیح ہو جہاں تک حضرت میمونہ کی حدیث کا تعلق ہے اور عکرمہ نے جو کہا ہے وہ صحیح مسلم میں حضرت زینب بنت جحش جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں، سے مروی ہے۔ کہا: ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبراتے ہوئے نکلے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سرخ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے تھے: لا الہ الا اللہ ویل للعرب من شر قد اقترب۔ فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل ھذہ (2) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عربوں کے لیے اس شر کی وجہ سے ہلاکت ہے جو قریب آ چکی ہے۔ آج یاجوج وماجوج کی آڑ اس قدر کھول دی گئی ہے۔ آپ نے اپنے انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی سے حلقہ بنایا۔ حضرت زینب بنت جحش نے کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے جبکہ ہم میں صالح لوگ بھی ہیں۔ فرمایا: ”ہاں، جب بدکاری عام ہو جائے گی“۔ امام بخاری نے اسے نقل کیا ہے۔ کثرۃ خبث سے مراد زنا کا عام ہونا اور زنا کی اولاد کا عام ہونا ہے۔ علماء نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ عکرمہ کا قول تحط المطر اس امر کی وضاحت ہے جس کے ساتھ ہلاکت ہوگی۔ یہ امر توقیفی نہیں تو نقلی (جیسی خبر دی) ہے وہ زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ کس وجہ سے انہوں نے یہ بات کی۔

اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی وہ مکہ میں یتیم لوگوں کو تین دن کھانا کھلاتا تھا اور اعلان کرتا: خبردار! کوئی آدمی ہنڈیا کے نیچے آگ نہ جلائے کوئی آدمی گھروں (کو پکانے کے لئے) ان کے نیچے دھواں نہ ڈالے۔ خبردار! جو حیس (حلوہ) کی خواہش رکھتا ہے وہ ولید بن مغیرہ کے پاس آئے وہ ایک حج کے موقع پر تیس ہزار یا اس سے زیادہ خرچ کیا کرتا تھا اور مسکین کو ایک درہم بھی نہ دیتا تو کہا گیا: مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (فصلت) محمد بن اسحاق نے کہا: یہ آیت اخنس بن شریق کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہ حلیف تھا اور بنو زہرہ کے ساتھ لاحق کیا گیا تھا اسی وجہ سے اسے زنیم کہا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس آیت میں اس کی نو صفات بیان کی گئی ہیں اس کے بارے میں کسی کو پتہ نہ تھا یہاں تک کہ وہ قتل ہوا تو اس کا پتہ چلا۔ اس کی گردن میں گوشت کا ایک لوتھڑا تھا جو لٹک رہا تھا۔ مرہ ہمدانی نے کہا: اس کے والد نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد اس کے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا۔

أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾

”(یہ غرور و سرکشی) اس لئے کہ وہ مالدار اور صاحب اولاد ہے۔ جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو

1۔ کنز العمال، جلد 5، صفحہ 333، حدیث 13095
2۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب یاجوج ماجوج، جلد 2، صفحہ 1056

بستی نہ تھا۔ کلبی نے کہا: ان کے اور صنعاء کے درمیان دو فرسخ کا فاصلہ تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمائش میں ڈالا کہ ان کے باغ کو جلا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ باغ صوران میں تھا اور صوران صنعاء سے دو فرسخ کے مقام پر تھا۔ اس باغ والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے سے تھوڑا عرصہ بعد ہوئے۔ وہ سب بخیل تھے وہ مساکین سے بچنے کے لیے رات کے وقت کھجوروں سے پھل اتارتے تھے۔ انہوں نے فصل کاٹنے کا ارادہ کیا اور کہا: آج تم پر کوئی مسکین داخل نہ ہونے پائے۔ وہ صبح سویرے اس کی طرف گئے تو وہ باغ اپنی جڑ سے اکھیڑا جا چکا تھا تو وہ رات کی طرح ہو چکا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دن کو بھی صریم کہتے ہیں۔ اگر رات مراد لی جائے تو اس جگہ کے سیاہ ہونے کی وجہ سے صریم کیا گیا گویا انہوں نے اس کی جگہ کو سیاہ کیچڑ نما پایا۔ اگر صریم سے مراد دن ہو تو اس کے درختوں اور کھیتیوں کے ختم ہونے اور زمین کے اندر سے صاف ہونے کی وجہ سے اسے صریم کہا گیا۔ طائف سے مراد حضرت جبرئیل امین ہیں انہوں نے اس باغ کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: انہوں نے بیت اللہ شریف کے گرد چکر لگایا وہ پھر اسے وہاں رکھ دیا جہاں آج کل طائف شہر ہے۔ اسی وجہ سے اس شہر کو طائف کہتے ہیں۔ حجاز کے علاقہ میں کوئی ایسا شہر نہیں جہاں درخت، انگور اور پانی ہو۔ بکری نے معجم میں کہا: طائف کو یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ صدف کا ایک آدمی جسے دمون کہا جاتا اس نے ایک دیوار بنائی اور کہا: میں نے تمہارے شہر کے اردگرد ایک حائط بنائی ہے اس وجہ سے اس شہر کا نام طائف پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

کھیتی کاٹنے کا وقت اور اس وقت کیا کرنا چاہیے

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے کہا: جو آدمی اپنی کھیتی کاٹے یا پھل کاٹے تو جو آدمی وہاں حاضر ہو اس کے ساتھ غمگساری کرے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام: 141) کا یہی مقصود ہے۔ یہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے جس طرح سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے۔ بعض نے کہا: کاٹنے والوں نے جسے چھوڑ دیا ہے، مالک پر لازم ہے کہ اسے چھوڑ دے کیونکہ بعض لوگ اس سے اپنی روزی تلاش کرتے ہیں۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ رات کے وقت فصل کاٹنے سے منع کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ اس طریقے سے مساکین کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم ہے وہ منقطع ہو جاتا ہے جس نے یہ تاویل کی اس نے سورۃ ن وَالْقَلَمِ کی اس آیت کی یہ تاویل کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رات کے وقت اس کے کاٹنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ سانپوں اور دوسرے حشرات الارض کا خوف ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ دوسرا حسن ہے۔ ہم نے کہا ہے: پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ سزا انہیں اسی لیے ملی جو انہوں نے مساکین کو محروم رکھنے کا ارادہ کیا تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔ اسباط نے سدی سے روایت کی ہے کہ ایک قوم یمن میں آباد تھی ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا جب اس کے پھل پک جاتے تو مساکین اس کے پاس آ جاتے وہ باغ میں داخل ہونے سے انہیں منع نہ کرتا اس سے کھانے سے منع نہ کرتا اور زاد راہ لینے سے منع نہ کرتا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کے بیٹوں نے ایک دوسرے سے کہا: ہم اپنے اموال مساکین کو کیوں دیں۔ آؤ، ہم رات کے وقت اس میں داخل ہوں اور مساکین کو علم ہونے سے پہلے اسے کاٹ لیں۔ انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا۔ وہ چپکے ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے راز داری

بِالْخَاجِ يَظُنُّونَ أَنَّهُ مِنْ عَذَابِ اَلِيْمٍ ◎ (دانا) صحیح میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: "جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ باہم مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں آگ میں ہوں گے"(1)۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو قاتل ہے تو مقتول کس وجہ سے؟ فرمایا: "وہ اپنے ساتھی کے قتل کا حریص تھا"۔ سورۂ آل عمران آیت 135 میں وَلَمْ يُصِرُّوا عَلٰى مَا فَعَلُوا کے ضمن میں بحث گزر چکی ہے۔

فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۙ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۙ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ◎

"پس چکر لگا گیا اس باغ پر چکر لگانے والا آپ کے رب کی طرف سے دراں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے چنانچہ (لہلہاتا) باغ کٹے ہوئے کھیت کی مانند ہو گیا پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ندا دی صبح سویرے کہ سویرے سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو"۔

فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ◎ وہ ہو گیا تاریک رات کی طرح (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، فراء اور دوسرے علماء نے کہا: یعنی وہ باغ جل گیا اور سیاہ رات کی طرح ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: سیاہ رات کی طرح ہو گیا (3)۔ کہا: خزیمہ کی لغت میں وہ سیاہ راکھ کی طرح ہو گیا۔ ثوری نے کہا: کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گیا۔ صریم، مصروم کے معنی میں ہے اس میں جو کچھ تھا اس کو کاٹ دیا گیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: بھلائی اس سے ختم کر دی گئی۔ صریم، اسم مفعول کا وزن ہے۔ مورج نے کہا: ایسی ریت جو زیادہ ریت سے الگ ہو گئی۔ یہ کہا جاتا ہے: صریمۃ، صرائم ریت کوئی ایسی چیز نہیں اگاتی جس سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہو۔ اخفش نے کہا: وہ صبح کی طرح ہو گیا جو رات سے کٹ چکی ہو۔ مبرد نے کہا: وہ دن کی طرح ہو گیا، یعنی اس میں کوئی چیز باقی نہ رہی۔ شمر نے کہا: صریم سے مراد رات ہے، صریم سے مراد دن ہے یعنی رات دن سے کٹتی ہے اور دن رات سے کٹتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رات کو صریمہ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ اپنی تاریکی کی وجہ سے تصرف سے روک دیتی ہے اسی وجہ سے فعیل، فاعل کے معنی میں ہے۔ قشیری نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ دن کو بھی صریم کہتے ہیں جبکہ وہ انسان کو تصرف سے نہیں روکتا۔

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۙ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۙ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ◎

"سو وہ چل پڑے اور ایک دوسرے کو چپکے چپکے کہتے جاتے کہ (خبردار!) اس باغ میں ہرگز داخل نہ ہو آج تم پر کوئی مسکین، اور تڑکے چلے (یہ سمجھتے ہوئے) کہ وہ اس ارادہ پر قادر ہیں"۔

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ◎ یعنی وہ راز داری سے باتیں کر رہے تھے اپنی کلام کو وہ پست کر رہے تھے اور راز داری سے کام لے رہے تھے تاکہ کسی کو ان کے بارے میں علم نہ ہو؛ یہ عطا اور قتادہ کا قول ہے۔ یہ خَفَتَ يَخْفِتُ سے مشتق ہے جب وہ ساکن ہو جائے اور کسی بات کو ظاہر نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے آپ کو لوگوں سے چھپاتے ہیں تاکہ لوگ انہیں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، اذا تواجہ المسلمان بسیفیہما، جلد 2، صفحہ 389 　 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 68 　 3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 67

دن ہوگا تو ہر قوم کے لئے اس چیز کا مثالی جسم بنایا جائے گا جس کی وہ دنیا میں عبادت کرتے تھے ہر قوم جس کے پیچھے چلی جائے گی جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اہل توحید وہیں رہ جائیں گے ان سے کہا جائے گا: تم کس کا انتظار کر رہے ہو جبکہ لوگ جا چکے ہیں؟ وہ کہیں گے: ہمارا ایک رب تھا جس کی دنیا میں ہم عبادت کرتے تھے ہم نے اسے دیکھا نہیں تھا فرمایا: جب تم اسے دیکھو گے تو اسے پہچان لو گے؟ وہ عرض کریں گے: ہاں۔ انہیں کہا جائے گا: تم کیسے اسے پہچان لو گے جبکہ تم نے اسے دیکھا ہی نہیں؟ وہ عرض کریں گے: اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ ان کے سامنے سے حجاب ہٹا دیا جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ تو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ کچھ لوگ رہ جائیں گے ان کی پشتیں گائے کے سینگوں کی طرح ہوں گی وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے وہ سجدہ کا ارادہ کریں گے تو اس کی طاقت نہ رکھیں گے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿﴾ کا یہی معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میرے بندو! اپنے سروں کو اٹھاؤ میں نے تمہارے ہر آدمی کے بدلے یہود و نصاریٰ میں ایک آدمی جہنم کے لئے بنا دیا ہے"۔

ابو بردہ نے کہا: میں نے یہ حدیث حضرت عمر بن عبد العزیز کو بیان فرمائی حضرت عمر نے فرمایا: اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! کیا تیرے باپ نے تجھے یہ حدیث بیان کی ہے؟ ابو بردہ نے تین دفعہ قسم اٹھائی۔ حضرت عمر نے فرمایا: میں نے اہل توحید کے بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی جو مجھے اس حدیث سے زیادہ محبوب ہو۔

قیس بن سکن نے کہا: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس یہ بیان کیا: جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ چالیس سال تک رب العالمین کے لئے کھڑے رہیں گے۔ ان کی آنکھیں کھلی ہوں گی جو آسمان کی طرف اٹھی ہوں گی وہ ننگے پاؤں ہوں گے، ننگے بدن ہوں گے، پسینہ ان کے منہ تک پہنچ رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان سے نہ کلام کرے گا اور نہ نظر رحمت فرمائے گا پھر ایک منادی کرنے والا منادی کرے گا: اے لوگو! کیا تمہارے اس رب کی جانب سے یہ عدل نہیں ہو گا جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہاری تصویر بنائی، تمہیں موت عطا کی، تمہیں زندہ کیا پھر تم نے کسی اور چیز کی عبادت کی کہ ہر قوم کو اسی طرف جانے دے جس طرف وہ خود پھرے ہیں؟ لوگ عرض کریں گے: ہاں۔ فرمایا: ہر قوم کے لئے اسے بلند کیا جائے گا جس کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا کیا کرتے تھے وہ اس کی اتباع کریں گے یہاں تک کہ انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ مسلمان اور منافق وہاں ہی کھڑے رہیں گے۔ انہیں کہا جائے گا: کیا تم نہیں جاؤ گے جبکہ لوگ تو جا چکے ہیں؟ وہ کہیں گے: یہاں تک کہ ہمارا رب آئے۔ انہیں کہا جائے گا: کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: اگر اس نے ہمیں پہچان کرائی تو ہم پہچان لیں گے۔ اس موقع پر ساق (عظیم نور) سے پردہ ہٹایا جائے گا تو جو بھی اخلاص کے ساتھ عبادت کیا کرتا تھا تو وہ سجدہ ریز ہو جائے گا منافق اسی طرح رہیں گے وہ اس کی طاقت نہ رکھیں گے گویا ان کی پشتوں میں ایسی سلاخیں ہیں جن پر گوشت جوڑا جاتا ہے۔ انہیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا اور سجدہ کرنے والے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿﴾ سے یہی مراد ہے۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ ان کی آنکھیں ذلیل اور بوجھل ہوں گی۔ اسے حال ہونے کی وجہ سے نصب دی گئی ہے۔ تَرْهَقُهُمْ

زیادہ کیا جاتا ہے؟ کتنے ہی افراد ہیں جن کے عیبوں پر پردہ ڈالا جاتا ہے تو وہ دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں؟ ابو روق نے کہا: جب بھی وہ غلطی کرتے ہیں ہم ان پر ایک نئی نعمت کرتے ہیں اور استغفار ان سے بھلا دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم ان کے ساتھ مکر کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم ان کو تھوڑا تھوڑا پکڑ کریں گے اور اچانک ان کو اپنی گرفت میں نہیں لیں گے۔ ایک حدیث میں ہے: "بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے عرض کی: اے میرے رب! میں نے تیری کتنی ہی نافرمانیاں کیں تو نے مجھے سزا نہ دی؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانہ کے نبی کی طرف وحی کی اس آدمی سے کہو: میری کتنی ہی تیرے لئے سزائیں ہیں جن کا تو شعور تک نہیں رکھتا، بے شک تیری آنکھوں کا (خوف الٰہی میں رونے سے) خشک ہو جانا اور تیرے دل کی سختی میری جانب سے استدراج ہے اور سزا ہے اگر تو سمجھے"۔ استدراج کا معنی جلدی کو ترک کرنا ہے۔ اس کا اصل معنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے جس طرح تدریج ہوتی ہے۔ اسی سے درجة ہے یہ ایک منزل کے بعد دوسری منزل ہے۔ استدرج فلان فلانا فلاں نے فلاں سے تھوڑا تھوڑا نکالا۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: درجہ الی کذا، استدرجہ دونوں کا معنی ایک ہے۔ اس نے تدریجاً اسے قریب کیا تو وہ قریب ہو گیا۔

وَ اُمْلِیْ لَهُمْ میں انہیں مہلت دوں گا اور مدت کو ان کے لئے لمبا کر دوں گا۔ ملاوۃ زمانے کی ایک مدت کو کہتے ہیں۔ املی اللہ اس کو لمبا کر دیا۔ ملوان سے مراد رات اور دن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ اُمْلِیْ لَهُمْ میں جلدی انہیں موت نہیں دوں گا۔ معنی ایک ہی ہے۔ سورۃ الاعراف میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ۝ میرا عذاب قوی اور شدید ہے کوئی مجھ پر غالب نہیں آ سکتا۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ۝

"کیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں پس وہ اس تاوان (کے بوجھ) سے دبے جاتے ہیں"۔

کلام اسی طرف راجع ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ کیا تم ان سے ثواب کے طالب ہو اس بات پر جو آپ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہو، وہ اس چٹی میں پڑے ہوئے ہیں وہ اس بوجھ کے نیچے دبے چلے جا رہے ہیں جو انہیں مال خرچ کرنا پڑتا ہے یعنی ان پر کوئی مشقت نہیں بلکہ وہ آپ کی متابعت کے ذریعے زمین کے خزانوں کے مالک بن جائیں گے اور جنات نعیم تک پہنچ جائیں گے۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ۝

"کیا ان کے پاس غیب کی خبر آتی ہے اور وہ اس کو لکھ لیتے ہیں"۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ جو چیز ان سے غائب ہے اس کا علم ان کے پاس ہے فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو وہ کہتے ہیں کیا اس کے باعث ان پر جزا دی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں غیب سے مراد لوح محفوظ ہے کہ وہ لوح محفوظ سے لکھتے ہیں جس کے بارے وہ آپ سے مخاصمت کرتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ وہ آپ سے افضل ہیں اور انہیں سزا نہ دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یَكْتُبُوْنَ کا معنی ہے وہ اپنے بارے میں وہ فیصلہ کرتے ہیں جس کا وہ

نظروں سے آپ ﷺ کو ہلاک کر دیں (1) یہ جملہ بولا جاتا ہے: زلق السہم و زهق جب تیر آر پار ہو جائے؛ یہ مجاہد کا قول ہے: وہ اپنی نظر کی شدت سے آپ ﷺ کو ہلاک کر دیں (2)۔ کلبی نے کہا: وہ آپ ﷺ کو پچھاڑ دیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے نیز سدی اور سعید بن جبیر نے کہا: آپ ﷺ جو تبلیغ کا فریضہ سر انجام دے رہے ہیں اس سے آپ ﷺ کو پھیر دیں۔ عوفی نے کہا: وہ آپ ﷺ کو تیر ماریں۔ مورج نے کہا: وہ آپ ﷺ کو پھسلا دیں۔ نضر بن شمیل اور اخفش نے کہا: وہ آپ ﷺ کو فتنہ میں ڈال دیں۔

عبد العزیز بن یحییٰ نے کہا: وہ آپ ﷺ کو ترچھی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: تا کہ وہ آپ ﷺ کو مس کریں۔ امام جعفر صادق نے کہا: تا کہ وہ آپ کو کھا جائیں۔ حضرت حسن بصری اور ابن کیسان نے کہا: تا کہ وہ آپ کو قتل کر دیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے: صرعنی بطرفه، وقتلني بعينه اس نے مجھے اپنی نظر سے پچھاڑ دیا اور اس نے مجھے اپنی نظر سے قتل کر دیا۔

شاعر نے کہا:

يتقارضون إذا التقوا في مجلس نظرا يزل مواطئ الأقدام (3)

جب وہ کسی مجلس میں ملتے ہیں وہ گھور گھور کر ایسی نظر سے دیکھتے ہیں جو قدموں کو اپنی جگہ سے ہلا کر رکھ دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ تیری طرف عداوت سے دیکھتے ہیں یہاں تک کہ قریب ہے وہ آپ ﷺ کو گرا دیں۔ یہ سب اسی طرف راجع ہے جو ہم نے ذکر کیا۔ جامع معنی یہ ہے وہ تجھے نظر لگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِينَ ۝

حالانکہ وہ نہیں مگر سارے جہانوں کے لیے وجہ عزو شرف یعنی قرآن نہیں ہے مگر جہانوں کے لیے نصیحت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد ﷺ نہیں ہیں مگر جہانوں کے لیے نصیحت جس سے وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی شرف ہے یعنی قرآن شرف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ (الزخرف: 44) نبی کریم ﷺ بھی جہانوں کے لیے نصیحت ہیں (4)۔ جہان کے لوگ آپ کی اتباع کر کے اور آپ پر ایمان لا کر شرف والے ہو گئے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 439
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 74
3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 354
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 74

وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الۡحَآقَّةُ ۝ یہ بھی جملہ استفہامیہ ہے یعنی کس چیز نے تجھے بتایا کہ وہ دن کیا چیز ہے؟ نبی کریم ﷺ قیامت کے بارے میں آگاہ تھے مگر صفت کے اعتبار سے، اس کی تعظیم شان کے لیے کہا گیا۔ وما ادراك ما هي گویا جب آپ ﷺ نے اس کا معاینہ کیا تو تو اس کو جانتا ہی نہیں۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں بھی وَمَآ اَدۡرٰىكَ ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے آگاہ کر دیا اور علم عطا فرما دیا اور جہاں بھی وما يدريك ہے اس کے بارے میں علم عطا نہیں فرمایا (1)۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: ہر وہ چیز جس کے بارے میں فرمایا: وَمَآ اَدۡرٰىكَ اس کے بارے میں خبر دی اور ہر وہ چیز جس کے بارے میں فرمایا: وما يدريك اس کے بارے میں خبر نہیں دی گئی۔

كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ وَعَادٌۢ بِالۡقَارِعَةِ ۝

"جھٹلایا ثمود اور عاد نے ٹکرا کر پاش پاش کرنے والی کو"۔

جنہوں نے قیامت کو جھٹلایا اس کا ذکر فرمایا۔ قارعہ سے مراد قیامت ہے (2)۔ اسے یہ نام اس لیے دیا کیونکہ یہ لوگوں کو اپنی ہولناکیوں سے کھٹکھٹاتی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اصابتهم قوارع الدهر انہیں حوادثات زمانہ پہنچے۔ نعوذ بالله من قوارع فلان ولواذعه وقوارص لسانه ہم فلاں کی طرف سے دی جانے والی مصیبتوں، آفتوں اور بدکلامیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ قوارص یہ قارصة کی جمع ہے جس کا معنی تکلیف دہ کلام ہے۔ قوارع القرآن، اس سے مراد وہ آیات ہیں جو انسان، جنوں یا انسانوں سے خوفزدہ ہو کر پڑھتا ہے جس طرح آیت الکرسی، گویا یہ شیطان کو کھٹکھٹاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے قارعہ یہ قرعہ سے ماخوذ ہے (3) یعنی وہ بعض لوگوں کو بلند اور بعض کو پست کر دیتی ہے؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قارعہ سے مراد ایسا عذاب ہے جو دنیا میں ان پر نازل ہوا، ان کا نبی انہیں اس بارے میں خبردار کرتا تھا تو وہ اس نبی کی تکذیب کرتے تھے۔ قوم ثمود جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی (4)، ان کی بستیاں شام اور حجاز کے درمیان حجر کے مقام پر تھیں۔ محمد بن اسحاق نے کہا: یہ وادی قری ہے۔ یہ عرب تھے، جہاں تک عاد کا تعلق ہے وہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی۔ ان کی بستیاں احقاف کے علاقہ میں تھیں۔ احقاف سے مراد عمان سے لے کر حضر موت تک کا ریتلا علاقہ ہے اور پورا یمن مراد ہے۔ یہ عربی تھے، بڑے مضبوط جسم والے تھے؛ محمد بن اسحاق نے اس کا ذکر کیا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

فَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَاُهۡلِكُوۡا بِالطَّاغِيَةِ ۝

"پس ثمود تو انہیں ہلاک کر دیا گیا سخت چنگھاڑ سے"۔

اس میں اضمار ہے، تقدیر کلام یہ ہے بالفعلة الطاغية۔ قتادہ نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے بالصيحة الطاغية جو حد سے تجاوز کرنے والی تھی یعنی دنیا کی سب چیخوں کی حد سے تجاوز کرنے والی تھی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوۡا كَهَشِيۡمِ الۡمُحۡتَظِرِ ۝ (القمر) طغیان سے مراد حد سے تجاوز کرنا ہے؛ اس سے یہ ہے اِنَّا لَمَّا طَغَا الۡمَآءُ (الحاقہ: 11) یعنی اس نے حد سے تجاوز کیا۔ کلبی نے کہا: الطاغية سے مراد صاعقہ ہے (5)۔ مجاہد نے کہا: گناہوں

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 76 | 2۔ زاد المسیر، جلد 5، صفحہ 106 | 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 75 | 4۔ ایضاً | 5۔ ایضاً

نفرق　　بینھم　　زمان　　تتابع　فیه　شوائم　حسوم (1)

مبرد نے کہا: یہ تیرے قول حسمت الشیء سے ماخوذ ہے جب تو اسے کاٹے اور دوسرے حصے سے جدا کرے۔ اور ایک قول یہ ہے: حسم سے مراد استئصال ہے۔ تلوار کو حسام کہا جاتا ہے کیونکہ یہ دشمن کو دشمنی کی شدت کی وجہ سے وہاں سے کاٹ دیتی ہے جہاں سے دشمن چاہے۔ شاعر نے کہا:

حسام اذا قمت معتضدا به　　کفی العود منه البدء لیس بمعضد

وہ ایسی تلوار ہے جو میں اسے بغل میں لے کر کھڑا ہوتا ہوں تو اس کا پہلا وار دوسرے وار کو کافی ہو جاتا ہے یہ دوا نہیں۔

اس کا معنی ہے ہوا نے انہیں کاٹ کر رکھ دیا اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ یہ جڑ سے اکھاڑ دینے والے عذاب کے ساتھ قطع کرنے والی ہے۔ ابن زید نے کہا: ہوا نے انہیں ہلاک کر دیا ان میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا (1)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: ہوا راتوں اور دنوں میں پے در پے آئی یہاں تک کہ انہیں ہر طرف سے گھیر لیا (2) کیونکہ پہلے دن یہ ہوا سورج کے طلوع ہونے کے وقت شروع ہوئی اور آخری دن سورج کے غروب ہونے کے وقت ختم ہوئی۔ ایک نے کہا: حسوم سے مراد نحوست ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: یہ نحوست کی راتیں ہیں۔ یعنی بھلائی کو ان کے اہل سے ختم کرنے والیاں ہیں؛ صحاح میں یہ قول کیا ہے۔ عکرمہ اور ربیع بن انس نے کہا: مراد نحوست والے (3)؛ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فِیۡۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ (فصلت: 16)۔ عطیہ عوفی نے کہا: حُسُوْمًا سے مراد ہے جنہوں نے بھلائی کو ان کے اہل سے ختم کر دیا (4)۔ اس کے پہلے دن کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اتوار کی صبح؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جمعہ کے دن کی صبح؛ یہ ربیع بن انس کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بدھ کی صبح؛ یہی یحییٰ بن سلام اور وہب بن منبہ نے کہا۔ وہب نے کہا: یہ وہ دن ہیں جنہیں عرب ایام عجوز کہتے ہیں وہ ٹھنڈے اور شدید ہوا والے تھے۔ اس کا پہلا دن بدھ تھا اور آخری دن بھی بدھ تھا۔ انہیں ایک بوڑھی کی طرف منسوب کیا گیا کیونکہ قوم عاد کی ایک بوڑھی ورندے کی ایک بل میں داخل ہوئی، ہوا نے اس کا پیچھا کیا اور آٹھویں دن اس کو قتل کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں ایام عجوز اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ موسم سرما کے آخر میں واقع ہوئے۔ رومیوں کے زبان میں یہ آذار (مارچ) کے مہینہ میں ہوا ہے۔

حُسُوْمًا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: تحسمهم حسوما انہیں فنا کر دے گی۔ یہ مفعول مطلق ہے تاکید کے لیے ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول لہ ہو یعنی ان کی جڑ ختم کرنے کے لیے ہوا کو اتنی مدت ان پر مسلط کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حاسم کی جمع ہو۔ سدی نے حَسُوْمًا پڑھا ہے یہ دو جملے حال ہے یعنی ہوا کو ان پر مسلط کیا اس حال میں کہ وہ ان کی جڑ ختم کرنے والی تھی۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 78　　2۔ ایضاً

3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 77　　4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 442

نوٹ: یہاں اپنے استاد نے جو لفظ ڈالا اس بس میں واضح اسے ملاحظہ کیا جائے۔

فرمایا: حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ ۙ یعنی ہم نے تمہارے آباء کو کشتی میں اٹھا لیا جبکہ تم ان کی پشتوں میں تھے۔ اس کشتی میں جن کو اٹھایا گیا تھا وہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد تھی۔ روئے زمین پر جو بھی انسان ہیں انہیں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً ھا ضمیر سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے(1)۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس امت کے لیے نصیحت بنا دیا یہاں تک کہ اس کے اوائل نے اس کشتی کو پا لیا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ابن جریج نے کہا: اس کے تختے جودی پہاڑ پر تھے(2)۔ معنی یہ ہے میں نے تمہارے لیے ان لکڑیوں کو باقی رکھا تاکہ تم اس کو یاد کرو جو قوم نوح پر واقع ہوا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے آباء کو جو نجات دی اسے یاد کرو۔ کتنی کشتیاں ہیں جو ہلاک ہوئیں اور مٹی ہو گئیں اور ان میں سے کوئی چیز باقی نہ رہی۔ یہ قول بھی کیا گیا ہے: تاکہ ہم اس فعل "یعنی قوم نوح کو غرق کرنا اور جو ایمان لایا تھا اسے نجات دینا" کو تمہارے لیے نصیحت بنا دیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَّ تَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ ۝ یعنی اسے یاد رکھیں اور اسے کان سنیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کچھ آتا ہے اسے یاد رکھیں۔ سفینہ کی صفت اس کے ساتھ نہیں لگائی جا سکتی۔ زجاج نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے وعیت کذا اعیہ وعیا اسے میں نے اپنے دل میں یاد کیا۔ وعیت العلم، وعیت ما قلت سب کا ایک ہی معنی ہے۔ اوعیت المتاع فی الوعاء میں نے برتن میں سامان کو محفوظ کیا۔ زجاج نے کہا: ہر وہ چیز جس کو تو اپنی ذات کے علاوہ کسی اور چیز میں محفوظ رکھے اس کے لیے اوعیتہ کا لفظ بولا جاتا ہے جسے تو اپنی ذات میں محفوظ رکھے اس کے لیے وعیتہ کا لفظ بولا جاتا ہے(3)۔ طلحہ، حمید اور اعرج نے وتعیہا عین کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اسے ارنا کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ عاصم اور ابن کثیر سے اس بارے میں اختلاف مروی ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَّ تَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ ۝ - اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ (ق: 37) قتادہ نے کہا: اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ سے مراد ایسے کان ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ سے سمجھ بوجھ نصیب ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب سے جو کچھ سنا اس سے فائدہ اٹھایا(4)۔ مکحول نے کہا: حضرت علی شیر خدا ؓ کہا کرتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ سے کبھی بھی کوئی چیز نہیں سنی جسے میں بھول گیا ہوں بلکہ میں نے اسے یاد رکھا؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔ حضرت حسن بصری سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ کہا: جب وَّ تَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اے علی! میں نے اپنے رب سے سوال کیا ہے کہ اسے تیرے کان بنا دے"(5)۔ حضرت علی شیر خدا نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کوئی چیز نہیں بھولا اور میرے لیے نہ یہ جائز ہے کہ میں کسی چیز کو بھولوں۔ ابو بردہ اسلمی نے کہا: نبی کریم ﷺ نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: "اے علی! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے قریب کروں اور تجھے دور نہ کروں، میں تجھے تعلیم دوں اور تو اسے یاد رکھے"(6)۔ در منثور میں الفاظ اس طرح ہیں "مجھ پر لازم ہے تو اسے یاد رکھے اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ تجھے یاد رکھے"۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 80 | 2۔ ایضاً | 3۔ ایضاً | 4۔ ایضاً

5۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 189 | 6۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 67

یہ لفظ کنویں اور قبر کے کنارے کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔

وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝ حضرت ابن عباس بنیدمہ نے کہا: فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی (1) جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ آٹھ فرشتے ہیں (2)۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ آٹھ ہیں یا آٹھ ہزار ہیں (3)۔ نبی کریم سانی آیا ہے سے مروی ہے: "آج عرش کو اٹھانے والے چار ہیں جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ چار اور سے ان کی مدد کرے گا وہ آٹھ ہو جائیں گے"۔ ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے اسے حضرت ابو ہریرہ بنی ہند سے نقل کیا ہے، رسول اللہ سانی آیا ہے نے ارشاد فرمایا: یحمله الیوم أربعة و هم یوم القیامة ثمانیة آج چار اسے اٹھائے ہوئے ہیں قیامت کے روز وہ آٹھ ہوں گے۔ عباس بن عبد المطلب نے کہا: وہ پہاڑی بکروں کی شکل میں آٹھ فرشتے ہیں، اسے نبی کریم سانی آیا ہے سے روایت کیا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: "ان فرشتوں میں سے ہر ایک کے چار منہ ہیں انسان کا چہرہ، شیر کا چہرہ، بیل کا چہرہ اور گدھ کا چہرہ، ہر چہرہ اپنی جنس کے لئے رزق طلب کرتا ہے" (4) جب امیہ بن ابی صلت کے اشعار نبی کریم سانی آیا ہے کے سامنے پڑھے گئے تو نبی کریم سانی آیا ہے نے فرمایا: "اس نے سچ کہا"۔

رَجُلٌ وَ ثَوْرٌ تَحْتَ رِجْلِ يَمِينِهِ وَ النَّسْرُ لِلْأُخْرٰى وَ لَيْثٌ مُرْصَدُ

وَ الشَّمْسُ تَطْلُعُ كُلَّ آخِرِ لَيْلَةٍ حَمْرَاءَ يُصْبِحُ لَوْنُهَا يَتَوَرَّدُ

لَيْسَتْ بِطَالِعَةٍ لَهُمْ فِي رِسْلِهَا إِلَّا مُعَذَّبَةً وَ إِلَّا تُجْلَدُ

حدیث طیبہ میں ہے: "ساتویں آسمان کے اوپر آٹھ پہاڑی بکرے ہیں ان کے کھروں اور گھٹنوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے ان کی پشتوں پر عرش ہے" (5)۔ قشیری نے یہ ذکر کیا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عباس بن عبد المطلب کی حدیث تخریج کی ہے: سورۂ بقرہ میں وہ مکمل گزر چکی ہے۔ ثعلبی نے اسی کی مثل اور اس کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ حدیث مرفوع میں ہے: "عرش کو اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں جو پہاڑی بکروں کی شکل پر ہیں ان کے کھروں اور گھٹنوں کے درمیان تیز رفتار پرندے کے لئے ستر سال کی مسافت ہے"۔ کلبی کی تفسیر میں یہ الفاظ ہیں: ثمانیة اجزاء من تسعة اجزاء من الملائکة ان سے یہ بھی مروی ہے ثمانیة اجزاء من عشرة اجزاء من الملائکة پھر ملائکہ کی تعداد کا ذکر کیا جس کا ذکر طویل ہے۔ پہلا قول ثعلبی نے ان سے نقل کیا اور دوسرا قول قشیری نے نقل کیا ہے۔ ماوردی نے حضرت ابن عباس بنیدمہ سے روایت نقل کی ہے: ثمانیة اجزاء من تسعة یعنی مقرب فرشتے ہیں (6)۔ عرش کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اسی طرح ہے جس طرح بیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، بیت اس کی سکونت کے لئے نہیں اسی طرح عرش بھی۔ فَوْقَهُمْ کا معنی ہے ان کے سروں کے اوپر۔ سدی نے کہا: عرش کو حاملین عرش اپنے اوپر اٹھائے

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 443
2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 190
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 82
4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 443
5۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ حاقہ، جلد 2، صفحہ 167
6۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 82

ہوئے ہوں گے جبکہ عرش کو اٹھانے والے اوپر ہوں گے۔ یہ الماوردی نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَوْقَهُمْ سے مراد ہے عرش کو اٹھانے والے فرشتے ان فرشتوں کے اوپر ہوں گے (1) جو آسمان میں اس کی اطراف میں ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَوْقَهُمْ سے مراد فوق اهل القيامة ہے۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ۝

"اس دن جب تم پیش کیے جاؤ گے تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا"۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ جس روز تمہیں اللہ تعالیٰ پر پیش کیا جائے گا۔ اس کی مثل یہ آیت ہے: **وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا** (الکہف: 48) یہ وہ پیشی نہیں جس کے ذریعے اس چیز کو جانا جائے جس سے پہلے آگاہ نہ ہو بلکہ اس کا معنی حساب ہے اور جزا کے لئے ان پر اعمال واضح کرنا ہے۔ حضرت حسن بصری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے روز لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی جہاں تک دو پیشیوں کا تعلق ہے وہ جھگڑا اور معذرت ہے جہاں تک تیسری پیشی کا تعلق ہے اس موقع پر صحیفے ہاتھوں میں اڑ رہے ہوں گے کوئی اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑے گا اور کوئی اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑے گا" (2)۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔ یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ حضرت حسن بصری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل نہیں کی۔

وَلَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ۝ وہ تمہارے اعمال میں سے ہر عمل کو جانتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو۔ **خَافِيَةٌ** خفیہ کے معنی میں ہے وہ اپنے اعمال چھپایا کرتے تھے؛ یہ ابن شجرہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کوئی انسان اس پر مخفی نہیں رہے گا یعنی کوئی انسان باقی نہیں رہے گا جس کا حساب نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا: مومن کافر سے اور نیک فاجر سے مخفی نہیں رہے گا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہاری شرمگاہیں پردہ میں نہ ہوں گی، جس طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لوگ ننگے پاؤں اور ننگے بدن اٹھائے جائیں گے" (4)۔ عاصم کے علاوہ کوفیوں نے لا یخفیٰ پڑھا ہے کیونکہ خافیۃ کی تانیث غیر حقیقی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ** (ہود: 67) ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ فعل اور اسم مؤنث کے درمیان جار اور مجرور حائل ہے۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے اسے خافیۃ کی تانیث کی وجہ سے اختیار کیا ہے۔

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ۝ إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ۝ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 82
2۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، ما جاء فی العرض، جلد 2، صفحہ 65
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 82
4۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، [illegible] جلد 2، صفحہ 384

بیمار نہیں ہوں گے وہ نعمتوں میں ہوں گے کبھی تکلیف نہ دیکھیں گے وہ جوان رہیں گے کبھی بھی بوڑھے نہ ہوں گے"(1)۔

فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ایسی جنت جو فضاؤں میں عظیم شان والی ہے۔ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ۝ اس کے گچھے قریب ہوں گے آسانی سے انہیں حاصل کیا جا سکے گا کھڑا ہوا، بیٹھا ہوا اور لیٹا ہوا اسے توڑ لے گا۔ اس کی وضاحت سورۃ الدہر میں آئے گی۔ قطوف یہ قطف کی جمع ہے اس سے مراد وہ پھل ہیں جنہیں توڑا جاتا ہے۔ قطف یہ مصدر ہے قطاف یہ توڑنے کا وقت ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا انہیں یہ کہا جائے گا: کھاؤ اور پیو۔ هَنِيْٓــًٔا مبارک ہو اس میں کوئی تکدر اور بدمزگی نہ ہوگی۔ بِمَآ اَسْلَفْتُمْ کے بعد كُلُوْا فرمایا کیونکہ پہلے فرمایا: فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ، من اپنے ضمن میں جمع کا معنی لئے ہوئے ہے۔ ضحاک نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد مخزومی کے حق میں نازل ہوئی، یہ مقاتل کا قول ہے۔ وہ آیت جو اس کے بعد آرہی ہے وہ اس کے بھائی اسود بن عبد الاسد کے حق میں نازل ہوئی، یہ حضرت ابن عباس اور ضحاک کا قول ہے۔ ثعلبی نے کہا ہے: یہ اور اس کا بھائی ان آیات کے نزول کا سبب ہوگا معنی تمام اہل شقاوت اور اہل سعادت کو عام ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان كُلُوْا وَاشْرَبُوْا دلالت کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہر وہ آدمی ہے خیر اور شر میں جس کی پیروی کی جاتی ہے۔ جب کوئی آدمی بھلائی میں سردار ہو، اس کی طرف دعوت دیتا ہو، اس کا حکم دیتا ہو اور اس کے پیروکار زیادہ ہو جائیں اسے اس کے نام اور اس کے باپ کے نام سے بلایا جاتا ہے تو وہ آگے بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ قریب ہوتا ہے اس کے لئے سفید کتاب سفید خط سے لکھی ہوئی نکالی جاتی ہے اس کے اندر برائیاں ہوتی ہیں اور اس کے ظاہر میں نیکیاں ہوتی ہیں وہ برائیوں سے شروع کرتا ہے وہ انہیں پڑھتا ہے وہ ڈرتا ہے اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اور اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے؛ جب کتاب کے آخر میں پہنچتا ہے اس میں پاتا ہے: "یہ تیری برائیاں ہیں میں نے تجھے بخش دیا ہے" وہ اس پر بہت خوش ہوتا ہے پھر وہ کتاب کو الٹاتا ہے تو اپنی نیکیوں کو پڑھتا ہے تو اس کی خوشی کے علاوہ کسی چیز میں اضافہ نہیں ہوتا یہاں تک کہ جب کتاب کے آخر میں پہنچتا ہے تو اس میں پاتا ہے: "یہ تیری نیکیاں ہیں تیرے لئے ان میں کئی گنا اضافہ کر دیا گیا ہے" اس کا چہرہ روشن ہو جاتا ہے۔ ایک تاج لایا جاتا ہے جو اس کے سر پر رکھا جاتا ہے، اسے دو حلے پہنائے جاتے ہیں ہر جوڑ میں زیورات ڈالے جاتے ہیں، اس کا قد ساٹھ ذراع ہو جاتا ہے، یہ حضرت آدم علیہ السلام کا قد تھا۔ اسے کہا جاتا ہے: اپنے ساتھیوں کی طرف جاؤ انہیں خبر دو اور بشارت دو کہ ان میں سے ہر انسان کے لئے اس کی مثل ہے۔ جب وہ پیٹھ پھیرتا ہے تو کہتا ہے: هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ۝ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ۝۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ یہاں راضیۃ، مرضیۃ کے معنی میں ہے جس پر وہ راضی ہوگا۔ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ یعنی بلند آسمان میں ہے قُطُوْفُهَا اس کے پھل اور انگور دَانِیَةٌ ان کے قریب ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہے گا: کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: کرامت نے تجھے ڈھانپ رکھا ہے تو کون ہے؟ وہ کہے گا: میں فلاں بن فلاں ہوں تم میں سے ہر ایک کے لئے اس کی مثل کی بشارت ہے۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ تم نے دنیا کے ایام میں جو آگے بھیجا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 63

الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

”اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں۔ اور یہ باعث حسرت ہوگی کفار کے لئے اور بیشک یہ یقیناً حق ہے۔ پس (اے حبیب!) آپ تسبیح کیا کریں اپنے رب کی جو عظمت والا ہے“۔

وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ ربیع نے کہا: قرآن کو جھٹلانے والے ہیں (1)۔ وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ ضمیر سے مراد تکذیب ہے، حسرت سے مراد ندامت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے روز قرآن کافروں کے لئے حسرت ہوگا جب وہ مومنوں کا ثواب دیکھیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دنیا میں ان کے لئے حسرت ہوگی جب وہ معارضہ پر قادر نہ ہو سکے جب انہیں چیلنج کیا گیا کہ وہ قرآن کی مثل کوئی سورت لے آئیں۔

وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہے وہ حق یقین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر یقینی اور حق ہے کہ یہ قیامت کے روز ان کے لئے حسرت ہوگی۔ اس تعبیر کی بنا پر حسرۃ تحسر کے معنی میں ہوگا۔ یہ مصدر ہے جو تحسر کے معنی میں ہے اس کے لئے ضمیر کا مذکر ذکر کرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بیشک یہ تیرے اس قول کی طرح ہے لعین الیقین، محض الیقین۔ اگر یقین صفت ہو تو اس کی طرف مضاف کرنا جائز نہ ہو جس طرح تو کہتا ہے: ھذا رجل الظریف۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے (2): لفظوں کے اختلاف کی وجہ سے اپنی ذات کی طرف مضاف کیا۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾ اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی سوء اور نقائص سے پاکی بیان کرو۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 87 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 447

وجہ یہ تھی کہ جب اسے نبی کریم ﷺ کا حضرت علی شیر خدا کے بارے میں یہ فرمان پہنچا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ (1) وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہوا اور آیا یہاں تک کہ اس نے اپنی سواری ابطح میں بٹھائی پھر کہا: اے محمد ﷺ! آپ نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں حکم دیا کہ ہم لا الہ الا اللہ کی اور انک رسول اللہ کی گواہی دیں تو ہم نے وہ بات آپ ﷺ سے قبول کی، ہم پانچ نمازیں پڑھیں تو ہم نے آپ ﷺ سے وہ بات قبول کی، ہم اپنے اموال کی زکوٰۃ دیں تو ہم نے وہ بات آپ ﷺ سے قبول کی، ہر سال ہم رمضان شریف کے روزے رکھیں تو ہم نے وہ بات آپ ﷺ سے قبول کی، ہم حج کریں تو ہم نے وہ بات آپ ﷺ سے قبول کی پھر آپ ﷺ اس بات پر بھی راضی نہ ہوئے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنے چچا زاد کو ہم پر فضیلت دی۔ کیا یہ ایسی بات ہے جو آپ ﷺ نے اپنی جانب سے کی ہے یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے" حارث مڑا وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ! اگر وہ حق ہے جو محمد ﷺ کہتے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔ اللہ کی قسم! وہ اپنی اونٹنی تک نہیں پہنچا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک پتھر مارا جو اس کے دماغ پر لگا تو وہ اس کی دبر سے نکل گیا تو اسے قتل کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ۝ (☆) ایک قول یہ کیا گیا ہے: قریش کے کفار کی جماعت کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام ہیں جنہوں نے کافروں کے خلاف عذاب کا سوال کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں آپ ﷺ نے عذاب کا مطالبہ کیا اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اسے کفار پر واقع کرے وہ لامحالہ ان پر واقع ہوگا۔ کلام اس ارشاد تک فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا۝ تک ممتد ہے۔ یعنی جلدی نہ کیجئے عذاب بالکل قریب ہے جب باء، عن کے معنی میں ہو؛ یہ قتادہ کا قول ہے تو سائل یہ سوال کرتا ہے کہ عذاب کس کو واقع ہوگا یا کب واقع ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا۝ (الفرقان) اس آیت میں بھی باء، عن کے معنی میں ہے۔ علقمہ نے کہا:

فان تسألونی بالنساء فاننی   بصیر بادواء النساء طبیب (2)

اگر تم مجھ سے عورتوں کے بارے میں پوچھو تو عورتوں کی بیماریوں کو جاننے والا طبیب ہوں۔

یہاں بھی بالنساء، عن النساء کے معنی میں ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: خرجنا نسأل عن فلان وبفلان یعنی باء اور عن دونوں صلے استعمال ہوتے ہیں۔ معنی ہوگا انہوں نے سوال کیا کس پر عذاب واقع ہوگا اور کس کے لئے واقع ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِّلْكٰفِرِیْنَ کافروں پر یا کافروں کے لئے۔ ابو علی اور دوسرے علماء نے کہا: جب یہ سوال سے مشتق ہو تو اس کی اصل یہ ہے کہ یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوگا، ایک مفعول پر اقتصار کرنا جائز ہے۔ جب ان دونوں میں سے ایک مفعول پر اقتصار ہو تو جائز ہوگا کہ حرف جار کے ساتھ اس کی طرف متعدی ہو تو تقدیر کلام یہ ہوگی: سائل نے نبی کریم ﷺ یا

1۔ جامع ترمذی، کتاب المناقب، فی مناقب علی بن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 213   2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 364

(☆) علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا حضرت علی شیر خدا کے متعلق یہ فرمان غدیر خم میں واقع ہوا وہ ہجرت کے آخری سالوں میں ہوا جب کہ سورت مکی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ (السجدہ: 5) میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اس آیت میں زمین کی پست ترین جگہ سے اس کے امر کی انتہا اور آسمانوں سے اوپر اس کے امر کی انتہا میں پچاس ہزار سال کا عرصہ حائل ہے اور الٓمّٓ تنزیل میں فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ میں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر کا نزول آسمان دنیا سے زمین تک اور زمین سے آسمان تک ایک دن میں ہوتا ہے۔ وہ مقدار ایک ہزار سال ہے کیونکہ زمین اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

مجاہد، حکم اور عکرمہ سے مروی ہے: یہ دنیا کی عمر کی مدت ہے جب سے اسے پیدا کیا گیا ہے اس وقت سے لے کر جب تک یہ باقی رہے گی وہ پچاس ہزار سال ہیں (1)۔ کوئی نہیں جانتا کہ کتنا عرصہ گزر چکا ہے اور کتنا باقی ہے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات جانتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یوم قیامت ہے یعنی جس میں وہ فیصلہ فرمائے گا۔ اگر مخلوق اس کی ذمہ دار ہوتی تو پچاس ہزار سال تک جاتے؛ یہ قول عکرمہ، کلبی اور محمد بن کعب نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں اس ساعت فارغ ہو جاتا ہوں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد یوم قیامت ہے لیکن یوم قیامت ختم نہ ہوگا (2)۔ مراد حساب کے لیے ان کا کھڑا ہونا ہے۔ وہ دن دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ پھر جنتی اور جہنمی اپنے ٹھکانوں میں قرار پا جائیں گے۔ یمان نے کہا: اس سے مراد یوم قیامت ہے (3)۔ اس میں پچاس مواطن ہیں۔ ہر موطن ہزار سال کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد یوم قیامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر اسے پچاس ہزار سال کے برابر کر دیا ہے، پھر انہیں ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کی تفسیر میں جو اقوال کیے گئے ہیں ان میں سے سب سے اچھا قول یہ ہے، اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے قاسم بن اصبغ نے حضرت ابو سعید خدری سے بیان کیا ہے (4)۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے"۔ میں نے پوچھا: یہ کتنا لمبا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ دن مومن پر خفیف ہوگا یہاں تک کہ دنیا میں جتنے وقت میں وہ فرض نماز پڑھا کرتا تھا اس سے زیادہ خفیف ہوگا"۔ نحاس نے اس قول کی صحت پر اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے سہیل نے اپنے باپ سے، وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں: "ہر وہ شخص جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دی اللہ تعالیٰ اسے جہنم کا سانپ بنا دے گا جس کے ساتھ اس کی پیشانی، اس کی پشت اور پہلوؤں کو داغا جائے گا۔ ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے سے فارغ ہو جائے گا" (5)۔ یہ اس امر پر دال ہے کہ مراد یوم قیامت ہے۔ ابراہیم تیمی نے کہا: مومن کے اوپر یہ دن اتنا ہی طویل ہوگا جس قدر ظہر اور عصر کا فاصلہ ہے۔ یہی معنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: "اللہ تعالیٰ تمہارا محاسبہ اتنے وقت میں کرے گا جتنا وقت دو نمازوں کے درمیان ہوتا ہے" (6)۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنا نام سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ۝

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 90 | 2۔ ایضاً | 3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 450
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 91 | 5۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 365 | 6۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 91

(البقرہ) اور اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝ (الانعام) رکھا ہے۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ فراغت نصف دن میں ہوگی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝ (الفرقان) یہ مخلوقات کے فہم کے حساب سے ہے ورنہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کو کسی کام سے غافل نہیں کرتا جس طرح وہ ایک ساعت میں رزق عطا فرماتا ہے اسی طرح ایک ساعت میں حساب بھی کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان: 28)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے اس آیت کے بارے میں اور فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ (السجدہ) کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: یہ ایسے دن ہیں اللہ تعالیٰ نے جن کا نام رکھا ہے وہ ان کے بارے میں خوب جانتا ہے کہ وہ کیا ہیں؟ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں کوئی ایسی بات کروں جن کے بارے میں آگاہ نہ ہوں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ کے الفاظ بطور تمثیل کے ہیں۔ یہ میدان حشر میں مدت کے لمبا ہونے کی پہچان کرائی گئی ہے جو انسان وہاں مشکلات پائے گا۔ عرب شدت کے ایام کی صفت طول سے بیان کرتے اور خوشی کے دنوں کی صفت قصر سے بیان کرتے۔ شاعر نے کہا:

ویوم کظل الرمح قصّر طوله　　دم الزق عنا واصطفاق المزاهر

کتنے ہی دن ہیں جو نیزے کے سایہ کی طرح تھے شراب اور بربط کے تاروں کے بجنے نے ہم پر اس کی طوالت کو مختصر کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے سائل نے ایسے عذاب کا سوال کیا جو کافروں پر واقع ہونے والا تھا۔ اس کو روکنے والا کوئی نہیں (1)، وہ ایسے دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ ملائکہ اور روح اس کی طرف عروج کرتے ہیں۔ یہی وہ قول ہے جس کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝

"پس آپ صبر کیجئے بڑی خوبصورت صبر۔ کفار کو تو یہ بہت دور نظر آتا ہے (لیکن) ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔"

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝ آپ اس قوم کی اذیتوں پر جو آپ کو اذیتیں دے رہی ہے اس پر صبر کیجئے۔ صبر جمیل سے مراد یہ ہے ایسا صبر جس میں جزع فزع نہ ہو اور نہ ہی غیر اللہ کے ہاں شکوہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قوم میں مصیبت والا ہو مگر یہ معلوم نہ ہو وہ کون ہے۔ معنی قریب قریب ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝ مراد اہل مکہ ہیں۔ وہ جہنم کے عذاب کو بعید خیال کرتے ہیں یعنی وہ ہوگا ہی نہیں۔ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝ کیونکہ جو عذاب واقع ہونے والا ہوتا ہے وہ قریب ہی ہوتا ہے (2)۔ اعمش نے کہا: وہ بعث کو بعید خیال کرتے ہیں کیونکہ وہ اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ گویا وہ اسے محال ہونے کے اعتبار سے بعید خیال کرتے ہیں جس طرح تو اس آدمی کو کہتا ہے جس سے بحث کرتا ہے: ھذا بعید لا یکون۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس دن کو بعید خیال کرتے ہیں اور ہم اسے قریب جانتے ہیں کیونکہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 450　　2۔ ایضاً

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۢ بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُــْٔوِيْهِ ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝

"دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو، مجرم تمنا کرے گا کہ کاش بطور فدیہ دے سکتا آج کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے خاندان کو جو (ہر مشکل میں) اسے پناہ دیا کرتا تھا اور (بس چلے تو) جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو، پھر یہ فدیہ اس کو بچا لے۔"

يُبَصَّرُوْنَهُمْ وہ انہیں دکھائی دیں گے قیامت میں کوئی مخلوق نہیں ہو گی مگر وہ اپنے ساتھی کے سامنے ہو گی (1)، وہ جن ہو یا انسان ہو۔ انسان اپنے باپ، اپنے بھائی، اپنے قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ کو دیکھے گا۔ وہ اس کا حال نہیں پوچھے گا اور نہ اس سے بات کرے گا کیونکہ وہ اپنی ہی پریشانیوں میں مگن ہو گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایک گھڑی کے لیے ایک دوسرے سے متعارف ہوں گے (2)۔ وہ اس گھڑی کے بعد ایک دوسرے سے متعارف نہیں ہوں گے۔ بعض روایات میں ہے: لوگ اپنی جان پہچان والے لوگوں سے بھاگیں گے کیونکہ انہیں خوف ہو گا کہ جو زیادتیاں انہوں نے کی ہیں ان کے بارے میں ان سے مطالبہ ہو گا۔ اس تعبیر کی بنا پر يُبَصَّرُوْنَهُمْ کی ضمیر کفار کے لیے ہو گی اور ھم ضمیر اقربا کے لیے ہو گی۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مومنوں کو کفار دکھائے گا۔ اس اعتبار سے واؤ ضمیر مومنین کے لیے اور ھم ضمیر کفار کے لیے ہو گی۔ ابن زید نے کہا: وہ کفار کو جہنم میں دکھائے گا جنہوں نے انہیں دنیا میں گمراہ کیا تھا۔ يُبَصَّرُوْنَهُمْ واؤ ضمیر پیروکاروں کے لیے اور ھم ضمیر قائدین کے لیے ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ مظلوم کو ظالم اور مقتول کو قاتل دکھائے گا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يُبَصَّرُوْنَهُمْ کی ضمیر ملائکہ کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی فرشتے ان کے اقوال پہچانیں گے اور ہر فریق کو اس طرف ہانک کر لے جائیں گے جو ان کے مناسب ہے۔ يُبَصَّرُوْنَهُمْ پر کلام مکمل ہو گئی، پھر فرمایا: يَوَدُّ الْمُجْرِمُ یعنی کافر تمنا کرے گا (4) لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍ جہنم کے عذاب سے بچنے کے لیے وہ چیز فدیہ کر دے جو دنیا میں اس کے لیے سب سے عزیز تھی (5)، خواہ وہ اس کے قریبی رشتہ دار ہوں تو وہ اس پر قادر نہیں ہو گا، پھر ان کا ذکر کیا اور فرمایا: بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُــْٔوِيْهِ ۝ صَاحِبَتِهٖ سے مراد اس کی بیوی ہے۔ فَصِيْلَتِهِ سے مراد اس کا قبیلہ ہے جو اس کی مدد کرتا تھا؛ یہ مجاہد اور ابن زید کا قول ہے۔ امام مالک نے کہا: اس سے مراد اس کی ماں ہے جو اس کو پالتی تھی؛ ماوردی نے اسے بیان کیا ہے (6)؛ اشہب نے اسے اس سے روایت کیا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: فصیلہ، قبیلے سے چھوٹا ہے (7)۔ ثعلب نے کہا: وہ اس کے قریبی آباء و اجداد ہیں۔ مبرد نے کہا: فصیلہ سے مراد جسم کے اعضاء کا ایک ٹکڑا ہے۔ یہ قبیلہ سے چھوٹا ہوتا ہے۔ انسان کی نسل کو فصیلہ کہتے ہیں۔ اسے اپنے بعض کے ساتھ تشبیہ دی۔ قبیلہ اور اس کے غیر میں گفتگو سورۂ حجرات میں گزر چکی ہے۔ یہاں ایک مسئلہ ہے: جب اس نے اپنا مال فصیلہ پر وقف کیا یا فصیلہ کے لیے وصیت کی

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 450 | 2۔ ایضاً | 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 92
4۔ ایضاً | 5۔ ایضاً | 6۔ ایضاً | 7۔ ایضاً

چلتا ہے فَتَذَبَّبَتْہُم لھو ہلعۃ و ہَلُوع۔ یہ کثرت کے معنی پر دال ہے اس کا معنی ہے وہ خیر و شر پر صبر نہیں کرتا یہاں تک دونوں صورتوں میں ایسا کام کرتا ہے جو مناسب نہیں ہوتا۔ عکرمہ نے کہا: اس سے مراد انتہائی تنگ دل اور ضجر ہے(1)۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جو سیر شدہ نہ ہو۔ منوع سے مراد وہ شخص ہے جو مال پائے تو اللہ تعالیٰ کا حق روک لے۔ ابن کیسان نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا وہ اس چیز کو پسند کرتا ہو جو اسے خوش اور راضی کرے اور اس سے دور بھاگتا ہے جو اسے ناپسند ہو اور اس کو ناراض کرے(2)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پابند کیا کہ جس چیز کو وہ پسند کرتا ہے اس کو خرچ کرے اور جس کو ناپسند کرتا ہے اس پر صبر کرے۔ ابو عبیدہ نے کہا: ھلوع وہ شخص ہوتا ہے جب اسے خیر پہنچتی ہے تو وہ شکر بجا نہیں لاتا اور جب تکلیف پہنچتی ہے تو صبر نہیں کرتا۔ یہ ثعلب کا قول ہے۔ ثعلب نے یہ بھی کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے ھلوع کی تفسیر بیان کی ہے وہ وہ شخص ہے جب اسے شر پہنچتی ہے تو شدید جزع فزع کا اظہار کرتا ہے اور جب اسے بھلائی پہنچتی ہے تو وہ بخل سے کام لیتا ہے اور لوگوں سے اسے روک لیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بندے کو جو عطا کیا گیا ہے ان میں سے سب سے برا ایسا بخل ہے جو بے قرار کرنے والا ہو اور ایسی بزدلی ہے جو دل نکالنے والی ہو"(3)۔ عرب کہتے ہیں ناقۃ ھلواعۃ و ھلواع جب وہ تیز رفتار ہو اور ہلکی ہو۔ شاعر نے کہا:

صکاء ذعلبۃ اذا استدبرتھا حرج اذا استقبلتھا ھلواع

صکاء سے مراد اونٹنی کا وصف نہیں بلکہ شتر مرغ کا وصف ہے اونٹنی کو شتر مرغ سے تشبیہ دی ذعلب اور ذعلبہ سے مراد تیز رفتار اونٹنی ہے ھلواع بھی تیز رفتار اونٹنی کے لئے بولا گیا ہے۔

جَزُوْعًا اور مَنُوْعًا دونوں ھلوع کی صفت ہیں اس شرط پر کہ یہ دونوں اذا سے ارادہ میں مقدم ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کان مضمرہ کی خبر ہیں۔

إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ ۝ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۝ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُكْرَمُونَ ۝

"مگر ان نمازیوں کے جو اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں، اور وہ جن کے مالوں میں مقررہ حق ہے سائل کے لئے

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 452 2۔ ایضاً 3۔ سنن ابی داؤد، باب فی الجرأۃ والجبن، حدیث نمبر 2190، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اور محروم کے لیے، اور جو تصدیق کرتے ہیں روز جزا کی، اور جو اپنے رب کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنے والے ہیں۔ بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں۔ اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں کے یا اپنی کنیزوں کے تو ان پر کوئی ملامت نہیں البتہ جو خواہش کریں گے ان کے علاوہ تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہیں اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ مکرم (ومحترم) ہوں گے جنتوں میں"۔

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝ یہ اس پر دلیل ہے کہ اس سے ماقبل کلام کفار کے بارے میں ہے۔ انسان اسم جنس ہے اس کی دلیل استثناء ہے جو اس کے بعد ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (العصر) نخعی نے کہا: مصلین سے مراد فرض نماز ادا کرنے والے ہیں۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: جو نماز کو وقت پر ادا کرتے ہیں۔ جہاں تک اسے ترک کرنے کا تعلق ہے تو یہ کفر ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد صحابہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد عام مومن ہیں کیونکہ وہ زیادہ جزع فزع پر غالب آ جاتے ہیں کیونکہ انہیں اپنے رب پر اعتماد اور یقین ہوتا ہے الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ یعنی اپنے وقت پر نمازوں کو ادا کرتے ہیں۔ عقبہ بن عامر نے کہا: یہی وہ لوگ ہیں جب نماز ادا کرتے ہیں تو دائیں اور بائیں متوجہ نہیں ہوتے۔ دائم کا معنی ساکن ہے اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: نھی عن البول فی الماء الدائم کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا۔ ابن جریج اور حضرت حسن بصری نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جو نفلی نماز زیادہ پڑھتے ہیں (2)۔

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ اس سے مراد فرض زکوۃ ہے۔ یہ قتادہ اور ابن سیرین کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: زکوۃ کے علاوہ مراد ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: صلہ رحمی کرنا اور بوجھ اٹھانا ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ حق کی صفت معلوم سے لگائی ہے۔ زکوۃ کے علاوہ معلوم نہیں، وہ تو ضرورت کے مطابق ہوتا ہے، جب کہ اس میں کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ سورۂ ذاریات میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ یعنی یوم جزا، مراد قیامت کا دن ہے۔ اس بارے میں بحث سورۂ فاتحہ میں گزر چکی ہے۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے شرک کیا اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء کو جھٹلایا وہ اس کے عذاب سے امن میں نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: کوئی بھی عذاب سے امن میں نہیں بلکہ ہر کسی پر واجب ہے کہ اس سے ڈرے۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ اس بارے میں گفتگو سورۂ مومنون کی آیت قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ میں گزر چکی ہے۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝ عام قراء نے اسے جمع ہی پڑھا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 8، صفحہ 1859
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 95

رشتہ دار یا دور کے رشتہ دار کے خلاف ہی پڑے وہ حاکم کے پاس گواہی دیتے ہیں (1) وہ اسے چھپاتے نہیں اور نہ ہی اس میں تبدیلی کرتے ہیں۔ شہادت اور اس کے احکام کے بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس بنیہ نے کہا: گواہیاں یہ ہیں ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ۔ بِشَهٰدَتِهِمْ واحد کا صیغہ بھی پڑھا گیا ہے: یہ ابن کثیر اور ابن محیصن کی قرأت ہے۔ الامانۃ اسم جنس ہے۔ اس میں دین کی امانات داخل ہو جاتی ہیں۔ شرعی احکام بھی امانتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے بندوں کو امین بنایا ہے۔ اس میں بندوں کی امانتیں بھی داخل ہو جاتی ہیں۔ یہ سب سورۂ نساء میں گزر چکا ہے۔ عباس دوری نے ابوعمرو اور یعقوب سے بشھاداتھم جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے بشھادتھم واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ مصدر بعض اوقات مفرد کو معنی دیتا ہے اگرچہ جمع کے صیغہ کی طرف مضاف ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝ (لقمان) فراء نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ (الطلاق: 2) بشھادتھم واحد کے صیغہ پر دال ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ قتادہ نے کہا: علی صلاتہم سے مراد نماز کے وضو، اس کے رکوع اور اس کے سجود کی محافظت کرتے ہیں۔ ابن جریج نے کہا: مراد نفلی نماز ہے۔ سورۂ مومنون میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ دوام، محافظت کے خلاف ہے۔ اس پر ان کے دوام کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی ادائیگی پر محافظت کرتے ہیں اس میں کوئی خلل واقع نہیں کرتے اور اس کی ادائیگی میں غفلت کر کے کسی اور شغل میں مصروف نہیں ہوتے۔ اس پر محافظت کا مطلب ہے اس کا وضو اچھی طرح کرتے ہیں، وقت پر نماز ادا کرتے ہیں، اس کے ارکان کو قائم کرتے ہیں، وہ اس کی سنتوں اور آداب کو مکمل کرتے ہیں اور اس کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔ ضائع ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ گناہوں کا ارتکاب کریں۔ دوام نفس نماز کی طرف راجع ہے اور محافظت کا تعلق اس کے احوال سے ہے۔ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۝ اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی کرامتوں کے ساتھ انہیں عزت دی ہے۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۝ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝
اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ۝ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

"پس ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف ٹکٹکی باندھے بھاگتے چلے آ رہے ہیں، ایک گروہ دائیں طرف سے اور دوسرا گروہ بائیں طرف سے۔ کیا طمع کرتا ہے ان میں سے ہر شخص کہ (ایمان و عمل کے بغیر) نعمتوں بھری جنت میں اسے داخل کیا جائے۔ ہرگز نہیں ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس (مادہ) سے جس کو وہ بھی جانتے ہیں"۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۝ اخفش نے کہا (2): مُهْطِعِيْنَ کا معنی ہے جلدی جلدی آتے ہیں۔ ایک شاعر نے کہا:

بمكة أهلها ولقد أراهم إليه مهطعين إلى السماع

1۔ احکام القرآن، جلد 5، صفحہ 453
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 96

کہ مکہ مکرمہ میں اس کے گرد بیٹھے ہیں، میں انہیں دیکھتا ہوں کہ وہ بات سننے کے لیے جلدی کرتے ہیں۔ معنی ہے انہیں کیا ہو گیا ہے وہ آپ ﷺ کی طرف جلدی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کے ارد گرد بیٹھتے ہیں وہ آپ ﷺ نے انہیں جو حکم دیا ہے اس پر عمل نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں کیا ہو گیا ہے وہ آپ ﷺ کو جھٹلانے میں جلدی کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفار کو کیا ہو گیا ہے وہ آپ ﷺ کی بات سننے میں جلدی کرتے ہیں تاکہ وہ آپ ﷺ کی عیب جوئی کریں اور آپ ﷺ کا مذاق اڑائیں۔ عطیہ نے کہا: مُهْطِعِيْنَ کا معنی ہے وہ اعراض کرتے ہیں۔ کلبی نے کہا: وہ تعجب سے آپ ﷺ کو دیکھتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: وہ قصد کرتے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے وہ آپ ﷺ کی طرف جلدی کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنی گردنوں کو لمبا کیے ہوتے ہیں وہ آپ ﷺ کو دیکھے جا رہے ہوتے ہیں۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ آیت استہزاء کرنے والے منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے مگر ایمان نہ لاتے۔ قِبَلَكَ کا معنی ہے آپ ﷺ کی طرف۔

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۞ وہ نبی کریم ﷺ کی دائیں اور بائیں جانب سے حلقے بناتے ہوئے اور جماعت در جماعت۔ عزین کا معنی ہے مختلف جماعتیں؛ یہ ابو عبیدہ کا قول ہے۔ اسی معنی میں نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے: آپ ﷺ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے انہیں مختلف حلقے بنائے ہوئے دیکھا فرمایا: مالی اراکم عزین الا تصفون کما تصف الملائكة عند ربهم؟ قالوا وكيف تصف الملائكة عند ربهم؟ قال: يتمون الصفوف الاول ويتراصون في الصف (1) امام مسلم اور دوسرے علماء نے اسے روایت کیا ہے۔

فرمایا: کیا وجہ ہے میں تمہیں مختلف حلقے بنائے ہوئے دیکھتا ہوں کیا تم اس طرح صفیں نہیں بناؤ گے جس طرح فرشتے اپنے رب کے ہاں صفیں بناتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: فرشتے اپنے رب کے ہاں کیسے صفیں بناتے ہیں؟ فرمایا: وہ پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں ایک دوسرے سے مل کر بیٹھتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

ترانا عنده والليل داج　على ابوابه حلقا عزينا (2)

تو ہمیں اس کے ہاں اس کے دروازوں پر مختلف حلقوں کی صورت میں دیکھتا ہے جبکہ رات انتہائی تاریک ہوتی ہے۔

راعی نے کہا:

اخليفة الرحمن ان عشيرتي　امسى سراتهم اليك عزينا

اے رحمن کے خلیفہ! بے شک میرا خاندان گروہ در گروہ تیری طرف رات کو چلتے ہوئے آتا ہے۔

کمیت نے کہا:

ونحن وجندل باغ تركنا　كتائب جندل شتى عزينا

ہم نے جندل کے لشکروں کو مختلف گروہوں کی صورت میں چھوڑا جب جندل بغاوت کرنے والا تھا۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، صفحہ 181، جلد 1　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 97

عزین کا واحد عزۃ ہے۔ واؤ اور نون کے ساتھ اس کی جمع بنائی گئی ہے تاکہ اس سے جو حرف حذف ہے اس کا یہ عوض بنا جائے۔ اصل میں یہ عزوۃ تھا۔ اس میں وہی تعلیل جاری ہوگی جو سنۃ میں جاری ہوئی۔ اس کے نزدیک جس نے اس کی اصل سنھۃ بنائی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اصل عزوۃ ہے۔ یہ عزاہ، یعزوہ سے مشتق ہے۔ جب وہ اسے کسی اور کی طرف منسوب کرے۔ ان جماعتوں میں سے ہر ایک دوسری کی طرف منسوب ہے۔ یہاں جو حرف حذف ہے وہ واؤ ہے۔ صحاح میں اسی طرح ہے عزۃ سے مراد لوگوں کا ایک گروہ ہے۔ حذف شدہ یاء کا عوض ہے۔ اس کی جمع عِزَی، فِعَل کے وزن پر ہے۔ اس کی جمع عزون اور عُزُون کے وزن پر آتی ہے۔ انہوں نے اس کی جمع عزات نہیں بنائی جس طرح انہوں نے ثبات کی۔ اصمعی نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے فی الدار عزون یعنی لوگوں کی مختلف قسمیں ہیں۔ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ یہ مُهْطِعِيْنَ کے متعلق ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ عزین کے متعلق ہو جس طرح تیرا قول ہے: اخذته عن زيد۔

اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ⊙ مفسرین نے کہا: مشرک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع ہو جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سنتے، اس کو جھٹلاتے، آپ پر جھوٹ بولتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے استہزاء کرتے اور کہتے: اگر یہ جنت میں داخل ہوئے تو ہم ان سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اگر انہیں جنت کی کوئی چیز دی گئی تو ہمیں ان سے زیادہ چیز دی جائے گی، تو یہ آیت اَيَطْمَعُ نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استہزاء کرنے والوں کے پانچ گروہ تھے۔

حضرت حسن بصری، حضرت طلحہ بن مصرف اور اعرج نے اَنْ يَّدْخُلَ قراءت کی ہے، یاء پر زبر اور خاء پر پیش ہے۔ یہ معروف کا صیغہ ہے۔ مفضل نے اسے عاصم سے روایت کیا ہے باقی قراء نے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔

كَلَّا وہ اس میں داخل نہیں ہوں گے پھر نئے سرے سے کلام شروع کی اور فرمایا: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ یعنی وہ جانتے ہیں کہ انہیں ایک نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا گیا ہے جس طرح اس کی ساری جنس کو پیدا کیا گیا۔ انہیں کوئی فضیلت نہیں جس کے باعث وہ جنت کے مستحق ہیں، جنت کا مستحق تو ایمان، عمل صالح اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بنا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مسلمان فقراء کا مذاق اڑایا کرتے اور ان پر تکبر کرتے تو فرمایا: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ انہیں تکبر کرنا مناسب نہیں۔ قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اے انسان! تو گندے قطرہ سے پیدا کیا گیا ہے تو اللہ سے ڈر۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ مطرف بن عبداللہ بن شخیر نے مہلب بن ابی صفرہ کو خز (ریشم) کی چادر اوڑھے اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو اسے فرمایا: اے اللہ کے بندے! یہ کیسی چال ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے؟ مہلب نے مطرف سے کہا: کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ فرمایا: ہاں، تیرا آغاز گندے نطفہ سے ہے اور تیری انتہا بدبودار لاشہ ہے، اس کے درمیان تو نجاست کو اٹھانے والا ہے۔ مہلب چلا گیا اور اس چال کو ترک کر دیا۔ محمود وراق نے اسی مضمون کو اشعار میں بیان کیا ہے:

عَجِبْتُ مِنْ مُعْجَبٍ بِصُوْرَتِهٖ ... وَكَانَ فِي الْاَصْلِ نُطْفَةً مَذِرَةً

وَهُوَ غَدًا بَعْدَ حُسْنِ صُوْرَتِهٖ ... يَصِيْرُ فِي اللَّحْدِ جِيْفَةً قَذِرَةً

وهو على تيهه ونخوته ما بين ثوبيه يحمل العذرة

میں اس آدمی پر تعجب ہوا جس کی صورت پر تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے۔ عمل میں وہ ایک گندا نطفہ ہے۔ وہ کل حسین صورت کے باوجود گل سڑ جانے والا لاشہ ہوگا۔ وہ اپنے تکبر اور نخوت کے باوجود اپنے کپڑوں کے درمیان غلاظت اٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ ایک شاعر نے کہا:

هل في ابن آدم غير الرأس مكرمة ... وهو بخمس من الأوساخ مضروب

أنف يسيل وأذن ريحها سهك ... والعين مرمصة والثغر ملهوب

يا ابن التراب ومأكول التراب غدا ... أقصر فإنك مأكول ومشروب

کیا سر کے علاوہ انسان میں عزت والی شی ہے جبکہ اس میں پانچ میل والی چیزیں ہیں۔ ناک بہتی ہے، کان کی بو ناپسندیدہ ہے، آنکھ میں کیچڑ ہوتا ہے اور دانتوں پر میل ہے۔ اے مٹی سے جنم لینے والے! اور کل جس کو مٹی کھا جائے گی! اپنے آپ کو پست رکھ تجھے کھایا جاتا ہے اور پیا جاتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مٹی ہے اس مقصد کے لیے جسے وہ جانتے ہیں۔ وہ امر یعنی ثواب اور عقاب ہے جس طرح شاعر کے قول میں من اجلہ ہے؛ یہ اعشیٰ کا قول ہے: أأزمعت من آل ليلى ابتكارا کیا تو نے آل لیلیٰ کے لیے جلدی کا قصد کیا ہے۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۝ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ۝

"پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم پوری قدرت رکھتے ہیں کہ ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم ایسا کرنے سے عاجز نہیں"۔

فَلَآ أُقْسِمُ یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں۔ یہاں لا زائدہ ہے۔ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ سورج کے مشرقوں اور اس کے مغربوں کے رب کی۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ابو حیوہ، ابن محیصن اور حمید نے بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ واحد کے صیغہ کے ساتھ قرأت کی ہے۔

اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۝ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہم ہلاک کرنے، انہیں لے جانے اور ان سے زیادہ اطاعت اور بہتر لوگوں کو لانے پر قادر ہیں۔ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ۝ کوئی چیز ہم سے فوت نہیں ہو سکتی اور ہم جس امر کا ارادہ کر لیں وہ ہمیں عاجز نہیں کر سکتا۔

فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَ یَلْعَبُوْا حَتّٰى یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ۝

"سو آپ رہنے دیجئے انہیں کہ (خرافات میں) الجھے رہیں اور کھیلتے کودتے رہیں حتی کہ ملاقات کریں اپنے اس

دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے"۔

انہیں چھوڑ دو کہ اپنے باطل میں ناک ٹوئیاں مارتے رہیں اور دنیا میں کھیلتے رہیں۔ یہ کلام وعید کے طریقہ پر ہے۔ ابن محیصن، مجاہد اور حمید نے اسے حَتّٰى يَلْقَوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ پڑھا ہے۔ یہ آیت، آیت سیف سے منسوخ ہے۔

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝

"جس روز نکلیں گے (اپنی) قبروں سے جلدی جلدی گویا وہ (اپنے بتوں کے) استھانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں"۔

يَوْمَ، الیوم سے بدل ہے جو اس سے پہلے ہے۔ عام قرأت يَخْرُجُوْنَ ہے یا پر فتحہ اور را پر ضمہ ہے کیونکہ یہ معروف کا صیغہ ہے۔ سلمی، مغیرہ اور اعمش نے عاصم سے يُخْرَجُوْنَ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ الاجداث سے مراد قبریں ہیں(1)۔ اس کا واحد جدث ہے۔ سورۂ یٰسین میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ سِرَاعًا جب وہ دوسرے نفخہ کو سنیں گے تو بلانے والے کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جلدی جلدی نکلیں گے۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔

كَاَنَّهُمْ اِلٰى نَصْبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝ عام قرأت نون کے فتحہ اور صاد کے جزم کے ساتھ ہے۔ ابن عامر اور حفص نے نون اور صاد کے ضمہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ عمرو بن میمون، ابو رجاء اور دوسرے علماء نے نون کے ضمہ اور صاد کے سکون کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ نَصْب اور نُصُب دونوں لغتیں ہیں جس طرح ضَعْف اور ضُعْف۔ جوہری نے کہا: نَصْب سے مراد وہ چیز ہے جسے کھڑا کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اس کی عبادت کی جائے۔ اسی طرح نُصْب ہے بعض اوقات اسے حرکت دی جاتی ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

وَذَا النُّصُبَ الْمَنْصُوْبَ لَا تَنْسُكَنَّهُ لِعَافِيَةٍ وَاللّٰهَ رَبَّكَ فَاعْبُدَا

یہاں فاعبدن کا ارادہ کیا اور الف پر وقف کیا جس طرح تو کہتا ہے: رأیت زیدا۔ اس کی جمع انصاب آتی ہے۔ شاعر کا قول: وذا النصب یہاں وذا النصب کے معنی میں ہے۔ نصب سے مراد شر اور بلاء ہے۔ شعر کا ترجمہ: نصب کیے ہوئے بت سے کسی عافیت کے حصول کے لیے اس کی عبادت نہ کر، اللہ تعالیٰ تیرا رب ہے تو اسی کی عبادت کر۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝ (ص) اخفش اور فراء نے کہا: نُصُب یہ نَصْب کی جمع ہے جس طرح رَهْن کی جمع رُهُن ہے۔ انصاب یہ نُصُب کی جمع ہے، یہ جمع کی جمع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نُصُب اور انصاب دونوں ایک ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نصب یہ نصاب کی جمع ہے۔ یہ پتھر یا بت ہے جس پر جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (المائدہ: 3) ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَصْب، نُصُب اور نُصْب ایک معنی میں ہیں جس طرح عُمُر، عُمْر اور عَمْر ہے۔ نحاس نے اس کا ذکر کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اِلٰى نُصُبٍ غایت تک۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جہاں تک آپ کی نظر پہنچے۔ کلبی نے کہا: مراد ہے کھڑی کی گئی چیز جیسے جھنڈا وغیرہ(2)۔ حضرت حسن بصری

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 87 — 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 455

سورۂ نوح

آیاتہا ۲۸ | سورۃ نوح مکیۃ ۷۱ | رکوعاتہا ۲

یہ سورت مکی ہے، اس کی اٹھائیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○

"بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف (اور فرمایا: اے نوح!) بروقت خبردار کرو اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ نازل ہو جائے ان پر عذاب الیم"۔

سورۂ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام وہ فرد ہیں جنہیں رسول بنا کر مبعوث کیا گیا۔ قتادہ نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں: "پہلے رسول جنہیں مبعوث کیا گیا وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور انہیں تمام اہل زمین کی طرف مبعوث کیا گیا"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمین کو ہلاک کر دیا۔ ان کا نسب یہ ہے: حضرت نوح بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ، یہی حضرت ادریس ہیں، بن یرد بن مہلائیل بن انوش بن قینان بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

وہب نے کہا: یہ سب مومن تھے۔ انہیں اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا جبکہ ان کی عمر پچاس سال تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی عمر چالیس سال تھی(1)۔ عبداللہ بن شداد نے کہا: انہیں مبعوث کیا گیا جبکہ ان کی عمر ساڑھے تین سو سال تھی۔ سورۂ عنکبوت میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ اصل میں بِأَنْ أَنذِرْ تھا، حرف جر کے حذف کی وجہ سے ان محل نصب میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اس کا محل جر ہے کیونکہ ان کے ساتھ یہ عمل کرنے میں قوی ہے۔ یہ جائز ہے کہ ان مفسرہ ہو۔ اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں ہوگا کیونکہ ارسال میں امر کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے باء کو مضمر ماننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت عبداللہ کی قرأت میں أن کے بغیر أَنذِرْ قَوْمَكَ ہے۔ اس وقت معنی یہ ہوگا ہم نے اسے کہا: اپنی قوم کو ڈرایئے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز میں انذار کا معنی گزر چکا ہے۔

مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد آخرت میں آگ کا عذاب ہے(2)۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد ہے جو طوفان کی صورت میں ان پر عذاب آیا(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ ایمان نہ لائیں تو انہیں دردناک عذاب سے ڈرایئے۔ آپ اپنی قوم کو دعوت دیجئے اور انہیں خبردار کر دے اور ان میں سے کسی فرد کو بھی دعوت

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 98 | 2۔ ایضاً | 3۔ ایضاً

توبہ کی فضیلت

مسئلہ نمبر 2۔ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وہ آسمان کا پانی برساتا ہے۔ اس کلام میں اضمار ہے۔ اصل یہ ہے یرسل ماء السماء۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: السماء کا معنی ہی بارش ہے(1)۔ شاعر نے کہا:

إذا سقط السماء بأرض قوم رعيناه وإن كانوا غضابا

جب بارش کسی قوم کے علاقہ میں ہوتی ہے تو ہم اس کے سبزہ کو چرتے ہیں اگرچہ وہ غضب ناک ہوں۔

مِّدْرَارًا کثیر بارش والی۔ یُّرْسِلِ کو جزم دی گئی ہے کیونکہ یہ جواب امر ہے۔ مقاتل نے کہا: جب انہوں نے طویل عرصہ تک حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا۔ چالیس سال تک ان کی عورتوں کے رحموں کو بانجھ کر دیا، ان کے جانور ہلاک ہو گئے اور کھیتیاں برباد ہو گئیں۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بارش کے برسنے کی التجا کی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اپنے رب سے بخشش طلب کرو، بے شک وہی بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔ یعنی جو بھی اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس کے ساتھ ہمیشہ اسی طرح کا سلوک کرتا ہے۔ پھر ایمان میں ترغیب دیتے ہوئے کہا: وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، بیٹوں اور اموال کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات بنا دے گا اور تمہارے لیے نہریں بہا دے گا(2)۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نبی کو علم تھا کہ وہ دنیا کے بارے بڑے حریص ہیں تو فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف آؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں دنیا و آخرت ملتی ہے۔

استغفار پر مرتب ہونے والے نتائج

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت اور سورۂ ہود کی آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ استغفار کے ذریعے رزق اور بارش کو طلب کیا جاتا ہے۔ امام شعبی نے کہا: حضرت عمر بارش طلب کرنے کے لیے نکلے تو استغفار سے زائد کوئی عمل نہ کیا یہاں تک کہ واپس آ گئے تو لوگوں پر بارش ہو گئی۔ لوگوں نے عرض کی: ہم نے تو آپ کو استسقاء کرتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟ فرمایا: میں نے آسمان کے ان دروازوں سے بارش طلب کی جن کے ساتھ بارش کے برسنے کو طلب کیا جاتا ہے، پھر یہ پڑھا اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ امام اوزاعی نے کہا: لوگ بارش کو طلب کرنے کے لیے نکلے۔ ان میں بلال بن سعد بھی نکلے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر یوں گویا ہوئے: اے اللہ! ہم نے تجھے یہ کہتے ہوئے سنا تھا مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ (التوبہ: 91) ہم نے گناہوں کا اعتراف کر لیا۔ تیری مغفرت نہیں مگر ہماری مثل لوگوں کے لیے۔ اے اللہ! ہمیں بخش دے، ہم پر رحم فرما اور ہمیں سیراب کر۔ تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے اور لوگوں نے بھی اپنے ہاتھ اٹھا دیئے تو ان پر بارش کی گئی۔

ابن صبیح نے کہا: ایک آدمی نے حضرت حسن بصری کی خدمت میں خشک سالی کی شکایت کی۔ آپ نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ضرور استغفار کرو۔ ایک اور آدمی نے فقر کی شکایت کی۔ آپ نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرو۔

1۔ تفسیر ابن عباس، جلد 2، صفحہ 907 | 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 101

گی تو دفن کرنے کے ساتھ تمہیں زمین میں لوٹا دے گا۔ وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ۝ قیامت کے روز حساب و کتاب کے لیے دوبارہ زمین سے نکالے گا۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝

"اور اللہ نے ہی زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح بچھا دیا ہے تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو"۔

بساطا کا معنی ہے مبسوطہ یعنی پھیلائی ہوئی (1)۔ السبل کا معنی راستے ہیں۔ فجاجاً یہ فج کی جمع ہے، اس سے مراد کھلا راستہ ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فج سے مراد ایسا راستہ ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان ہو۔ سورۃ الانبیاء اور سورۃ الحج میں بحث گزر چکی ہے۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۝

"نوح نے عرض کی: اے میرے پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کرتے رہے جس کو نہ بڑھایا اس کے مال اور اولاد نے بجز خسارہ کے"۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی شکایت کی کہ ان لوگوں نے ان کی نافرمانی کی اور آپ نے انہیں ایمان کے بارے میں جو حکم دیا اس کی اتباع نہ کی۔ اہل تفسیر نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک انہیں دعوت دیتے رہے جبکہ وہ کفر اور نافرمانی پر قائم رہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام آباء کے بعد بیٹوں سے امید رکھتے رہے، اولاد کے بعد اولاد آتی رہی یہاں تک کہ سات نسلوں تک معاملہ جا پہنچا۔ مایوس ہونے کے بعد ان کے حق میں بددعا کی۔ طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال زندہ رہے یہاں تک کہ لوگوں کی تعداد کثیر ہوگئی اور لوگ عام ہو گئے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم مہینہ میں دو دفعہ فصل کاشت کرتی تھی (3)؛ ماوردی نے اس کا ذکر کیا۔

وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۝ انہوں نے اپنے ان معززین اور اغنیاء کی پیروی کی جن کے کفر، اموال اور اولاد نے اضافہ نہیں کیا مگر دنیا میں گمراہی اور آخرت میں ہلاکت کا۔ اہل مدینہ، اہل شام اور عاصم نے وولدہ واؤ اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے واؤ کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ ولد میں ایک لغت ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ولد کی جمع ہو جس طرح فلک یہ واحد اور جمع ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۝

"اور انہوں نے بڑے بڑے مکر و فریب کیے"۔

کُبّارًا یعنی بہت بڑا۔ یوں کہا جاتا ہے: کبیر، کبار، کُبّار جس طرح عجیب، عجاب اور عُجّاب سب کا ایک معنی ہے۔ اس کی مثل طویل، طوال اور طُوّال ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجل حسن، رجل حسان، رجل جمیل، رجل جمال، قراء قاری کے لیے بولا جاتا ہے اور وضاء روشن چہرے والے کے لیے بولا جاتا ہے۔ ابن سکیت نے یہ شعر پڑھا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 103 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

گزار تھے۔ ان میں سے ایک فوت ہو گیا تو وہ اس پر غمگین ہوئے۔ شیطان نے کہا: میں اس جیسی تمہارے لیے تصویر بنا رہا ہوں۔ جب تم اسے دیکھو گے تو تم اسے یاد کرو گے۔ انہوں نے کہا: اس طرح بنا دو۔ شیطان نے پیتل اور سکے سے مسجد میں اس کی تصویر بنا دی، پھر دوسرا فوت ہوا تو شیطان نے اس کی تصویر بھی بنا دی یہاں تک کہ وہ سب فوت ہو گئے تو اس نے ان سب کی تصویریں بنا دیں۔ اشیاء میں کمی آ گئی رہی جس طرح آج اشیاء میں کمی آتی ہے یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ترک کر دیا۔ شیطان نے ان سے کہا: کیا وجہ ہے تم کسی شی کی عبادت نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا: ہم کس کی عبادت کریں؟ اس نے کہا: اپنے معبودوں کی اور اپنے آباء کے معبودوں کی۔ کیا تم نماز پڑھنے کی جگہ میں انہیں دیکھتے؟ تو ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے کہا: تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور تم ود اور سواع کو نہ چھوڑنا۔

محمد بن کعب اور محمد بن قیس نے کہا: وہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان صالح لوگ تھے۔ ان کے کچھ لوگ پیروکار تھے جو ان کی اقتدا کیا کرتے تھے جب وہ فوت ہو گئے ابلیس نے ان کے لیے اس امر کو مزین کیا کہ وہ ان کی صورتیں بنائیں تاکہ ان تصویروں کی مدد سے ان کی کاوشوں کو یاد کرتے رہیں اور انہیں دیکھ کر تسلی حاصل کرتے رہیں تو شیطان نے ان کی تصویریں بنا دیں۔ جب وہ لوگ مر گئے اور دوسرے لوگ آئے انہوں نے کہا: کاش! ہم جانتے کہ ہمارے آباء ان تصویروں کے ساتھ کیا کیا کرتے تھے؟ شیطان ان کے پاس آیا اور کہا: ان کے آباء ان کی عبادت کیا کرتے تھے تو یہ ان پر رحم کرتے اور ان پر بارش برساتے۔ ان لوگوں نے ان تصویروں کی عبادت کی تو بتوں کی عبادت اس وقت سے شروع ہوئی۔

میں کہتا ہوں: مسلم شریف میں جو حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ اس معنی کی تفسیر بیان کرتی ہے: حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے ایک کنیسہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا جسے ماریہ کہتے تھے جس میں تصویریں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب ان میں کوئی صالح آدمی ہوتا تو اس کی قبر پر وہ مسجد بنا دیتے اور اس میں وہ تصویریں بنا دیتے تھے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ تمام مخلوق سے برے لوگ ہوں گے" (1)۔

ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ بت حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے صالح افراد کے نام تھے جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کی طرف الہام کیا جب مجلسوں میں وہ بیٹھا کرتے تھے ان مجلسوں میں کوئی نشان کھڑا کر دو اور انہیں ان کے نام دے دو۔ ان کے ذریعے تم انہیں یاد رکھو گے تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ان کی عبادت نہ کی گئی یہاں تک کہ یہ لوگ ہلاک ہو گئے اور علم نابید ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ان کی عبادت کی جانے لگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ہند کے ایک پہاڑ پر حضرت آدم علیہ السلام کے جسد اطہر کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، النہی عن بناء المساجد علی القبور، جلد 1، صفحہ 201

اس میں چار مسائل ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام نے کب بددعا کی

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے بارے میں اس وقت بددعا کی جب آپ مایوس ہو گئے کہ وہ لوگ آپ کی اتباع کریں گے۔ قتادہ نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے بعد بددعا کی جب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (ہود: 35) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور ان کی امت کو غرق کر دیا۔ یہ بھی اسی طرح ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللّٰھم منزل الکتاب سریع الحساب وھازم الاحزاب اھزمھم وزلزلھم (1) اے اللہ! اے کتاب کو نازل فرمانے والے، اے جلد حساب لینے والے اور لشکروں کو شکست دینے والے! انہیں شکست دے دے اور ان میں زلزلہ برپا کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کی بددعا کا سبب یہ تھا کہ آپ کی قوم کا ایک آدمی اپنے چھوٹے بچے کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھا (2)۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس سے گزرا اور اپنے بچے سے کہا: اس سے بچ کر رہنا یہ تجھے گمراہ کر دے گا۔ اس بچے نے کہا: اے میرے ابا! مجھے نیچے اتارو۔ اس کے باپ نے اسے نیچے اتارا۔ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو پتھر مارا اور آپ کو زخمی کر دیا۔ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام غضب ناک ہوئے اور لوگوں کے خلاف بددعا کی۔

محمد بن کعب، مقاتل، ربیع، عطیہ اور ابن زید نے کہا: اس وقت بددعا کی جب اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کو ان کی پشتوں اور ان کی عورتوں کے رحموں سے نکال لیا تھا اور عذاب سے ستر سال پہلے ان کی عورتوں کی رحموں اور مردوں کی پشتوں کو بانجھ کر دیا تھا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: چالیس سال پہلے بانجھ کر دیا تھا۔ قتادہ نے کہا: عذاب کے وقت ان میں کوئی بچہ نہیں تھا۔ حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ان کے بچوں کو بھی ہلاک کر دیتا تو یہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب ہوتا اور ان میں عدل ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے بچوں اور ان کی اولادوں کو عذاب کے بغیر ہلاک کر دیا، پھر عذاب کے ساتھ ان کو ہلاک کر دیا (4)۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ (الفرقان: 37)

کن لوگوں کے خلاف دعا جائز ہے

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام نے کافروں کے خلاف بددعا کی (5) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف بددعا کی جنہوں نے مومنوں کے خلاف اکٹھ کیا تھا۔ فی الجملہ یہی کافروں کے خلاف بددعا تھی جہاں تک معین کافر کا تعلق ہے تو اس کا خاتمہ معلوم نہیں۔ اس لیے اس کے خلاف بددعا نہیں کی جاتی کیونکہ اس کا انجام ہمارے نزدیک مجہول

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الدعاء علی المشرکین بالہزیمۃ، جلد 1، صفحہ 410
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 105
3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 460
4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 201
5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1861

ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا خاتمہ سعادت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عتبہ، شیبہ اور ان دونوں کے ساتھیوں کے بارے میں بددعا کی کیونکہ ان کے انجام کا آپ کو علم تھا اور ان کے حال کے بارے میں پردہ اٹھا دیا گیا تھا۔

میں کہتا ہوں: یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں تفصیلی گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔

حضرت نوح علیہ السلام کا بددعا کی وجہ بیان کرنا

مسئلہ نمبر 3۔ ابن عربی نے کہا: اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف دعا کو آخرت میں مخلوق کی شفاعت سے توقف کا سبب کیوں بنایا ہے(1)؟ ہم عرض کریں گے: لوگوں نے اس بارے میں دو وجہیں ذکر کی ہیں۔ (۱) وہ دعا غضب اور سختی کی وجہ سے پیدا ہوئی جبکہ شفاعت تو رضا اور نرمی کی وجہ سے ہوتی ہے تو آپ کو خوف ہوا کہ کہیں اس پر عتاب نہ ہو اور یہ نہ کہا جائے تو نے کل (دنیا میں) کفار کے خلاف بددعا کی اور آج ان کے حق میں شفاعت کرتے ہو۔ (۲) انہوں نے نص اور واضح اجازت کے بغیر ناراضگی کے عالم میں بددعا کی تھی تو قیامت کے روز اس پر وبال کا خوف محسوس ہوا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اِنِّیْ قَتَلْتُ نَفْسًا لَّمْ اُوْمَرْ بِقَتْلِهَا میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ کہا: میں بھی یہی قول کرتا ہوں۔

میں کہتا ہوں: اگرچہ بددعا کرنے کا صریح حکم نہیں تھا جب آپ کو یہ کہا گیا تھا: اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (ہود: 36) اس نے آپ کو ان کے انجام سے آگاہ کر دیا تو آپ نے ان کے خلاف ہلاکت کی بددعا کی جس طرح ہمارے نبی ﷺ نے شیبہ، عتبہ اور ان جیسے لوگوں کے خلاف بددعا کی اور یہ الفاظ کہے: اللھم علیک بھم جب ان کے انجام کا علم ہو گیا۔ اس تعبیر کی بنا پر اس میں بددعا کرنے کے امر کا معنی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ دَیَّارًا۔ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا یَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا یعنی جو گھر والوں میں رہتا ہے(2)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ اصل میں یہ دیوار تھا۔ یہ فیعال کا وزن ہے، یہ دار یدور سے مشتق ہے، واؤ کو یا سے بدل دیا اور ان میں سے ایک یا کو دوسری یا میں ادغام کر دیا جس طرح قیام، اصل میں یہ قیوام تھا۔ اگر یہ فعال کا وزن ہوتا تو یہ دوار ہوتا۔ قتبی نے کہا: اصل میں یہ دار سے ہے یعنی گھر میں فروکش ہونے والا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما بالدار دیار یعنی کوئی بھی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دیار سے مراد گھر والا ہے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

"میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور بخش دے سب مومن مردوں اور عورتوں کو اور ظالموں (کافروں) کے لیے کچھ اضافہ نہ کر بجز ہلاکت و بربادی کے"۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنے والدین کے لیے دعا کی۔ وہ دونوں مومن

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1861

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 105